

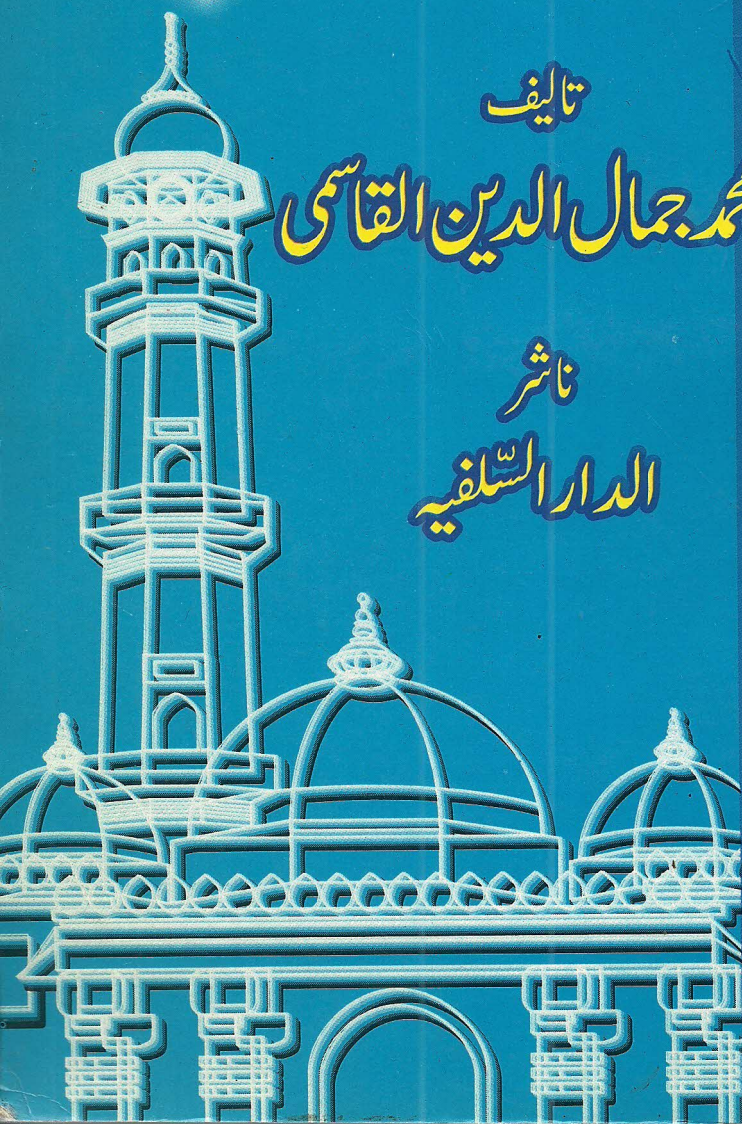
# اصلاح المساجد

تأليف

محمد جمال الدين القاسمي

ناشر

الدرار السلفي



# اصْلَاحُ الْمَسَاجِدِ

مِنَ الْبُذُوعِ وَالْعَوَائِدِ

تأليف علامة الشام

محمد جمال الدين القاسمي

دكتور مقتدى حسن الازهرى  
أدق ترجمه

تصحیح و تعلیق  
شیخ الاسلام محمد ناصر الدین البانی

ناشر

دار المعارف

۱۳ محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳۰۰۰۳۳



## مساجد کے آباد کار

اِسْمَاعِيْلُ مَسْجِدِ اللّٰهِ مَنْ اَمِنَ بِاللّٰهِ  
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاَتٰى الزَّكٰوةَ  
وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ تَفْعَلْ اَوْ لِيَاكَ  
اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ

التَّوْبَةُ - ۱۸

اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہو سکتے  
ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے اور نماز  
قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ کے سوا کسی  
سے نہیں ڈرتے ہیں۔ انھیں سے توقع ہے کہ وہ  
سیدھی راہ پر چلیں گے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مساجد، روئے زمین کا سب سے بہتر حصہ ہیں، احتراماً انھیں ”بیت اللہ“ اللہ کا گھر بھی کہا جاتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کا مرکزی مقام یہی مسجدیں ہیں جو جمال و جلال سے آراستہ، زمین کا سب سے پاکیزہ متبرک، مقدس اور صاف ستھرا حصہ ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا مساجد سے تعلق اور وابستگی جزو زندگی بن جاتے۔ ایسے لوگ عرش الہی کے سائے میں جگہ پائیں گے، مسجد سے قلبی لگاؤ اور پابندی کے ساتھ اس کی حاضری ایمان کی علامت ہے۔ مسجد کی صفائی و ستھرائی جزو ایمان ہے۔

مساجد، روزِ اول سے رشد و ہدایت اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور ملی و قومی جدوجہد کا مرکز رہی ہیں۔ یہیں سے اسلام کا پیغام ساری دنیا میں نشر ہوتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی علمی، قومی اور روحانی قوتوں کا یہی سرچشمہ ہیں، یہیں سے اُمتِ محمدیؐ نے ماضی میں بھی اسلام کا سبق سیکھا تھا۔ اور آئندہ بھی مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی اور روحانی مرکز مسجدیں ہی رہیں گی۔

افسوس — مسلمانوں کے ملی انحطاط سے مسجدیں بھی متاثر ہوئیں۔ اور حبِ ارشادِ نبویؐ ”مساجد ہم عامۃ دہی خراب من الہدیٰ“



مسجدیں آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے ویران رہیں گی، ہدایت سے ویرانی اور محرومی اب عام طور پر مساجد کا المیہ بن گئی ہے۔

مسجدیں اپنے شرعی مقاصد اور رُوح سے خالی ہوتی جا رہی ہیں، جاہل اور بد دین، بے نمازی متوتلیوں کی اجارہ داری کے سبب مسجدوں کا ماحول بروج اور وحشت ناک ہوتا جا رہا ہے، مسجدیں گندی، گرد آلود، ویران، اور خستہ حال ہوتی جا رہی ہیں، جاہل ائمہ کی کثرت سے مسجدوں میں بدعات و رسومات عام ہوتی جا رہی ہیں۔ اذان، اقامت، اور نماز سے پہلے اور بعد مختلف قسم کی بدعات کا رواج عام ہو گیا ہے۔ بعض مسجدوں میں نماز کے بعد جماعت کے ساتھ دُرود و سلام کا ورد اور اس میں بعض شرکیہ کلمات کا اضافہ نماز کا جزو بن چکے ہیں۔ دُعا ثانیہ کا ایسا التزام کہ اس کے بغیر نماز کو نامکمل سمجھا جاتا ہے، جمعہ کے خطبات کا حال اور بھی بُرا ہے۔ بعض مساجد میں اب تک ترکِ دُرودِ خلافت کے مطبوعہ خطبات منبروں پر پڑھے جاتے ہیں، جنہیں نہ کوئی سمجھنے والا ہوتا ہے اور نہ ان میں عصر حاضر کے مسائل کا کوئی حل ہوتا ہے۔ انوس! مسجدیں بڑی حد تک ہدایت سے محروم اور ویران ہو چکی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کا یہ عظیم قلعہ مسمار ہوتا جا رہا ہے، جس سے ملتِ اسلامیہ کی نشوونما پر بڑا بُرا اثر پڑ رہا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ شام کے مشہور سلفی عالم علامہ شیخ محمد جمال الدین القاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”اصلاح المساجد، من البدع والاعواء“ میں ان تمام بدعات و رسومات اور متوتلیان و ائمہ کی پیدا کردہ بُرائیوں پر غوب سیر حاصل بحث کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی

مذہبی رگ پکڑی ہے اور مساجد سے متعلق چھوٹی بڑی تمام باتوں پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جن کو پڑھ کر مساجد سے متعلق شریعت کا حقیقی مطلع نظر کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

اس کتاب کی صحت اور اہمیت اس لحاظ سے بھی اور بڑھ گئی ہے کہ اس کی تصحیح اور احادیث کی تحقیق محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین البانی نے فرمائی ہے جو اس وقت پوری دنیا میں فن حدیث کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب اردو زبان میں اپنے موضوع پر انوکھی اور مستند ہے کتاب کا اردو ترجمہ ہندستان کی مشہور اسلامی یونیورسٹی جامعہ سلفیہ بنارس کے ریکٹر ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نے کیا ہے جو نہایت صحیح، سلیس اور عام فہم ہے۔

کتاب کی کتابت اور طباعت کے سلسلہ میں ادارہ الدار السلفیہ نے اپنا اعلیٰ طباعتی معیار برقرار رکھا ہے جو دینی کتابوں کے لئے باعث عز و شرف ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر دار السلفیہ بجا طور پر فخر کرتا ہے۔

امید ہے یہ مفید مجموعہ مسلمانوں کے تمام مذہبی و دینی طبقوں میں بیکار مقبول ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف، مصحح، اور مترجم و ناشر کو اس علمی صدقہ جاریہ کی اشاعت پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

مختار احمد ندوی

دار السلفیہ ۱۲۔ محمد علی بلڈنگ۔ بمبئی بازار

بستی ۳۰۰۰۳

یکم جنوری ۱۹۸۰ء

## فہرست مضامین اصلاح المساجد

- ۱۶ \_\_\_\_\_ مؤلف کتاب  
۲۳ \_\_\_\_\_ مقدمہ ناشر  
۲۵ \_\_\_\_\_ دیباچہ طبع اول

### مقدمہ

- ۱۔ راہ حق پر استقامت کا معیار \_\_\_\_\_ ۳۰  
۲۔ بدعت پر وعید \_\_\_\_\_ ۳۱  
۳۔ بدعت کا مفہوم \_\_\_\_\_ ۳۶  
۴۔ بدعت کی تقسیم \_\_\_\_\_ ۳۸  
۵۔ بدعت مردود ہے \_\_\_\_\_ ۴۰  
۶۔ بدعتی مبنغوض ہے \_\_\_\_\_ ۴۰  
۷۔ رسم بد نکالنے پر وعید \_\_\_\_\_ ۴۲  
۸۔ حرام و مکروہ برائیتوں کا انکار \_\_\_\_\_ ۴۲  
۹۔ بدعات پر خاموشی کے مفاسد \_\_\_\_\_ ۴۳  
۱۰۔ بدعت سے غیر متعلق مسائل میں عالم کا فرض \_\_\_\_\_ ۴۵  
۱۱۔ عوام کے لئے غلط فہمی کا باعث بننے والے امور \_\_\_\_\_ ۴۵  
۱۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ \_\_\_\_\_ ۵۳  
۱۳۔ مساجد سے بدعتوں کا ازالہ \_\_\_\_\_ ۶۰  
۱۴۔ داعی حق کے لئے صبر و تواضع \_\_\_\_\_ ۶۱



- ۱۵۔ بدعات کا انکار کرنے والے کے خلاف متعصبوں کا غصہ \_\_\_\_\_ ۶۴
- ۱۶۔ اختلاط کے سبب بدعات کا متعدی ہونا \_\_\_\_\_ ۶۵
- ۱۷۔ عوام کے ساتھ عالم کے رابطہ کی نوعیت \_\_\_\_\_ ۶۶
- ۱۸۔ مساجد سے بدعات کے ازالہ کی کوشش \_\_\_\_\_ ۶۷
- ۱۹۔ غصب کی زمین یا غصب کے مال کی مسجد کا حکم \_\_\_\_\_ ۶۸
- ۲۰۔ ایسی مسجد کا اختیار جہاں بدعتیں کم ہوں \_\_\_\_\_ ۷۲
- باب اول : مساجد کی بدعتوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۷۵
- پہلی فصل : نماز جمعہ کی بدعتوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۷۵
- ۱۔ خطبہ جمعہ کی بدعتیں \_\_\_\_\_ ۷۵
- ۲۔ نماز جمعہ کے بعد ظہر کی باجماعت نماز \_\_\_\_\_ ۷۸
- ۳۔ کثرتِ تعداد سے جمعہ اپنے موضوع سے ہٹ جاتا ہے \_\_\_\_\_ ۷۹
- ۴۔ عہدِ نبوت و خلافت میں جمعہ کی خصوصیات \_\_\_\_\_ ۹۴
- ۵۔ تعداد پوری کرنے کے لئے گاؤں میں چالیس کا انتظار \_\_\_\_\_ ۹۵
- ۶۔ صف کو چھوڑ کر حجرہ میں جمعہ پڑھنا \_\_\_\_\_ ۹۶
- ۷۔ خطبہ اور خطیبوں کے آداب \_\_\_\_\_ ۹۷
- ۸۔ خطیب کے بیٹھنے کے بعد مؤذن کی دُعا \_\_\_\_\_ ۱۰۰
- ۹۔ فضائلِ رجب کی حدیثیں \_\_\_\_\_ ۱۰۰
- ۱۰۔ خطیب کو منبر سے اُترنے کے بعد چھوٹا \_\_\_\_\_ ۱۰۳
- دوسری فصل : نماز کی بدعتوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۱۰۳
- ۱۔ تکبیرِ تحریمہ سے پہلے بلند آواز سے نیت کرنا \_\_\_\_\_ ۱۰۳

۲۔ اقامت کے بعد نفل نماز کا حکم ۱۰۶

۳۔ نماز کی غلط ادائیگی ۱۰۸

۴۔ دوسری جماعت کے انتظار میں پہلی جماعت کو چھوڑنا ۱۰۸

۵۔ مقررہ امام پر زیادتی ۱۰۹

۶۔ ایک جگہ ایک سے زائد جماعتوں سے خلل ہوتا ہے ۱۱۰

۷۔ نماز کے بعد بلا سبب دو سجدوں کی بدعت ۱۱۵

۸۔ صفوں سے پیچھے ہٹ کر چپوترے پر نماز پڑھنا ۱۱۷

۹۔ نماز تراویح کی غلطیاں ۱۱۷

۱۰۔ مخالف مسلک کے امام سے الگ ہو کر وتر پڑھنا ۱۱۸

تیسری فصل : امام کے آداب ۱۲۰

۱۔ کچھ فروعی مسائل ۱۲۰

۲۔ تحیۃ المسجد کی مسنونیت ۱۲۲

۳۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھانا ۱۲۳

۴۔ مصلیٰ کے آگے سے گزرنا ۱۲۳

۵۔ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا ۱۲۴

باب دوم : مادی بدعتوں کے بیان میں ۱۲۵

پہلی فصل : بعض فروعی مسائل ۱۲۵

۱۔ مسجدوں کی آرائش ۱۲۵

۲۔ ایک محلہ میں مسجدوں کی کثرت ۱۲۶

دوسری فصل : مخصوص مہینوں میں مساجد میں روشنی ۱۲۷

- ۱۔ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں روشنی \_\_\_\_\_ ۱۲۷
- ۲۔ شعبان کی پندرھویں رات میں روشنی اور دعائیں \_\_\_\_\_ ۱۲۸
- ۳۔ ماہ رمضان میں روشنی \_\_\_\_\_ ۱۲۹
- ۴۔ عید کے دن چاشت کے وقت تک چراغوں کو جلانا \_\_\_\_\_ ۱۳۱
- تیسری فصل : مسجد کے اندر بعض تعمیرات \_\_\_\_\_ ۱۳۱
- ۱۔ مسجد کے کمرے اور کٹہرے \_\_\_\_\_ ۱۳۱
- ۲۔ قاری کے لئے مسجد میں مخصوص کرسی \_\_\_\_\_ ۱۳۲
- باب سوم : مساجد میں دُعا، اذکار اور قصوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۱۳۴
- پہلی فصل : \_\_\_\_\_ ۱۳۴
- ۱۔ مسجد میں سماع \_\_\_\_\_ ۱۳۴
- ۲۔ ذکر میں اللہ کے لفظ کی تبدیلی \_\_\_\_\_ ۱۳۵
- ۳۔ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا \_\_\_\_\_ ۱۳۹
- ۴۔ وقت سحر کی تحقیق اور درود پڑھنے والوں پر تنقید \_\_\_\_\_ ۱۴۱
- ۵۔ میلاد پر پڑھے جانے والے اذکار \_\_\_\_\_ ۱۴۳
- ۶۔ دنیاوی بات چیت کے لئے مسجد میں حلقہ بنانا \_\_\_\_\_ ۱۴۵
- ۷۔ صفر کے آخری بدھ کی رات میں سلام کی آیات لکھنا \_\_\_\_\_ ۱۴۵
- ۸۔ مساجد کے قصہ خواں \_\_\_\_\_ ۱۴۹
- دوسری فصل : قرأت اور قاریوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۱۵۵
- ۱۔ قرأت کے وقت شور \_\_\_\_\_ ۱۵۵
- ۲۔ قرأت سے لوگوں کا خلل \_\_\_\_\_ ۱۵۶



۳۔ مسجد میں قراہ کا خلل \_\_\_\_\_ ۱۵۶

۴۔ مسجد کی علمی مجلسوں سے اعراض \_\_\_\_\_ ۱۵۷

۵۔ عید کا خطبہ سننے سے اعراض کرنا \_\_\_\_\_ ۱۵۸

۶۔ مسجد کی علمی مجلسوں کو چھوڑ کر نفل نماز میں مصروف رہنا۔ \_\_\_\_\_ ۱۵۹

۷۔ تلاوتِ قرآن میں عجلت \_\_\_\_\_ ۱۶۱

۸۔ مسجد میں غلط طور پر قرآن پڑھنے والے \_\_\_\_\_ ۱۶۲

۹۔ سال کی پہلی اور آخری رات کی دُعا \_\_\_\_\_ ۱۶۳

تیسری فصل : مؤذّنوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۱۶۴

۱۔ اذان و اقامت کے آداب \_\_\_\_\_ ۱۶۴

۲۔ اذان کے کچھ فروعی مسائل \_\_\_\_\_ ۱۶۵

۳۔ مغرب و غنار میں مناروں کی اذان کے علاوہ اذان \_\_\_\_\_ ۱۶۸

۴۔ شرعی اذان میں اضافہ اور تنعیم کی بدعت \_\_\_\_\_ ۱۶۹

۵۔ فجر سے پہلے رمضان میں سحری میں جلدی کے لئے دوسری اذان \_\_\_\_\_ ۱۷۱

۶۔ بعض مسجدوں میں وقت بتانے والے \_\_\_\_\_ ۱۷۲

۷۔ مؤذّن کی اقامت \_\_\_\_\_ ۱۷۳

۸۔ اقامت کے الفاظ میں ”سیدنا“ کا اضافہ \_\_\_\_\_ ۱۷۴

۹۔ نمازوں کے بعد بلند آواز سے آمین کہنا اور ماثور ورد کو چھوڑ کر درود کمالی پڑھنا۔ \_\_\_\_\_ ۱۷۷

۱۰۔ خطبہ جمعہ سے پہلے شعر خوانی \_\_\_\_\_ ۱۷۸

۱۱۔ اجتماعی طور پر مؤذّنوں کا تکبیر بکارتا \_\_\_\_\_ ۱۷۹

۱۲۔ مخصوص نغموں سے تکبیر \_\_\_\_\_ ۱۷۹

۱۳۔ بلا ضرورت تکبیر \_\_\_\_\_ ۱۸۰

۱۴۔ مؤذنوں کا کسی مخصوص ورد یا شعر کو زور سے پڑھنا \_\_\_\_\_ ۱۸۱

۱۵۔ مناروں پر غزلیات پڑھنا \_\_\_\_\_ ۱۸۱

۱۶۔ رمضان کے اوداعی اشعار \_\_\_\_\_ ۱۸۲

۱۷۔ جامع اموی میں بدعتوں کا وجود اور تنقید میں کی اس پر خاموشی \_\_\_\_\_ ۱۸۴

باب چہارم : خاص و عام اباق کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۱۸۶

۱۔ بعض مدرسین کا تعصب \_\_\_\_\_ ۱۸۶

۲۔ عام اباق میں بعض مدرسین کا تاہل \_\_\_\_\_ ۱۹۰

۳۔ نااہل شخص کو مدرس بنانا \_\_\_\_\_ ۱۹۲

۴۔ نااہل شخص کو مدرس یا متولی بنانا اور تنخواہ دینا \_\_\_\_\_ ۱۹۳

۵۔ اہل خیر کی عہدوں سے بے نیازی \_\_\_\_\_ ۱۹۴

باب پنجم : \_\_\_\_\_ ۱۹۶

پہلی فصل : مہیت سے متعلق مسجد میں ہونے والی بدعتوں کا بیان \_\_\_\_\_ ۱۹۶

۱۔ اذان کے مقام سے موت کا اعلان اور جنازہ کے لئے پکارنا \_\_\_\_\_ ۱۹۶

۲۔ مسجد میں داخلہ کے موقع پر مہیت کے آگے بلند آواز سے شعر خوانی \_\_\_\_\_ ۱۹۷

۳۔ مسجد میں مہیت کا مرتبہ اور نسب نامہ پڑھنا \_\_\_\_\_ ۱۹۸

۴۔ مہیت کے دفن میں تاخیر کرنا \_\_\_\_\_ ۱۹۹

۵۔ مسجد میں تعزیت کے لئے بیٹھنا \_\_\_\_\_ ۲۰۰

۶۔ مہیت کو مسجد میں دفن کرنا یا اس کی قبر پر مسجد بنانا \_\_\_\_\_ ۲۰۱

۷۔ عاشوراء کے جمعہ کو منبر پر حضرت حسینؑ کی موت کا اعلان \_\_\_\_\_ ۲۰۲

دوسری فصل : چند قابل توجہ امور کے بارے میں \_\_\_\_\_ ۲۰۵

۱۔ مقررین کے درجات تک پہنچنے کے لئے مسجد میں بیٹھنا \_\_\_\_\_ ۲۰۵

۲۔ تحفظِ نفس کے لئے مسجد میں گوشہ نشین ہونا \_\_\_\_\_ ۲۰۸

۳۔ کسبِ معاش چھوڑ کر مسجد میں سکونت پذیر ہونا \_\_\_\_\_ ۲۱۰

۴۔ مساجد و مدارس میں گوشہ نشینی اور اس کے مفاسد \_\_\_\_\_ ۲۱۱

۵۔ مسجد سے اُنسیت رکھنے والے بینا اور پاکدامن لوگ \_\_\_\_\_ ۲۱۲

۶۔ مسجد کو خانقاہ کے طور پر استعمال کرنا \_\_\_\_\_ ۲۱۴

۷۔ مسجد کو مکتب یا چوکیداروں کی قیام گاہ بنانا \_\_\_\_\_ ۲۱۸

۸۔ مسجد میں کمزوری کا اظہار کرنا، سر جھکانا اور پشت خم کرنا \_\_\_\_\_ ۲۱۹

۹۔ گھاؤں کے بعض ائمہ کی جہالت \_\_\_\_\_ ۲۲۱

۱۰۔ مسجدوں کی تعمیر و صفائی کے سلسلہ میں گھاؤں کے اکابر کی کوتاہی \_\_\_\_\_ ۲۲۲

۱۱۔ تعمیر کے وقت مسجد میں ننگے پاؤں داخل ہونے والوں کا مبالغہ \_\_\_\_\_ ۲۲۳

۱۲۔ مساجد ثلاثہ کے علاوہ فضیلت کی بنا پر کسی مسجد سے اُنسیت \_\_\_\_\_ ۲۲۳

۱۳۔ مسجد میں جوتوں کے محافظ \_\_\_\_\_ ۲۲۴

۱۴۔ مسجد میں بلیوں کو رکھنا \_\_\_\_\_ ۲۲۵

۱۵۔ مجذوب لوگوں کو مسجدوں میں جگہ دینا \_\_\_\_\_ ۲۲۵

۱۶۔ بچوں کا مسجد آنا \_\_\_\_\_ ۲۲۶

۱۷۔ مسجدوں میں دوا، کھانا اور تعویذ وغیرہ فروخت کرنا \_\_\_\_\_ ۲۲۷

۱۸۔ مسجد میں کسی مخصوص جگہ قیام \_\_\_\_\_ ۲۲۸

۱۹۔ متوتبایانِ مساجد کی ذمہ داریاں \_\_\_\_\_ ۲۲۹



- ۲۰۔ دُفعہ دُبار کے لئے مسجد میں دعائیسہ اجتماع \_\_\_\_\_ ۲۳۲
- باب ششم :- مساجد ثلاثہ سے متعلق مشروع اور بدعت کے کاموں کے بیان میں۔ \_\_\_\_\_ ۲۳۴
- پہلی فصل : بیت المقدس کے بارے میں \_\_\_\_\_ ۲۳۴
- دوسری فصل : مسجد خلیل کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۲۳۸
- تیسری فصل : مدینہ منورہ کے گرد و پیش کی زیارت گاہوں کے بیان میں۔ \_\_\_\_\_ ۲۴۰
- چوتھی فصل : مکہ معظمہ کی زیارت گاہوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۲۴۲
- پانچویں فصل : سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کی جگہوں کے بارے \_\_\_\_\_ ۲۴۶
- میں حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کے مذہب اور حضرت ابن عمرؓ کی رائے کے \_\_\_\_\_ ۲۴۶
- ما بین موازنہ اور اتباع کی حقیقت کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۲۴۶
- باب ہفتم :- متفرق بدعتوں کے بیان میں \_\_\_\_\_ ۲۵۱
- ۱۔ عورتوں کا مساجد کے مقامات کی زیارت کرنا \_\_\_\_\_ ۲۵۱
- ۲۔ مساجد، مقابر اور آذان کے لئے نذر و نیاز \_\_\_\_\_ ۲۵۳
- ۳۔ طہارت کے معاملہ میں دوسوہ اور مسجد کے پانی کا اسراف \_\_\_\_\_ ۲۵۴
- ۴۔ استنجاء کے بعد مسجد کے گوشوں میں ٹہلنا \_\_\_\_\_ ۲۵۷
- ۵۔ رذیلوں کا بعض مسجدوں کے حوض میں غسل کرنا \_\_\_\_\_ ۲۵۹
- ۶۔ مسجد میں تھوکنے کا گناہ \_\_\_\_\_ ۲۶۰
- ۷۔ مسجد کے گوشوں میں پردے اور علم لٹکانا \_\_\_\_\_ ۲۶۰
- ۸۔ مسجد کی دیواروں یا جھنڈوں کو چھونا \_\_\_\_\_ ۲۶۲
- ۹۔ یتامیٰ اور مفلسین کا مسجد میں پناہ لینا \_\_\_\_\_ ۲۶۳
- ۱۰۔ مسجد کے حجرہ میں جھاڑ پھونک کرنے والوں کا قیام \_\_\_\_\_ ۲۶۶

- ۱۱۔ مسجدوں سے جلوس وغیرہ نکالنا ————— ۲۶۷
- ۱۲۔ کسی مخصوص مسجد میں عورتوں کے لئے وعظ ————— ۲۶۹
- ۱۳۔ جاڑے میں مساجد کو گرم کرنے سے روکنا ————— ۲۷۱
- ۱۴۔ مسجد کے خدام کی جماعت میں سستی ————— ۲۷۳
- ۱۵۔ کیر و سین تیل کے استعمال سے گریز ————— ۲۷۴
- ۱۶۔ عمامہ یا تجبہ کے بغیر امامت کرنا ————— ۲۷۵
- ۱۷۔ مسجد و مدرسہ کے دربان کے فرائض اور دروازہ بند رکھنے کا نقصان ————— ۲۷۷
- ۱۸۔ جماعت سے غیر حاضری اور غفلت ————— ۲۷۸
- ۱۹۔ بعض مساجد کی موقوفہ کتبوں پر قبضہ جانا ————— ۲۸۱
- ۲۰۔ قرآن، خوشبو کے ڈبوں اور قالینوں کی وصیت ————— ۲۸۲
- ۲۱۔ مساجد میں درخت لگانا ————— ۲۸۳
- ۲۲۔ لمبی قرارت ————— ۲۸۴
- ۲۳۔ قاری کی تلاوت کے وقت قرآن کے پارے تقسیم کرنا ————— ۲۸۶
- ۲۴۔ امام کے پیچھے کھڑے ہونے والوں کا اپنی جگہ لینے والوں پر غصہ ————— ۲۸۷
- ۲۵۔ بعض مسجدوں میں محل کا نظارہ کرنے والوں کی بھیڑ ————— ۲۸۸
- ۲۶۔ مسجد کی جائے نماز پر اپنی جائے نماز بچھانا ————— ۲۸۹
- ۲۷۔ پانی بند ہونے کے بعد حوض کے پانی کا بدل جانا ————— ۲۹۱
- ۲۸۔ خیراتی حوض کو لوہے کی جالیوں سے گھیرنا ————— ۲۹۲
- ۲۹۔ اسقاط نماز کا صدمہ قبول کرنے کے لئے فقراء کا مسجد میں اجتماع ————— ۲۹۴
- ۳۰۔ بعض مدرسین یا سامعین کا آنے والے کے لئے کھڑا ہونا ————— ۲۹۶

۳۱۔ مسجد کے صحن کا احترام \_\_\_\_\_ ۲۹۷

۳۲۔ مسجد کے امام یا خادم کی وفات پر تیسری رات مغرب و عشاء کے مابین \_\_\_\_\_ ۲۹۸

تہلیل کہنا \_\_\_\_\_ ۲۹۸

۳۳۔ کسی دباہ یا جنگ کی مصیبت پر بخاری شریف پڑھنا \_\_\_\_\_ ۳۰۱

۳۴۔ مساجد کی اصلاح کے لئے مدیر اذقاف کے نام دی جانے والی درخواست \_\_\_\_\_ ۳۰۵

۳۵۔ بعض مساجد کے قبلہ کی اصلاح سے متعلق عوام کی کج سمجھی \_\_\_\_\_ ۳۰۶

## خاتمہ

مساجد کے احکام سے متعلق جزئیات جو ”الاقتناع“ اور اس کی

شرح میں مذکور ہیں \_\_\_\_\_ ۳۰۸

وقف سے متعلق کچھ دوسری جزئیات \_\_\_\_\_ ۳۱۳

کچھ اور مسائل \_\_\_\_\_ ۳۱۷





# مؤلف کتاب

## ولادت اور نام و نسب :

صاحب ”اصلاح المساجد“ مورخہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۶۶ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالفرج اور نام محمد جمال الدین ہے، سلسلہ نسب یوں مذکور ہے : محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم بن صالح بن اسماعیل بن ابی بکر۔ ان کے جد امجد قاسم بن صالح شام کے امام و فقیہ مشہور تھے، انہی کی طرف منسوب ہو کر ”مؤلف“ انقاسی“ کہلائے۔ شیخ قاسم کے علاوہ مؤلف کے اجداد میں علمی خدمات کے لئے کوئی اور مشہور نہیں ہوا۔

## تعلیم و تربیت

قاسمی کا گھرانہ علم و تقویٰ کے لئے مشہور تھا، ان کے والد کو فقہ و ادب سے خصوصی دلچسپی تھی اور ساتھ ہی موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔ اسی دینی و ادبی ماحول میں قاسمی نے تربیت پائی۔ تعلیم کے قدیم طریقہ پر سب سے پہلے مؤلف نے شیخ عبدالرحمن مصری سے قرآن کریم پڑھا، پھر ترکی عالم شیخ محمود انقوسی سے کتابت کافن سیکھا، اس کے بعد المدرستہ النظاہریہ کے مکتب میں شیخ ”رشید قزلباش“ سے توحید، صرف، نحو، منطق، عروض اور بلاغت کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور شیخ انقار شیخ احمد علوانی سے تجوید کافن سیکھا۔ شیخ سلیم عطار کے پاس تشریح

شذور الذهب، شرح ابن عقیل، شرح قطر الندی، مختصر المعانی، جمع الجوامع، تفسیر ریاضی، صیغہ بخاری، مؤطا، کتاب الشفار، مصابیح السنۃ، الجامع الصغیر، اور الطریقۃ المحمدیۃ وغیرہ کے اسباق پڑھے۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست میں شیخ بکری العطار، شیخ محمد الحانی اور خود آپ کے والد کے مامول شیخ حسن جبینہ دسوتی کے نام بھی شامل ہیں۔ اس دور کے اکثر علماء سے آپ کو اجازت و سند حاصل ہے۔

### تدریس و امامت :

شیخ قاسمی نے چودہ سال ہی کی عمر سے اپنے والد کی ماتحتی میں جامع سانیہ میں تدریس کا کام سنبھال لیا تھا۔ اس کا سلسلہ ۱۳۰۳ھ تک جاری رہا۔ ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۱۵ھ تک ماہ رمضان میں موصوف نے وادی النعم، النبک، اور بعلبک میں درس دیا۔ ۱۳۱۵ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ عام درس دینے لگے، جامع سانیہ کی امامت اور درس عام کا سلسلہ بھی آپ کی وفات تک جاری رہا۔

### زمانہ کے حالات

شیخ قاسمی کے زمانہ میں ملک شام ترکی حکومت کے ماتحت تھا، اس دور میں لوگوں کو سیاسی آزادی نہیں حاصل تھی، حکام عدل و انصاف کی پابندی نہیں کرتے تھے اور اصحاب اقتدار میں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔

علمی لحاظ سے بھی زمانہ کا حال اچھا نہ تھا، مدارس کم اور صحافت و طباعت کمزور تھی، لوگوں کی تعلیم کے بعد مساجد یا گھروں میں تھوڑی بہت تعلیم حاصل کر لیتے تھے، اسی لئے

ناخواندگی عام تھی۔ مذہبی زندگی میں جمود اور تقلید کا زور تھا، حدیث کی کتابوں کو بطور ترک ہانٹ لگایا جاتا تھا، تفسیر کی کتابیں عوام تو درکنار خواص بھی چھو نہیں سکتے تھے۔ لوگوں کی توجہ فقہ کی صرف ان کتابوں پر تھی جنہیں متاخرین فقہاء نے تصنیف کیا تھا، صرف وہی اور ادب کو صرف وسیلہ کے طور پر پرٹھایا جاتا تھا۔

تصوف کے مختلف طریقوں کو اس وقت بہت رواج حاصل تھا، علماء دین بھی ان کو اختیار کر کے عوام کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے اور صالح اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے کسی بھی کام سے روک دیتے تھے۔

اس دور کے سماجی حالات ابتر تھے، اجتماعی زندگی میں کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی تھی، مجالس مذاکرہ، اصلاحی جمعیات اور رفاہی انجمنوں کا کوئی وجود نہ تھا، عورت جسے معاشرہ کا نصف حصہ مانا جاتا ہے، اس کے لئے کسی طرح کی کوئی خدمت پیش نہیں کر پاتی تھی۔ ان حالات میں شیخ قاسمی جیسا انسان اپنے آپ کو بالکل اجنبی محسوس کرتا تھا، اپنی صلاح سے کام لینے کا انھیں کوئی میدان نظر نہیں آتا تھا، پھر بھی انھیں اپنے پیغام کی اہمیت و تقدس اور اس کے لئے جدوجہد کی ضرورت کا پورا پورا احساس تھا۔

### علمی برتری :

مروجہ تدریسی علوم کے بعد شیخ قاسمی نے اپنی گھریلو لائبریری کے سہارے اپنی معلومات کو بے حد وسیع کر لیا، اس کتب خانہ میں دو ہزار سے زائد کتابیں موجود تھیں جن میں بہت کم کتابیں ایسی تھیں جن پر شیخ قاسمی نے کوئی تصحیح یا نوٹ نہ لکھا ہو۔ یہ کتب خانہ تفسیر و حدیث فقہ و تصوف، زبان و ادب اور تاریخ و اصول کے علاوہ جدید و قدیم فلسفہ، علم اجتماع، ریاضی، نقلی قانون اور دیگر ادیان و مذاہب کی کتابوں پر مشتمل تھا۔

## تصانیف:

شیخ قاسمی نے تقریباً ایک سو کتا ہیں تصنیف کیں، ان میں تفسیر، حدیث، اصول، توحید، آداب و اخلاق اور تاریخ و سیاست کے علاوہ کچھ کتا ہیں عام موضوعات پر بھی ہیں۔ صرف ۴۹ سال کی عمر میں اتنی زیادہ اور مفید کتا ہیں تصنیف کر لینا موصوف کی علمی برتری اور اعلیٰ صلاحیت کی دلیل ہے۔

شیخ قاسمی ابتداءً مستحج عبارت لکھتے تھے، پھر بعد میں شیخ محمد عبدالہ کی تحریک پر مرسل اسلوب اختیار کر لیا جس میں الفاظ و ترکیب کا جمال و جلال اور مفہوم و مطالب کے سلسلہ میں وقت پسندی نمایاں تھی۔

## انکار و خیالات:

شیخ قاسمی کی تصنیفات کے مطالعہ سے ان کے یہ خیالات نمایاں ہوتے ہیں:

دین ایک اخلاقی مدرسہ اور اتحاد کا داعی ہے۔

عقل، اللہ کی قطعی حجت ہے، اور نقلیات کبھی غفلیات کی مخالفت و تردید نہیں کر سکتیں۔ بحث و گفتگو کا دروازہ ہر چیز حتیٰ کہ صحیحین کی حدیثوں کے بارے میں بھی کھلا ہوا ہے۔ حریت علم و تالیف کا یہ تقاضہ ہے کہ فکر و رائے کا بخل نہ کیا جائے، بلکہ انھیں علی الاعلان پیش کیا جائے۔

حق کسی قول یا مذہب میں منحصر نہیں، امت میں مجتہدین کی کثرت اللہ کا ایک احسان ہے۔ قرآن نے جنگی قوت بنانے کا حکم دیا ہے، مسلمانوں نے جب سے اس پر عمل چھوڑ دیا دشمنوں کی نگاہیں اسلامی ممالک کی جانب اٹھنے لگیں۔

مذہبی امور میں مناظرہ جس سے کینہ اور تعصب پیدا ہو معاشرہ کی آفت ہے۔ اسلام ”جنگ برائے جنگ“ کا قائل نہیں، دعوت کی اشاعت میں اگر رکاوٹ پیدا

ہو تو ایسی صورت میں جہاد ضروری ہے۔

لباس کا تعلق عرف و عادت سے ہے، جب تک کسی لباس سے اخلاقی نقصان نہ ہو دین اس کا مخالف نہیں۔

یہ مناسب نہیں کہ زندگی میں انسان کا کام نباتات سے کم ہو، نباتات میں برابر نور ہوتا ہے، اس لئے انسان کو بھی گھٹنا نہیں چاہیئے۔

### طریقہ دعوت :

شیخ قاسمی کی زبان قلم و دلوں متطا تھیں، آپ نے کبھی کسی کو نہ تو تکلیف پہنچائی نہ سخت دست کہا، صرف دلائل و براہین کی روشنی میں آپ گفتگو کرتے تھے۔ مخالفین کے ساتھ آپ ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیتے تھے، اس لئے آپ سے ہر شخص خوش رہتا تھا۔ مخالفین سے بحث میں شیخ قاسمی کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ ان کی تحقیر و تذلیل ہو بلکہ آپ صرف یہ دیکھتے تھے کہ حق واضح ہو جائے اور غلط کار صحیح راہ پر آجائے۔

### وفات :

شیخ قاسمی نے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۱۴ء کو وفات پائی اور دمشق کے قبرستان الباب الصغیر میں دفن ہوئے۔

### اہل علم کی نظر میں :

امیر البیان علامہ شکیب ارسلان نے شیخ قاسمی کی کتاب ”قواعد التحدیث“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ : شیخ جمال قاسمی اسم باسٹی تھے، ان کی ذات میں ”جمال و قسام“ بدرجہ وافر موجود تھا، معنوی جمال کا جو حصہ آپ کو قدرت سے ملا تھا بہت کم لوگوں کو ملا ہوگا۔



آپ اپنے دور میں دمشق بلکہ پورے ملک شام کا جمال تھے، علم و فضل، وسعت نظر، تیزی فہم، حسن اخلاق اور بے دریغ فکر و خیال میں آپ کی ذات ایک نمونہ تھی۔

میں جب بھی دمشق جاتا تو شیخ قاسمی اور ان کے دوست شیخ عبدالرزاق البیطار سے ضرور ملتا تھا، یہ دونوں اشخاص علم و فضل کی اعلیٰ مثال اور حثویہ اور اہل جمود کے حق میں ضرب کاری تھے۔ میں ان کی مجلسوں میں گھنٹوں بیٹھتا اور دل چسپ لطائف اور اہم علمی موضوعات پر گفتگو سے محفوظ ہوتا تھا، علمی گہرائی اور اصول و فروع پر عبور کی کوئی دوسری ایسی مثال میرے سامنے نہیں۔ میں جب ان کی تقریریں سنتا تھا تو مجھ پر خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی اور خود کو کسی اور دنیا میں محسوس کرتا تھا۔ علمی نوادر و خفائق و لطائف کا ایک بڑا حصہ ان سے سُن کر میں نے یاد کیا ہے، اور اس تعلق پر مجھے فخر ہے۔ عالم کی تعریف میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ: "اسے سب سے پہلے اپنے شہر اور زمانہ کا علم ہونا ہے" اس کا بہترین مصداق ان کی ذات تھی۔ نئی اسلامی نسل جو شریعت کا صحیح فہم حاصل کرنا چاہتی ہے اسے میری وصیت ہے کہ وہ سب سے پہلے شیخ قاسمی کی تصنیفات کا مطالعہ کرے۔"

شیخ قاسمی کی وفات کے بعد علامہ محمد رشید رضا نے "المنار" میں جو مضمون لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں کہ: "آپ شام کے علامہ نادر روزگار، اسلامی علوم کے مجدد، علم و عمل اور تعلیم و تہذیب کے ذریعہ سنت کے زندہ کرنے والے، نیز مطلق سلف اور دور جدید کی تمدنی ترقی کے مابین حلقہ اتصال تھے۔ فقہ، اصول، تفسیر، حدیث اور ادب میں انہیں کمال حاصل تھا، اسی کے ساتھ ساتھ ان کے اندر انابت و تقویٰ، حلم و بردباری اور عفت و طہارت کے جوہر بھی موجود تھے۔ موصوف چودھویں صدی ہجری کے مجددین و مصلحین میں تھے، انکی کتاب "قواعد التحدیث" اس فن کے سدرۃ المنتہی پر پہنچی ہوئی ہے، جو دل چسپ طالب علم کو اس کتاب میں ملے گی کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتی۔ اپنے موضوع پر یہ بے مثل کتاب ہے۔"

شیخ محمد بھت البیطار نے "قواعد التحدیث" پر اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: "جب ایک پبلشر نے مجھ سے مذکورہ کتاب کی تحقیق و تصحیح کا معاملہ کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اتنا ذمہ دار شیخ قاسمی کے پاکیزہ سانس کا ایک جھونکا میرے جسم میں خونِ حیات کی طرح دوڑ گیا ہے، میں نے اس پیش کش کو خوشی قبول کر لیا اور اسے اپنے اتاذ کے بعض حقوق کی ادائیگی منظور کرنے ہوئے کام شروع کر دیا۔

اتنا ذمہ دار رحمۃ اللہ کی زندگی کا یہ پہلو یقیناً تعجب انگیز ہے کہ پچاس سال سے کم عمر میں انہوں نے تقریباً ایک سو کتابیں تصنیف کیں، ان کے کتب خانہ میں یہ مشکل کوئی ایسی کتاب ملے گی جس پر ان کا حاشیہ یا تصحیح نہ ہو۔ انہیں وقت کی پابندی کا خاص خیال تھا اور ہمیشہ وہ مصروف عمل رہا کرتے تھے۔ اگر عمر ساتھ دیتی تو ہمیں ان کی دوسری مفید تصنیفات سے بھی مستمع ہونے کا موقع ملت، کیونکہ ان کا علم برابر ترقی پر تھا، وہ زمانہ کے علوم و حقائق سے مستفید ہونے کا ڈھنگ جانتے تھے اور شریعت کے بہت سے اسرار و رموز ان کی گرفت میں تھے۔ میں نے اس کتاب کی تصحیح میں بہت توجہ سے کام لیا ہے اور اس کے لئے کتنی ہی رائیں جاگ کر گذاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کتاب اور دوسری کتابوں سے ہمیں مستفیض فرمائے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ ۱۷

۱۷ شیخ قاسمی کے یہ حالات قواعد التحدیث کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں۔ (الازہری)

## مقدمہ ناشر

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُكَ، وَنَعُوْذُ بِاللَّهِ  
مِنْ شَرِّهِ وَرِ الْفُسْكَاءِ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ،  
وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ  
لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

اما بعد : علامہ شام شیخ محمد جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اصلاح المساجد"  
کا یہ دوسرا ایڈیشن ہم مسلم قاری کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ مساجد کا اور ان میں مسلمانوں  
کی عبادت کا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔ اسے سمجھنے کے لئے یہ کتاب بہترین روشنی فراہم  
کرتی ہے۔

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں اتنا ذکیر محب الدین الخطیب رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقدمہ  
شائع ہوا تھا اسے ہم اس ایڈیشن میں بھی اسی طرح شائع کر رہے ہیں۔  
اس ایڈیشن میں محدث شام شیخ محمد ناصر الدین البانی کے قلم سے حدیثوں کی تخریج  
اور بعض مشکل مقامات پر حاشیہ کا اضافہ ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔

میں صدیق مکرم اتنا ذخیرہ لقا قاسمی کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے والد  
مرحوم کی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب کی طباعت کے لئے بھی سہولت بہم پہنچائی۔  
اس طرح وہ اپنے والد کی یادگار زندہ کر کے اس حدیث نبوی کا مصداق بن رہے ہیں:

اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْفُطَعَ عَمَلُهُ اِلَّا  
 مِنْ ثَلَاثٍ : صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، اَوْ  
 عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، اَوْ وَكَلٍ صَالِحٍ  
 يَدْعُو لَهُ ۔

جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام  
 اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، صرف تین اعمال  
 باقی رہ جاتے ہیں : اول کوئی صدقہ جاریہ جو اس  
 نے کیا ہو، دوم نفع پہنچانے والا علم چھوڑا ہو،  
 سوم ایسی اولاد چھوڑی ہو جو اس کیلئے دعا کرے۔

ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سابقہ ایڈیشن کی طرح اس ایڈیشن سے بھی، اور اسی طرح  
 مؤلف مرحوم کی دوسری تصنیفات سے بھی لوگوں کو نفع پہنچائے۔ اِنَّهُ سَمِيعٌ مُّجِيبٌ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

زہیر الشاوش

بیروت ۵/۲/۱۳۹۰ھ

## دیباچہ طبع اول

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ وَ  
الْمُصْلِحِينَ - وَ بَعْدُ :

دُنیا میں مردانِ اصلاح کی حیثیت اُن شمعوں کی ہے جن سے تاریکی میں علم و  
حکمت کی روشنی پھیلتی ہے، اصلاح کی اس روشنی سے ظلمت پند آنکھوں کو تکلیف  
پہنچتی ہے، اور جہور کی غفلت سے منفعت اندوزی کے خوگر اس روشنی سے  
کترانے لگتے ہیں، لیکن شمعِ اصلاح اپنا عمل جاری رکھتی ہے، مخالفانہ کوششوں کا  
سلسلہ بھی خفیہ و علانیہ جاری رہتا ہے، اور پھر نورِ خدا کو پورا غلبہ حاصل  
ہو جاتا ہے۔

نیک بندوں کے مذہب کی اشاعت سے جب نورِ الہی کا اتمام ہو جاتا ہے اور  
اسے ماننے والوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو ایسے وقت میں اُن کے مضبوط و محفوظ  
قلعہ کے سامنے شیطان اکھڑا ہوتا ہے۔ جب وہ اسے باہر سے کھول نہیں پاتا تو  
اندر سے داخل ہونے کے لئے حق و باطل کو خلط ملط کرتا ہے اور دین میں بدعتوں  
کے لئے اس خیال سے لوگوں کو اکساتا ہے کہ اس طرح دین کامل ہوگا اور اس پر  
اچھی طرح عمل ہو سکے گا۔ دین کی مثال پانی کے چشمہ کی ہے جو پیارے دامن سے  
صاف و شیریں بن کر چلتا ہے، لیکن مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے ہاتھوں



کے لگنے سے اس کی صفائی و شیرینی مکر ہو جاتی ہے، ایسے وقت میں دوسری چیزوں کو صاف کرنے والے پانی کو خود صفائی کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔

لَوْ يَغَيِّرُ الْمَاءُ حَلَقِي شَرْقً كُنْتُ كَالْغَصَانِ بِالْمَاءِ اعْتَصَارِي  
(پانی کے علاوہ کسی چیز سے اچھو لگتا ہے تو میں اسے پانی کے ذریعہ اُتارتا ہوں)۔

ایسے وقت میں مصلحین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اور ان کی روشنی ان قوموں میں پھیلتی ہے جن کا اللہ تعالیٰ بھلا چاہتا ہے، شاید رسول اکرم، مصلح اعظم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کا یہی معنی ہے :

يَبْعَثُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِلَّةٍ اِمَّةً كَدِينِ كِي تَجِدُ كَ لَئِ  
مَنْ يَجِدُ لِهَذِهِ اَلْمِلَّةِ اللّٰهُ تَعَالٰی ہر صدی میں کسی شخص کو  
اَمْرًا دِيْنَهَا۔ لہ بھیجے گا۔

شاید دینی، اخلاقی، قومی اور دیگر امور میں ہماری بد حالی کے سبب مسلم و عرب ممالک میں مصلحین کی ایک بڑی تعداد ظہور میں آئی، ان مصلحین نے پورے خلوص کے ساتھ امت کو صدرِ اول کے فطری اسلام کی طرف پلٹنے کی دعوت دی جو چشتے کے پانی کی طرح صاف و شیریں ہے۔ ان کی دعوت میں یہ مطالبہ بھی تھا کہ یورپ نے علم و صنعت کے میدان میں جو ترقی کی ہے اس کی روشنی میں اپنے آپ کو مضبوط بنانا بھی ضروری ہو۔ سید جمال الدین قاسمیؒ کا شمار دینی اصلاح کی انھیں مشغولوں میں ہوتا ہے جن سے چودھویں صدی ہجری کی پہلی تہائی (ثلث) میں ہماری تاریک زندگیاں منور ہوئیں۔ ان کے علم و فضل سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا، پھر

وہ اپنے علمی آثار کو چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے اور ان آثار نے اصلاح و تلقین کا عمل جاری رکھا۔

اس وقت ہم شیخ فاسمیؒ کی ایک انتہائی مفید و اہم کتاب اہل فضل کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، یہ کتاب ہے ”إِصْلَاحُ الْمَسَاجِدِ مِنَ الْبُذْعِ وَالْعَوَاصِدِ“..... ہمارے خیال میں اس موضوع پر عربی زبان میں یہ ایک بے نظیر کتاب ہے، ہمیں قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے گا۔  
وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ۔

## مَحَبُّ الدِّينِ النُّحَاطِي

القاهرة، أول رمضان ۱۳۴۱ھ۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَمَرَ بِالْدَّعْوَةِ إِلَى سَبِيلِهِ، وَجَعَلَ الْخَيْرَ  
وَالْفَضْلَ فِي قَدِيلِهِ، وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ  
خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَإِمَامِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَلَى آلِهِ الطَّاهِرِينَ وَ  
أَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ آمَنَّا بَعْدُ :

چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین میں قطب اعظم کی حیثیت رکھتا ہے اور  
اسی ذمہ داری کئے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے۔ اس لئے  
ہر قدرت والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس راہ پر خود کو ڈالے تاکہ بدعت  
و مگر ابھی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر نہ ہو جائے اور سنت کے مٹنے سے راہ حق کے  
نشانات دھندلے نہ ہو جائیں۔ چونکہ بدعات کا حال آسمان کے بادلوں جیسا ہے جنہیں  
کسی شمار و قطار میں نہیں رکھا جاسکتا، اس لئے میں نے مابعد سے متعلق بدعات و  
رسوم میں سے کچھ کو ذکر کر کے بقیہ بدعات کے احکام واضح کرنے کی کوشش کی ہے  
و مشق کی بعض مسجدوں میں امامت و تدریس میرا آبائی پیشہ تھا، اس طرح مجھے یہ  
احساس ہوا کہ مابعد میں جو بدعات و رسوم پھیل گئی ہیں ان کے بارے میں عوام کو  
آگاہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ زندگی کے ہر شعبہ میں نگران کا فرض ہے کہ وہ اپنے  
رفقاء و متعلقین کو صحیح راہ سے آگاہ کرے، حدیث شریف میں وارد ہے کہ :

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ  
نم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے، اور اس

عَنْ رَعِيَّتِهِ - لہ سے اسکے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

اسی بنیاد پر میں نے نصرت الہی کے بھروسے اس کام کو شروع کیا، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق بخشنے گا۔

میں نے مختلف کتابوں کے مطالعہ کے بعد تمام مفید مسائل اس کتاب میں درج کر دیئے ہیں، اور بتقاضائے امانت جزییات کو اصل کی طرف منسوب کیا ہے، تاکہ شکّی لوگوں کو اطمینان اور مومنوں کو ثبات حاصل ہو، اس طرح اپنے موضوع پر یہ کتاب منفرد اور طالبان حق کی آرزوؤں کی تکمیل ہے۔

اس سے پہلے کسی نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا تھا کہ اس کے نتیجے کا سوال پیدا ہو، میں نے اپنی صواب دید سے اس کی ترتیب و ترویج کا کام کیا ہے، اور اسے میں اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان سمجھتا ہوں، اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر بھروسہ ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

### ① راہِ حق پر استقامت یا انحراف کو پرکھنے کا معیار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ  
حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
الْآخِرَ۔ (الاحزاب ۲۱)

اور فرمایا :

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي  
يُحِبُّكُمْ اللَّهُ۔ (آل عمران ۳۱)

ایک اور مقام پر فرمایا :

وَاتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

(الاعراف ۱۵۸)

ایک جگہ فرمایا :

وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ

تم میں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر  
یقین رکھتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نمونہ ہے۔

آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو  
تو میری پیروی کرو، اللہ تم کو دوست رکھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو  
تاکہ راہِ پاسکو۔

یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اسی کی پیروی کرو

فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ  
بَيْنَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمُ  
بِهِ لَعَلَّكُمْ تُتَّقُونَ (الانعام - ۱۵۴)

اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہیں  
اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے، اللہ  
تمہیں اس کا حکم دیتا ہے تاکہ تم متقی بن سکو

یہاں جس صراط مستقیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اس سے وہی راستہ مراد ہے  
جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام چلتے تھے، یہی درمیانی راہ ہے اور اس  
کے خلاف تمام راستے غلط ہیں۔ صراط مستقیم سے انحراف کی صورتیں بے شمار ہیں، ان تمام  
کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔

راہِ حق پر استقامت یا اس سے انحراف کو پرکھنے کا معیار رسول اکرم صلی اللہ علیہ  
وسلم اور صحابہ کرام کی راہ ہے۔ اس راہ سے منحرف ہونے والا یا تو ظالم ہوگا یا مجتہد یا  
ناویل پسند یا مقلد یا جاہل۔ ان میں سے بعض سزا کے مستحق ہوں گے، بعض بخش دیئے  
جائیں گے اور بعض کو صرف ایک نیکی ملے گی، یہ درجات نیت، مقصد اور اللہ و رسول  
کی اطاعت میں کوشش و تقصیر کے لحاظ سے متعین ہوں گے۔ صراط مستقیم پر وہی شخص  
مانا جائے گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ امور میں اتباع کرے، اُسی کو اللہ تعالیٰ محبوب  
رکھے گا اور اسی کے گناہوں کی مغفرت کرے گا۔ اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول  
و فعل کی مخالفت کرے گا وہ بدعتی اور شیطانی راہ پر چلنے والا شمار ہوگا۔ ایسا شخص  
اللہ تعالیٰ کی محبت و مغفرت اور احسان کا مستحق نہیں ہوگا۔

## بدعت پر وعید

(۲)

یہ بات مخفی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سب نے مسلمانوں کو

سے ملاحظہ ہو ابن قیم کی کتاب اغاثۃ اللہ فان کا نیز صواب باب جہیں شیطانی چالوں کا ذکر کیا ہے۔

بدعت سے روکا اور اطاعت کا حکم دیا ہے کیونکہ یہی نجات کا ذریعہ ہے۔ قرآن کریم میں اس اتباع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ثَلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ  
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمْ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ  
ذُنُوبَکُمْ۔ (آل عمران - ۳۱)

ایک جگہ فرمایا:

وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ  
فَاتَّبِعُوْهُ (الانعام - ۱۵۴)

پیروی کرو۔

ان آیات سے ہمارے دعویٰ کی صراحت تائید ہوتی ہے۔

ابو الحجاج سعید بن جبیر مکی سے جو عظیم تابعی اور امام المفسرین مانے جاتے ہیں، مروی ہے کہ لا تتبعوا السبل میں ”السبل“ سے بدعات و شہات مراد ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

اِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ  
اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ  
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ  
خَبِیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ (النار - ۵۹)

فقیہ تابعین میں میمون بن مہران کا قول ہے کہ تنازع کو اللہ کی طرف لوٹانے کے معنی قرآن کی طرف لوٹانا ہے، اور اللہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کے معنی حدیث کی جانب لوٹانا ہے۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



”مجھ سے پہلے جتنے نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا سب کے لئے عساری بنائے تھے جو نبی کی سنت پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد جو لوگ آئے وہ جو کچھ کہتے تھے اس پر عمل نہیں کرتے تھے، اور جن باتوں کا حکم دیا جاتا تھا انہیں سجا نہیں لاتے تھے۔ ایسے لوگوں سے ہاتھ کے ذریعہ جہاد کرنے والا مؤمن ہے، اور دل کے ذریعہ جہاد کرنے والا بھی مؤمن ہے، لیکن اس کے علاوہ ایمان کا ایک حصہ بھی نہیں۔“

صحیح مسلم ہی میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہ بہترین بات کتاب اللہ ہے، اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور بدترین کام نیا کام ہے، اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، یہی سچی بات ہے یہ بھی اضافہ ہے کہ ”ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔“ ۱۷

بخاری و مسلم اور سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ مردود ہے ۱۸

امام دارمی نے ذکر کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشجری نے ابن مسعود سے کہا کہ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا، سب کے ہاتھ میں کنکریاں تھیں، ہر حلقہ میں ایک آدمی ان سے کہتا کہ تنو بار اللہ اکبر پڑھو تو وہ پڑھتے۔ پھر وہ کہتا کہ تنو بار لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ پڑھتے، پھر وہ کہتا کہ تنو بار سبحان اللہ پڑھو تو وہ پڑھتے۔ ابن مسعود نے کہا کہ آپ کو ان سے کہنا چاہیے تھا کہ اپنی برائیوں کو شمار کرو، اور میری ذمہ داری ہے کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ پھر ابن مسعود ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے

۱۷ اسے نسائی نے بھی ذکر کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے ملاحظہ ہو ”الاجوبۃ النافعہ“ صفحہ ۴۷ اور

”الارواء“ صفحہ ۶۰۔ ۱۸ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت متفق علیہ ہے اور اسکی تخریج ”الحلال والحرام“

دین میں موجود ہے۔

اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ: اے ابو عبد الرحمن، یہ کنسکریاں ہیں جن پر ہم تکبر و تمعید پڑھتے ہیں۔ ابن مسعود نے کہا کہ اپنی برائیوں کو شمار کرو، میرا ذمہ ہے کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی، افسوس اے امت محمدیہ، تمہاری ہلاکت کے دن کتنی تیزی سے آگئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب موجود ہیں، آپ کے کپڑے اور برتن بھی محفوظ ہیں (اور تم راہِ حق سے ابھی بھٹک رہے ہو) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب سے بہتر مذہب پر ہو، یا اگر اہمی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ ان لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ اے ابو عبد الرحمن، ہمارے ارادہ میں صرف خیر تھا۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ بہتیرے خیر ڈھونڈنے والے خیر تک نہیں پہنچ پاتے۔

دارمی نے حضرت عبد اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ: اتباع کرو، بدعت نہ اختیار کرو کیونکہ دینی امور میں تمہاری کفایت کی جا چکی ہے۔

مزید فرمایا کہ سنت کے اندر میانہ روی بدعت میں جدوجہد سے بہتر ہے۔ اور فرمایا علم اٹھنے سے پہلے اسے حاصل کرو، اور علم اٹھنے کے معنی علماء کا اٹھنا ہے، خبردار... تکلف، تعمق اور بدعت سے بچو، اور قدیم کو لازم پکڑو۔

حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ عالم کی لغزش، قرآن سے منافق کا مجادلہ، اور گمراہ اماموں کی حکومت اسلام کی عمارت کو منہدم کر دیتی ہے۔

ان کا یہ قول بھی ہے کہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کے منشاہات کو لے کر تم سے بحث کریں گے، ایسے لوگوں کی احادیث سے گرفت کرو، کیونکہ اصحاب الحدیث

۱۔ اس کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ میں نے "الرّد علی الشیخ الحبشی" ص ۵۴-۵۵ میں بیان کیا ہے۔  
۲۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہیں۔

ابن عباس کا ارشاد ہے کہ تقویٰ اور انتقامت کو لازم پکڑو، اتباع کرو اور بدعت نہ اختیار کرو۔

انھی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے ناپسندیدہ کام بدعات ہیں، اور ان مسجدوں میں اعتکاف بھی بدعت ہے جو گھروں میں ہوں لے

سنن ابوداؤد میں حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے کہ جس عبادت کو صحابہ نے نہ کیا ہو اسے تم بھی نہ کرو، کیونکہ پہلے نے بعد والے کے لئے کوئی بات نہیں چھوڑی ہے، اے قراء کی جماعت، اللہ سے ڈرو اور پہلے کے لوگوں کی راہ اختیار کروؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کلام میں مذکور ہے کہ: میں نہیں اللہ سے ڈرنے، اس کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنے، سنت نبویؐ کا اتباع کرنے اور بدعتوں کی بدعت کو چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔

محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں مدد کی۔

ابومعشر کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن موسیٰؒ سے ان خواہشات کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کے اندر ذرہ برابر بھلائی نہیں، یہ شیطانی دسو سے ہیں، تم قدیم طریقہ کو لازم پکڑو۔

عبدالملک بن مروان نے غصیف بن حارث سے قصوں اور منبر پر ہاتھ اٹھانے

سے ان میں سے اکثر اقوال کی سند ضعیف ہے، مصنف نے انھیں بحوالہ دارمی ابوشامہ سے نقل کیا ہے۔ سنن میں یہ قول مجھے نہیں ملا، مصنف کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی اسے ابوداؤد کی جانب منسوب کیا ہے، مصنف نے شاید انھیں کی پیروی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

کے متعلق پوچھا تو غضیف نے جواب دیا کہ دونوں چیزیں تمہاری پسندیدہ ایجاد میں سے ہیں، میں ان کے بارے میں تمہاری موافقت نہ کروں گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مجھے معلوم ہے کہ جب کوئی امت کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کی جگہ ایک سنت ضائع ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک سنت کی پابندی بدعت کی ایجاد سے محبوب تر ہے۔

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے بہتر سمجھیں۔  
ان تمام اقوال کو امام دارمی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور ان سے امام ابو شامہ دمشقی نے اپنی کتاب ”اباعث عن انکار البدع والحوادث“ میں نقل کیا ہے۔

### بدعت کا مفہوم

(۳)

اس لفظ کا اصل مفہوم اختراع ہے کسی سابقہ اصل کے بغیر جو چیز وجود میں لائی جائے اسے بدعت کہتے ہیں۔ اَبْدَعَ اللّٰهُ الْخَلْقَ کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ابتداءً پیدا کیا، قرآن میں وارد ہے :  
بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔  
وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے :

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا  
مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف - ۹)  
میں اہل زمین کے پاس پہلا یا انوکھا رسول نہیں ہوں۔

اس لفظ کا اطلاق دل، زبان اور اعضاء ہر ایک کی اختراع پر ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر بدعت اُس مکروہ ایجاد کو کہتے ہیں جسے دینی رنگ دیدیا جائے۔ اسی طرح  
اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

”مبتدع“ کا لفظ مذمت کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اصل اشتقاق کے لحاظ سے یہ لفظ مدح و ذم دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر سابقہ مثال کے کسی چیز کو بنایا جائے۔ جو سہری کا قول ہے کہ ”بدیع“ مبتدع کو کہتے ہیں اور بدعت دین کی تکمیل کے بعد اس میں کسی ایجاد کا نام ہے۔ انتہی۔

جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بصورت فعل یا تقریر نہ رہی ہو یا شرعی قاعدہ سے جس کی اجازت یا ممانعت کا علم نہ ہو اسے بدعت کہیں گے۔ اسی حکم میں صحابہ کے دور کے وہ اقوال، افعال یا تقاریر بھی داخل ہیں جن پر ان کا اتفاق ہے، اور اسی طرح ان کے اختلافی امور بھی، کیونکہ اجتہاد و تردد کی گنجائش کے باوجود ان کا اختلاف رحمت ہے نہ دوسروں کے لئے صرف اتباع ضروری ہے اختراع کا کوئی حق نہیں۔

ابراہیم غنی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ: ہمیں اللہ تعالیٰ کوئی ایسی بھلائی نہیں دے سکتا جو صحابہ کرامؓ سے پوشیدہ رہ گئی ہو جبکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور مخلوق میں سب سے بہتر تھے، اس قول میں دین کے اندر غلو کو چھوڑنے اور سلف صالح کی اقتداء کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا  
فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقْفُوا عَلَى اللَّهِ  
إِلَّا الْحَقَّ (النساء - ۱۷۱)

اے کتاب والو! اپنے مذہب میں حد سے نہ نکلو اور سوائے سچی بات کے اللہ کے ذمے مت لگایا کرو۔

۱۷ میں کہتا ہوں کہ: اختلاف کبھی رحمت تھا نہ ہو سکتا ہے، اس کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ اگر اجتہاد و اختلاف کی بنا پر ہوگا تو بخش دیا جائیگا، اور ”اختلاف اُمّی رحمۃ“ یا اس مفہوم کی دوسری حدیثیں روایت و درایت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہیں جیسا کہ ”الاحادیث الضعیفہ“ میں، میں نے تحقیق کی ہے ملاحظہ ہو نمبر ۵۷-۶۳

اس لئے جو شخص بھی کوئی غیر شرعی کام اس طرح کرے کہ لوگ اسے شرعی سمجھیں تو وہ غالی، بدعتی اور زبانِ قال یا حال سے اللہ کے بارے میں ناحق بات کہنے والا مانا جائے گا۔ مروی ہے کہ ایک آدمی نے مالک بن انس سے سوال کیا کہ میں کہاں سے احرام باندھوں؟ امام مالک نے جواب دیا کہ جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر میں اس سے پہلے ہی سے باندھ لوں تو کیسا رہے گا؟ امام مالک نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، مجھے ہتھارے بارے میں فتنہ کا خوف ہے۔ اس نے کہا کہ بھلائی کی زیادتی میں کیا فتنہ ہوگا؟ امام مالک نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ مَخَالَفَتِ كَرْنِ دَالُوں كُوفْتَنَہ سے  
عَنْ أَمْرِہ - (النور - ۶۳) ڈرنا چاہیے۔

ہتھارے اس خیال سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضیلت نہیں ملی اسے تم حاصل کر لو گے۔

## بدعت کی تقسیم

(۲)

بدعات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک ستحس، دوم قبیح۔ حرمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: بدعت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک محمود اور ایک مذموم۔ جو سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے اور جو مخالف ہو وہ مذموم۔ انھوں نے تراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو حجت بنایا ہے کہ ”لنعت البدعة“ یعنی یہ ایک نئی چیز ہے پہلے نہیں تھی، لیکن اس کا وجود کسی سابقہ امر کی تردید نہیں کرتا۔

۱۔ الباعث الابی شامہ۔

۲۔ میرا قول یہ ہے کہ یہ بات دقیق نہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح جماعت سے (باقی جانشینہ برص ۳۶)۔



اور ایسا اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان کی ترغیب دی اور خود مسجد میں قیام بھی فرمایا، بعض صحابہ نے کئی راتوں میں آپ کی اقتدار کی، پھر فرضیت کے خوف سے آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ دُر ختم ہو گیا تو صحابہ کرام نے مسجد میں باجماعت قیام رمضان پر اتفاق کر لیا کیونکہ اس میں ایک ایسی سنت کا احیاء تھا جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اور جسے آپ نے خود بھی کیا تھا اور کرنے کی ترغیب بھی دی تھی۔

اس روشنی میں بدعتِ حسنہ جس کے مستحب اور باعث اجر و ثواب ہونے پر اتفاق ہے، ہر اس نئے کام کو کہیں گے جو تمام شرعی قاعدوں کے موافق ہو اور اس کو کرنے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸: ادا فرمائی، جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے، بلکہ اس کے لئے ترغیب میں فرمایا کہ جو شخص امام کے ساتھ قیام کرے گا اسے پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو صحیح سند سے اصحاب سنن وغیرہ نے بیان کیا ہے اور میں نے ”صلاة الزاویع“ صفحہ ۱ میں اس کی تخریج کی ہے، ایسی صورت میں باجماعت تراویح کو ”محدث“ یعنی نیا امر کہیے کہا جاسکتا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قول ”لعنت البدعة ہذہ“ سے شرعی بدعت نہیں مراد ہے، کیونکہ ہر شرعی بدعت گرامی ہے، بلکہ انھوں نے لغوی بدعت مراد لی ہے یعنی ایسا نیا کام جو پہلے نہ ہوا ہو، اور بلاشبہ ایک امام کی اقتدار میں تراویح کی باجماعت نماز حضرت عمرؓ یا ابوبکرؓ کے عہد میں معروف نہ تھی، اسی لئے اسے بدعت کے لفظ سے موسوم کیا، پھر اسے مستحسن اس لئے قرار دیا کہ اس کی تحسین پر شرعی دلیل موجود تھی۔ یہ مختصر عرض ہوا لیکن مسئلہ تفصیل کا طالب ہے اور یہاں اس کی گنجائش نہیں تفصیل کے لئے دیکھئے میراندہ کو رسالہ یا امام شافعیؒ کی ”الاغنیام“ ناصر الدین سہ اسم بخاری نے حضرت عمرؓ کی جانب سے تراویح باجماعت کی سنت کے احیاء سے متعلق حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور میں نے اس کی تخریج ”صلاة الزاویع“ صفحہ ۲۴-۲۵ میں کی ہے۔



شریعت کے کسی حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو جیسے مناروں، مدرسوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر کا عہد اول میں وجود نہ تھا، کیونکہ اس طرح نیکی کرنے اور نیکی کے کام پر نفاذ دل کرنے سے شرعی حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔

## ⑤ دین میں بدعت مردود ہے

یہ سب کو معلوم ہے کہ عبادات کا دار و مدار کتاب و سنت پر ہے، ساتھ ہی دل کا اخلاص اور صحیح توجہ الی اللہ بھی ضروری ہے، اس لئے ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان تمام عبادتوں کو ٹھکرا دے جو اصلاً یا شکلاً کتاب و سنت سے ثابت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بت دیا ہے کہ دین کی تکمیل کا انعام ہم پر ہو چکا ہے، اس پر کسی طرح کی زیادتی آیت قرآنی (الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ) اور حدیث نبوی (مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرٍ نَأْمَأَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَهُوَ رَدٌّ) کے مخالف ہوگی۔

اور تمام بدعات جن میں کچھ اچھی اور کچھ بُری ہیں، یہ وہ اختراعات ہیں جن کا تعلق معاشی امور اور اس کے وسائل و مقاصد سے ہے، اور اس حدیث سے وہی مراد ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ: جو شخص کسی اچھے طریقے کو رواج دے گا اسے اس کا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا، اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر ہمیں نماز کی رکعتوں اور سجدوں میں اضافہ کا حق حاصل ہوتا۔ (یہ بعض فضلاء کی تحقیق ہے) واللہ اعلم۔

## ⑥ بدعتی مبغوض ہے

معلوم ہو کہ جو لوگ اللہ کے لئے محبت کرنے میں وہ اللہ ہی کے لئے بغض بھی رکھتے ہیں۔ اگر تم کسی انسان سے اس لئے محبت رکھتے ہو کہ وہ اللہ کا فرمانبردار اور محبوب ہے

تو یقیناً اللہ کی نافرمانی کے بعد تم اسے ناپسند کرو گے کیونکہ اب وہ خدا کی نظر میں مغتوب ہے۔ محبت کا جو سبب ہوگا اس کا مخالف بغض کا سبب بنے گا، یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں، بغض و محبت میں بھی ان کی کارفرمائی ہے، لیکن بغض و محبت میں سے ہر ایک دل کے اندر مدفون رہتا ہے، اور غلبہ کے وقت اس کا پتہ چلتا ہے، بغض و محبت رکھنے والوں کے فعل سے بھی ان دونوں اوصاف کا پتہ چلتا ہے کیونکہ محبوب سے انسان قریب اور مبغوض سے دور رہتا ہے، فعل کی صورت میں ظاہر ہونے والے اثر ہی کو دوستی اور دشمنی کا نام دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

هَلْ وَاَلَيْتَ فِيْ ذٰلِكَ اٰیٰتٍ عٰدٰیۃً  
میرے کسی دوست کو دوست رکھا، اور  
میرے کسی دشمن سے دشمنی کی۔

بغض کا اثر اعراض، دوری، بے توجہی، استخفاف، سخت کلامی اور نرمی و مدد پر رکاوٹ کی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ کے لئے جن سے دشمنی رکھی جاتی ہے ان میں بدعتی بھی ہے۔ ایسا شخص اگر کسی گمراہ کن بدعت کی دعوت دے تو اس سے دشمنی کا اظہار، بے تعلقی و تحقیر، بدعت کی مذمت اور لوگوں کو اس سے دور رکھنا مستحب ہے۔ اور اگر بدعتی ایسا عامی انسان ہو جسے دوسروں کو دعوت دینے پر قدرت نہ ہو یا لوگوں کی طرف سے اس کی پیروی کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے ساتھ سختی کے بجائے نرمی کا برتاؤ کیا جائے گا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ عوام کے دل بہت جلد بدل جاتے ہیں، اگر نصیحت مفید نہ ہو اور اعراض سے بدعت کو وہ خود ناپسند کرنے لگے تو ایسی صورت میں اعراض مستحب ہوگا۔ اور اگر طبیعت کے جمود اور باطل عقیدے کی پختگی کی وجہ سے بدعت کو قبیح تصور نہ کرے تو اعراض سے حدیث قدسی ہے، میں کہتا ہوں کہ سنت کی معتد کتابوں میں سے کسی میں مجھے یہ نہیں ملی۔

اولی ہوگا کیونکہ بدعت کی غیر معمولی مذمت نہ کی جائے گی تو اس کی اشاعت ہوگی اور فساد

پھیلے گا۔

## رسم بد نکالنے پر وعید

(۷)

امام مسلم وغیرہ نے وفد مضرب متعلق حضرت جریرؓ سے مروی حدیث ذکر کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً  
ثَلَاثَةٌ أَجْرُهَا أَجْرُ مَنْ عَمَلَ بِهَا  
مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقِصَ مِنْ  
أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ  
سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ دَرَجَاتُهَا وَذُرُّهُ  
مَنْ عَمَلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقِصَ  
مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو  
اس کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں  
کا اجر ملے گا، ان میں سے کسی کے اجر میں کمی  
نہ ہوگی۔ اور بُرا طریقہ ایجاد کرنے والے کو اس  
کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا  
گناہ ہوگا، اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

## حرام و مکروہ برائیوں کا انکار

(۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چھوٹے بڑے نئے کام یا نئی رسم پر سختی سے نیکر کرتے تھے، خواہ اس کا تعلق معاملات سے ہو یا عبادات سے یا اذکار سے۔

برائی و دشمنی کی ہوتی ہے، ایک مکروہ، دوسری حرام۔ مکروہ برائی سے روکنا مستحب اور اس پر خاموشی مکروہ ہے، اگر فاعل کو اس کی کراہت کا علم نہ ہو تو خاموشی حرام اور تنبیہ واجب ہے، کیونکہ کراہت بھی ایک شرعی حکم ہے جسے ناواقفوں تک پہنچانا ضروری ہے رہی حرام برائی تو قدرت کے بعد اس پر خاموشی اختیار کرنا حرام ہے۔

لہ احياء العلوم للغزالي - لہ احياء العلوم للغزالي -

## بدعات پر خاموشی کے مفسد

(۹)

اللہ، رسول اور دین کے بارے میں غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا دین سے تعلق نہیں اور دین میں داخل کی گئی ہیں، انہیں ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو ان سے متنفر کیا جائے، کیونکہ ان چیزوں پر خاموشی سے درج ذیل مفسد پیدا ہوں گے:

- ۱۔ عوام انہیں درست اور بہتر سمجھنے لگیں گے۔
- ۲۔ ان سے لوگ گمراہ ہوں گے اور باطل پرستی کو سہارا ملے گا۔
- ۳۔ عالم کی خاموشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عوام کے غلط بات منسوب کرنے کا سبب بنے گی کیونکہ وہ بدعت کو سنت کہیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کے انتساب کا سبب بننا جائز نہیں کیونکہ اس سے عوام حدیث کی اس وجہ کے مستحق ہوں گے:

مَنْ كَذَّبَ عَلَى مُتَعَدٍّ أَفْلَيْتَبَوَّأَ  
مَقْعَدًا مِنَ النَّارِ

مجھ پر قصد اچھوٹ کہنے والے کو جہنم میں  
اپنا ٹھکانہ بنا لینا چاہیئے۔

- ۴۔ ایک عالم جسے لوگ رہبر اور صالح تصور کرتے ہیں جب بدعت کا ارتکاب کرے گا تو گویا زبان حال سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ منسوب کر رہا ہے۔ بدعات کا عموماً رواج اسی طرح ہوتا ہے۔ لوگ بدعتی شخص کو عالم و متقی تصور کر کے اس کے تمام اقوال و افعال کی پیروی شروع کر دیتے ہیں۔

حدیث میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر صحیح اور متواتر حدیث ہے، امام طبرانی نے ایک رسالہ میں اس کے تمام طرق جمع کر دیئے ہیں یہ رسالہ مکتبہ ظاہر بردشت کے مخطوطات میں محفوظ ہے۔

إِنَّ مِمَّا اتَّخَذَ عَلَى أُمَّتِي أَيْسَةً  
أُمَّتِ كے بارے میں مجھے گسراہ اماموں  
مُضِلِّينَ سے ڈر ہے۔

اس حدیث کو ابن ماجہ اور ترمذی نے ذکر کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ أَنْزَاعًا  
اللہ تعالیٰ لوگوں سے علم کو علماء کی موت کے  
يَنْزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ  
سبب اٹھائے گا، پھر جب کوئی عالم باقی نہ  
الْعِلْمَ يَبُوتُ الْعُلَمَاءُ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ  
رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سرداران لیں، یہ  
عَالِمٌ اخْتَذَ النَّاسُ رُؤُسَاجَهَا لَا فَاثِقُوا  
لوگ بلا علم فتویٰ دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور  
بَعِيرٌ عَلَيْهِ فَضْلُو أَوْ أَضَلُّوْا۔ سہ

امام طرطوشی کہتے ہیں کہ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو علماء کی موجودگی میں نقصان نہیں پہنچ سکتا بلکہ علماء کے اٹھ جانے کے بعد جب نااہل لوگ فتویٰ دیں گے تو یہ چیز باعث ہلاکت ہوگی۔ اسی مفہوم کو حضرت عمرؓ نے یوں ادا کیا ہے: امانتاً کبھی خیانت نہیں کر سکتا بلکہ غیر امانت دار کو امین بنا دیا جاتا ہے تو وہ خیانت کرتا ہے، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ عالم کبھی بدعت نہیں کر سکتا، البتہ جاہلوں سے فتویٰ پوچھا جاتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام ربیعہ ایک دن شدت سے رورہے تھے، لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا مصیبت نازل ہوگئی؟ انھوں نے کہا کہ کوئی مصیبت نہیں نازل ہوئی ہے لیکن اب ایسے لوگوں سے فتویٰ پوچھا جاتا ہے جو کچھ نہیں جانتے، اور اسلام کے لئے یہ بہت بڑی چیز ہے سہ

سہ اسے بخاری و مسلم نے ذکر کیا ہے، مصنف نے حدیث کا مفہوم ذکر کیا ہے، الفاظ میں فرق ہے سہ  
سہ الباعث لابی شامہ

## ① بدعت سے غیر متعلق مسائل میں عالم کا فرض

یہ بات واضح ہے کہ سلف صالحین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت کو ہم تک پہنچایا، اس کی تشریح کی اور صحیح و ضعیف کے مابین امتیاز کر کے کتب حدیث کو مدون کیا۔ ایسی صورت میں ایک عالم کے لئے ضروری ہے کہ جو مسائل پیش آئیں ان میں کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے عمل کی جانب رجوع کرے، جو موافق مسائل ہوں ان کی اجازت دے اور جو مخالف ہوں ان سے منع کرے۔ یہی ایمان و اتباع کا تقاضہ ہے۔ عالم کو امتحان نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ امتحان شریعت سازی کے مرادف ہے۔ ابوالعباس احمد بن یحییٰ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن حسن، امام ربیعہ کے پاس زیادہ بیٹھا کرتے تھے، وہاں لوگوں نے ایک دن سنتوں کا ذکر کیا تو مجلس میں ایک آدمی نے کہا کہ اس پر عمل نہیں ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ کیا اگر جاہلوں کی کثرت ہو اور وہی حاکم بن جائیں تو سنت پر حجت ہوں گے؟ ربیعہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کی اولاد کا کلام ہے۔

## ② عوام کیلئے غلط فہمی کا باعث بننے والے امور سے علماء کا اختلاف

دین کا یہ ایک ایسا باب ہے جس کا موضوع عبادات سے متعلق عقائد کی اصلاح اور عوام کی مافوق رسوم کے حکم پر تنبیہ ہے۔ اس پر علماء صحابہ اور خلفاء راشدین پہلے ہی عمل کر چکے ہیں اور اس باب کو صراح اور بلن طریقوں میں شمار کیا ہے، اس پر دانشور علماء نے بھی تنبیہ کی ہے۔

امام ابو شامہ نے اپنی کتاب ”الباعث“ میں لکھا ہے کہ: عالم کو ایسا کام نہیں کرنا

لے الباعث لابن شامہ



چاہیے جس سے عوام کسی مخالف شریعت امر کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔ صحابہ کرام نے بعض واجب یا موقوفہ فعل کو اس ڈر سے نہیں کیا کہ لوگ غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ وہ لوگ اس ڈر سے قربانی نہیں کرنے تھے کہ عوام اسے واجب نہ سمجھ لیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے، پھر دو درہم نکال کر گوشت خریدنے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ ابن عباس کی قربانی ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ابن عباس ہر سال قربانی کرتے تھے لیکن ان کا مقصد وہی تھا جس کی طرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اشارہ کیا تھا۔ ابو سعید انصاری سے مروی ہے کہ: میں قربانی اس ڈر سے چھوڑ دیتا ہوں کہ میرے پڑوسی اور گھر والے اسے دیکھ کر مجھ پر واجب نہ سمجھ لیں۔ (ان اقوال کو حافظ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں ذکر کیا ہے) ۱۷

ابوبکرؓ طرطوشی کہتے ہیں کہ: غور کیجئے، قربانی کے بارے میں مسلمانوں کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ وہ سنت ہے، اور دوسرا یہ کہ واجب ہے۔ لیکن صحابہ نے اس سنت کو اس ڈر سے چھوڑ دیا کہ کہیں لوگ اس حکم کو غلطی سے فرض نہ سمجھ لیں۔

امام طرطوشی آگے کہتے ہیں کہ: اسی طرح کا حضرت عثمان بن عفانؓ کا واقعہ بھی ہے وہ جب سفر پر نکلتے تھے تو پوری نماز پڑھتے تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ کیا آپ بنی

۱۷ یہ اقوال سنن کبریٰ ۲/۲۶۵ میں بھی مذکور ہیں اور ان کی اسناد صحیح ہے۔ قربانی کا حکم صحیحین وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے بلکہ آپ کا یہ فرمان بھی ثابت ہے کہ: مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يَضِجْ فَلَا يَقْسُ بَنَ مُصَلًّا، یعنی جو وسعت کے بعد بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ ممکن ہے یہ بات مذکورہ اشخاص کو معلوم نہ ہوئی ہو یا معلوم ہوئی ہو تو انہوں نے اس کی تاویل کر کے منجھ مانا ہو، لیکن آخری حدیث استحباب کی تائید نہیں کرتی، فتاویٰ۔



صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قصر نماز نہیں پڑھتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ضرور پڑھتا تھا، لیکن اس وقت میں امام ہوں، دیہاتی لوگ مجھے دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو یہ سمجھیں گے کہ اتنی ہی فرض ہے۔

طرطوشی کہتے ہیں کہ: ”غور کیجئے، قصر کے بارے میں اہل اسلام کے دو قول ہیں، بعض لوگ اسے فرض کہتے ہیں، اور بعض سنت مانتے ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس فرض یا سنت کو چھوڑنے کی جرأت اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ دو رکعت نماز فرض ہے۔ انھی کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ لوٹدیلوں کو ازار پہننے سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت نہ اختیار کرو۔ اپنے لڑکے عبداللہؓ سے فرمایا کہ: ”مجھے خبر ملی ہے کہ تمہاری لڑکی ازار پہنتی ہے، اگر میں اُسے دیکھ لوں گا تو بہت ماروں گا۔“ طرطوشی کہتے ہیں کہ: یہ معلوم ہے کہ ازار بھی پردہ ہے، لیکن صحابہؓ سمجھتے تھے کہ شریعت کا مقصد حدود کی محافظت ہے، تاکہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ پردہ میں آزاد اور لونڈی دونوں برابر ہیں، اس طرح ایک سنت مَرْدہ ہوگی اور بدعت زندہ۔

ابوشامہ کہتے ہیں کہ: قربانی کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے رویے سے مشابہ وہ روایت ہے جسے بیہقی نے کتاب السننؒ میں عبدالرحمن بن ابی زری سے نقل کیا ہے کہ ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ سے ثابت نہیں، دیہاتی لوگ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، آپ بھی ان کے امام تھے لیکن انام آپ سے ثابت نہیں۔

سہ اسے بیہقی (۲/۲۶۶) نے نقل کیا ہے، اس کی سند ایک راوی احمد بن عبد الحمید ہے جن کے حالات مجھے نہیں ملے لیکن بیہقی نے اس حدیث کے بعد لکھا ہے کہ اس بار میں حضرت عمرؓ کے اقوال صحیح ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو ”المحلی“ لابن حزم — سہ ج ۴ ص ۲۵، اس روایت میں زائدہ بن خراس ہے، بعض نے ابن اوس بن خراس الکندی بتایا ہے۔ بیہقی اور ابن ابی حاتم نے اس راوی کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی ہے۔



اور سر پر کچھ بال چھوڑنا اور کچھ مونڈنا ایسے علاقوں میں ممنوع ہے جہاں اہل فساد ایسا کرتے ہو۔  
 شہاب الدین ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ بہت سے لوگ نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے موقع پر جو قیام کرتے ہیں وہ بدعت ہے، اس کے بارے میں  
 کوئی حکم نہیں وارد ہے۔ لوگ اس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے خیال سے کرتے ہیں،  
 عوام کو اس خیال سے معذور مانا جاسکتا ہے لیکن خواص کے لئے ایسا کام جائز نہیں۔

بدر الدین عینی شرح بخاری میں ”مدینہ کے راستہ کی مساجد“ کے باب میں لکھتے ہیں کہ  
 ”جب لوگ نوافل کی سختی سے پابندی کرنے لگیں تو عالم کے لئے مناسب ہے کہ رخصت پر  
 عمل کرتے ہوئے وہ نوافل کو بعض اوقات چھوڑ دے تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ وہ واجب نہیں ہیں  
 جیسا کہ ابن عباسؓ نے قربانی کے سلسلہ میں کیا تھا۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ سے قبل سنت نہ ہونے سے متعلق اپنے فتاویٰ  
 میں لکھا ہے کہ: ”مناروں کی افان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہیں تھی، حضرت عثمان رضی  
 نے اس کا حکم اس وقت دیا جب لوگوں کی غذا زیادہ ہو گئی اور امام کی آمد اور منبر پر بیٹھنے  
 کے وقت کی اذان وہ سن نہیں پاتے تھے۔ یہاں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے  
 جب تیسری اذان کو جاری کیا اور اذان اس پر منتفی ہو گئے تو اسے شرعی حیثیت حاصل ہو گئی اور  
 اس کے اور دوسری اذان کے مابین پڑھی جانے والی ناز جائز و مستحسن ہو گئی۔ ۱۵۔ مغرب سے  
 پہلے والی نماز کی طرح سنت رات نہ رہی۔ ایسی صورت میں اسے پڑھنے اور چھوڑنے والے دونوں  
 فریق ناقابل ملامت ہیں، یہی سب سے معتدل قول ہے اور اسی پر امام احمد ہیں۔ البتہ اگر  
 جاہل اسے سنت رات یا واجب سمجھنے لگیں تو اس کا چھوڑنا افضل ہوگا تاکہ انہیں یہ معلوم ہو سکے

۱۵۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر کلام ہے جسے میں نے اپنے رسالہ ”الاجوبۃ النافۃ“ ۲۱، ۳۳ میں  
 بیان کیا ہے۔ (ناصر الدین)

کہ یہ سنت یا واجب نہیں خصوصاً لوگوں کی مداومت کی صورت میں کبھی کبھی اسے چھوڑنا مناسب ہے تاکہ فرض سے مشابہ نہ ہو، جیسا کہ اکثر علماء (یعنی مالکیہ، حنفیہ، اور حنابلہ) جمعہ کے دن سورۃ سجدہ کی قرائت پر مداومت نہ کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، تو اگر مسنون فعل پر مداومت مکروہ ہے تو غیر مسنون پر مکروہ کیوں نہ ہوگی؟ اور اگر کوئی دونوں اذانوں کے مابین کبھی کبھی نفل یا عصر و عشاء سے قبل کی نماز کی طرح دو اذانوں کے درمیان والی نماز کی حیثیت سے سنت رات نہ بخفتے ہوئے نماز پڑھے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کے بیچ ہو جو اس نماز کو پڑھتے ہوں اور اسے یہ یقین ہو کہ منع کرنے پر مان جائیں گے تو ایسی صورت میں اسے چھوڑنا بہتر ہوگا، اور اگر ان کی طرف سے مخالفت کا ڈر ہو نیز وہ نماز پڑھنے میں لوگوں کی دل جوئی اور دوسرے مفید کاموں کے وقوع کی توقع ہو تو پڑھنا بہتر ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ ایک ہی کام کا شرعی دلیلوں کی رو سے کرنا اور چھوڑنا دونوں بتقاضائے مصلحت مستحب ہوتا ہے مسلمان کبھی مستحب نام کو اس لئے چھوڑ دینا ہے کہ اس کے کرنے میں فساد کا اندیشہ ہوتا ہے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنابر ابراہیم پر بیت اللہ کی تعمیر نہیں کی اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ:

لَوْ كُنَا اَنْتَ وَمَلِكٌ حَدِيثًا الْعَهْدِ بِجَاهِلِيَّةٍ  
لَنَقَضْتُ الْكُعْبَةَ وَلَا لَصِفُّهَا بِالْاَرْضِ وَ  
لَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ، بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ  
وَبَابًا يَخْرُجُونَ مِنْهُ۔

اگر تمہاری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوتی رہتی تو میں کعبہ کو گر کر زمین کے برابر کر دیتا اور پھر نئی تعمیر میں اس کے دو دروازے رکھتا، ایک سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے۔

یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے۔ یہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحتاً لوگوں کو متغیر نہیں کیا اور ایک افضل کام کو ترک کر دیا۔ اسی وجہ سے امام احمد وغیرہ نے یہ مستحب مانا ہے کہ امام لوگوں کی دل جوئی کے خیال سے افضل کام کو ترک کر دے، مثلاً اگر امام دو سلام سے



وتر کو افضل جانتا ہو لیکن مقتدی ایک ہی سلام سے وتر ضروری سمجھتے ہوں اور انھیں سمجھانا مشکل ہو تو مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک ہی سلام سے وتر پڑھئے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی امامت سے تنفر نہ پیدا ہو۔

اسی طرح اگر امام نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا افضل سمجھتا ہو اور مقتدی اس کے مخالف ہوں تو اتفاق و دل جوئی کے خیال سے غیر افضل کام کرنا جائز و بہتر ہوگا کیونکہ فضیلت کے مقابلہ میں اتفاق کی اہمیت زیادہ ہے۔

اسی طرح سنت کا علم نہ رکھنے والوں کے سامنے سنت کی توضیح و تعلیم کے لئے غیر افضل کام کو اختیار کرنا بہتر ہے، مثلاً ثناء، اعوذ باللہ، یا بسم اللہ کو اس خیال سے با آواز بلند پڑھنا کہ لوگوں کو نماز میں اس کی مشروعیت کا علم ہو جائے جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے کہ عمرؓ نے ثناء کو بلند آواز سے پڑھا، تہ بکیر تحریمہ کے بعد یہ کہتے تھے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے ستر سے زائد نمازیں پڑھیں، وہ تکبیر کے بعد مذکورہ دعا پڑھتے تھے۔ مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے لہٰذا اسی وجہ سے ثناء رائج ہوئی اور اس پر اکثر لوگوں نے عمل کیا۔ یوں ہی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اعوذ باللہ لہٰذا صحیح مسلم مراد ہے، اس حدیث کی اسناد منقطع ہے، لیکن مسلم کے علاوہ موصولاً ثابت ہے۔

جیسا کہ میں نے ”ارواء الغلیل“ نمبر ۳۴ میں بیان کیا ہے۔

لہٰذا یہ نسبت غلط ہے، صاحب ”منار السبیل“ نے اس کی متابعت کی ہے، چنانچہ مسلم نے اسود بن یزید کے بجائے عبدہ سے نقل کیا ہے (۲: ۱۲) اور یہ منقطع ہے جیسا کہ گذرا، البتہ اسود سے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے اسی کے مثل نقل کیا ہے جسے میں نے مذکورہ ماخذ میں بیان کیا ہے۔



اور بہت سے صحابہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ یہ فعل جمہور ائمہ کی نظر میں جو  
جہ کو سنتِ راتبہ نہیں سمجھتے، لوگوں کو یہ بتانے کے لئے تھا کہ نماز میں اسے پڑھنا سنت  
ہے، جیسا کہ صحیح میں مذکور ہے کہ ابن عباسؓ نے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ بلند آواز سے  
پڑھی، اور بتایا کہ انھوں نے ایسا لوگوں کو یہ بتانے کے لئے کیا کہ یہ سنت ہے۔ جنازہ کی نماز  
کے بارے میں لوگوں کے دو قول ہیں، کچھ لوگ کسی نوع اس میں قرأت کے قائل نہیں، یہ  
بہت سے اہل سنت اور امام ابو حنیفہ و مالک کا مذہب ہے۔ اور کچھ لوگ اس میں قرأت  
کو سنت مانتے ہیں جیسے امام شافعی و امام احمد۔ پھر ان میں سے بعض قرأت کو واجب  
کہتے ہیں اور بعض سنت و مستحب، اور یہی زیادہ معتدل مذہب ہے، اس لئے کہ سلف  
نے دونوں کیا ہے اور دونوں صورتیں ان میں معروف تھیں۔ اسی طرح ان سے نماز میں  
رفع یدین اور عدم رفع و دونوں مروی ہے، سلام بھی ایک اور دو مروی ہے، امام کے پیچھے  
سر پڑھنا اور نہ پڑھنا بھی منقول ہے، جنازے پر کبھی سات، کبھی پانچ اور کبھی چار تکبیریں  
کہتے تھے، اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع دونوں مذکور ہے، اقامت اکبری اور دوسری  
ہر ایک وار ہے۔ ان امور میں ایک کو دوسرے سے ارجح قرار دیا جاسکتا ہے لیکن مرجوح  
کا کرنا جائز ماننا پڑے گا، اور کبھی کبھی مصلحت کے تقاضے سے مرجوح کو کرنا اور راجح کو  
ترک کرنا بہتر قرار پائے گا۔ یہ عام اعمال میں ہوتا ہے، کیونکہ جو عمل فی نفسہ افضل ہے  
کبھی دوسرا عمل دوسری جگہ اس سے افضل ہو جاتا ہے، جس طرح جنس نماز جنس قرأت  
سے افضل ہے اور جنس قرأت افضل الذکر ہے اسی طرح مفصول عمل مخصوص حالات میں  
سہ مصنف کا یہ قول محل نظر ہے اس لئے کہ لاصلاً لا لمن لم یقل بقاۃ الکتاب میں جنازہ کی نماز بھی  
داخل ہے، سلف کے دونوں فعل کرنے سے استدلال اس وقت درست ہوگا جبکہ ان سب نے اسے کیا ہو اور  
مستحب سمجھا ہو، لیکن اگر وہ مختلف ہوں تو ان کے اختلاف کو استحباب کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا، بلکہ اختلاف  
کی صورت میں دلیل کی جانب رجوع کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے کیا۔

افضل ہو جاتا ہے، مثلاً ایسا شخص جو افضل کو بجالانے سے عاجز ہو اس کے حق میں مفضول  
 ہی افضل ہوگا، جیسا کہ بعض کے لئے ذکر بعض اوقات قرأت سے بہتر ہوتا ہے، اور بعض کے  
 لئے بعض قرأت نماز سے بہتر ہوتی ہے۔ اس باب میں دراصل عمل کی نوعیت کے بجائے  
 فائدہ کے امکان پر درود مدار ہے۔

اعمال کی تفصیل کے اس باب میں حالات کے اختلاف کا لحاظ ضروری ہے، ورنہ  
 خرابی کا اندیشہ ہے، کیونکہ بعض لوگ جب کسی فعل کو مستحب اور راجح سمجھ لیتے ہیں تو اس کی  
 واجبات سے زیادہ پابندی کرتے ہیں جس سے اس عمل میں خواہش، تقصیب اور جاملانہ  
 حمیت کا نشائبہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ کسی فعل کا ترک افضل جانتے ہیں تو  
 محرمات سے زیادہ اس سے گریز کرتے ہیں، اس میں بھی تقصیب و حمیت پیدا ہو جاتی ہے۔  
 فی الواقع یہ موقف غلط ہے، ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا چاہیے اور اللہ و رسول نے جو  
 وسعت دی ہے اس کی نگہداشت کرنی چاہیے، شرعی مصالح و مقاصد کی رعایت کو بھی نظر  
 انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ کا کلام تمام کلاموں سے اور رسول  
 کا طریقہ تمام طریقوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر  
 بھیجا ہے، آپ ہر معاملہ میں دین و دنیا کی سعادت ساتھ لائے ہیں، انسان جس طرح اس  
 بات کو اجمالاً مانتا ہے اسی طرح تفصیل کے وقت بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے، بہت سے  
 لوگ نادانی ظلم، اٹکل یا خواہش پرستی کے سبب تفصیلات کے موقع پر ٹھٹک جاتے ہیں،  
 اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے جس پر انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین تھے، ان کی  
 رفاقت کا کیا پوچھنا !!!

**امریا المعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ**

بلاشبہ بھلی بات کا حکم اور بری بات سے روکنا دین کے عظیم ترین شعار اور مسلمانوں کے



اہم فرائض میں سے ہے، کتاب و سنت میں اس کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران - ۱۰۴)

تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت دے، اور اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس فریضہ کو انجام دینے والوں کی تعریف میں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران - ۱۱۰)

تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو، نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان پر بھی مقدم کیا ہے حالانکہ ایمان ہی تمام نیک اعمال کی بنیاد اور ان کا سرچشمہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فریضہ کی اہمیت واضح ہو اور لوگ سمجھیں کہ اس سے ایمان کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ جس قوم نے اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتی اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ، لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ. (المائدہ - ۷۹)

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا ان پر دَاوُد اور ابن مریم علیہم السلام کی زبانی لعنت کی گئی تھی، کیونکہ وہ نافرمانی کرنے اور حد و سے تجاوز کرتے تھے، وہ جس بُرائی کے مرتکب ہوئے اس سے لوگوں کو بھی نہیں روکتے تھے، بہت ہی بُرا کرتے تھے۔

اس آیت میں انہیں ملعون بتایا گیا ہے اور لعنت اللہ تعالیٰ کے حصّہ اور غضب کی سب سے سخت صورت مانی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ  
بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ  
ثُمَّ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ  
أَضْعَفُ الْإِيمَانِ - ۱

جو شخص بُرائی دیکھے اُسے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے :

أَيُّهَا النَّاسُ مُرُوا بِأَمْرٍ وَبِ  
وَأَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا  
فَلَا يَسْتَجَابُ لَكُمْ وَقَبْلَ أَنْ تَسْتَغْفِرُوا  
فَلَا يُغْفَرَ لَكُمْ، إِنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ  
وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَا يَدْفَعُ رِزْقًا  
وَلَا يُفَرِّقُ بَعْضَ أَجَلٍ، وَإِنَّ الْأَحْبَارَ  
مِنْ أَهْلِ يَهُودَ وَالرُّهْبَانَ مِنَ النَّصَارَى  
لَمَاتَرَكُوا الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ  
النَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَعَنَهُمُ اللَّهُ عَلَى  
لِسَانِ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ عَمُوا إِلَى الْبَلَاءِ - ۲

اے لوگو! اچھی باتوں کا حکم کرو، اور بُرائی سے روکو، قبل اس کے کہ تم دُعا کرو اور قبول نہ ہو، اور استغفار کرو اور مغفرت نہ ہو۔ بیشک اچھی باتوں کا حکم اور بُرائی سے روکنے سے نہ رزق دُور ہوتا ہے نہ موت قریب۔ یہود و نصاریٰ کے علماء نے جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے انبیاء کی زبانی ان پر لعنت بھیجی، پھر سب آزمائش کی لپیٹ میں آ گئے۔

۱۔ صحیح حدیث ہے، مسلم وغیرہ نے اسے ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے میں نے مشکوٰۃ الفقہ میں اس کی تخریج کی ہے۔ ۲۔ اس کی اسناد ضعیف ہے جیسا کہ میں نے "الضعیفہ" (۲۰۹۲) میں بتایا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے :

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةٌ حَقٌّ عِنْدَ  
سُلْطَانٍ جَائِرٍ لَهُ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے  
افضل جہاد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ پوچھا گیا کہ سب سے بہتر کون ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ  
جو اللہ سے زیادہ ڈرے ، زیادہ صلہ رحمی کرے ، بھلی بات کا زیادہ حکم دے اور بُری بات  
سے زیادہ روکے۔

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہے کہ قدرت کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر  
کے کام میں رخصت نہیں ، اس کام میں سستی کرنے والے یا اسے چھوڑ دینے والے حقوق اللہ  
میں تقصیر کے مرتکب ہیں ، ان کا ایمان کمزور اور اللہ کا ڈر کم ہے۔ اگر کوئی دنیاوی فوائد ،  
اور جاہ و مال کے لالچ اور نامرمانوں نیز ظالموں کی نظر میں اپنا مرتبہ گھٹنے کے ڈر سے امر بالمعروف  
کی ذمہ داری چھوڑتا ہے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب اور غضب خداوندی کا مستحق ہے  
اور اگر کسی جانی یا مالی نقصان کے اندیشہ سے خاموشی اختیار کرتا ہے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ  
نقصان یقینی اور مؤثر ہو ، لیکن اس اندیشہ کے باوجود اگر وہ امر و نہی کا سلسلہ جاری رکھے  
تو عظیم ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کا یہ عمل اللہ کی محبت اور اس کے دین کی مدد کے لئے  
ایثار و توجہ کی دلیل ہوگا ، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ  
اور نیک کام بتلایا کیجیو ، اور بُری باتوں سے  
منع کیا کریو ، اور جو کچھ تکلیف پہنچے اس پر صبر کیجیو ،  
اِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے کسی بندے کا تکلیف اٹھانا اور قید و بند کے مصائب

سہ صحیح حدیث ہے ، اس کی تخریج ”الصمیمہ“ (۴۸۷) میں موجود ہے۔

سے دوچار ہونا بہت اچھی بات ہے، انبیاء کرام اور علماء باعمل کی یہی سنت ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کے مقابلہ میں دین کی اشاعت و تائید میں بزدلی اور کمزوری کے اندر کوئی بھلائی نہیں۔ مامورات پر عمل متروک اور منہیات پر عمل رائج ہونے کی صورت میں غصہ اور غیرت کا اظہار انبیاء کرام اور صدیقین کا شیوہ اور امتیاز ہے۔ حدیث میں مذکور ہے کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَغْضِبُ لِنَفْسِهِ، فَإِذَا اُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ حُرِّمَاتِ اللَّهِ تَعَالَى لَمْ يَقُمْ لِنَفْسِهِ شَيْءٌ۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے غصہ نہیں فرماتے تھے، لیکن جب کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوتی تھی تو اس وقت آپ کا غصہ بے حد تیز ہو جاتا تھا۔

پی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے حق میں فرمایا:

تَرَكْتُ قَوْلَهُ الْحَقَّ وَمَالَ فِي النَّاسِ مِنْ صِدْقٍ۔  
حق بات چھوڑنا جب کہ لوگوں میں اس کا کوئی درست نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مومنوں کی توصیف میں فرمایا:

أَذَلَّتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعْرَاقُهُ عَلَى الْكَافِرِينَ، يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ كَوْمَةً لَا إِمَّةَ۔  
مسلمانوں سے نرم، کافروں کے مقابلہ میں مضبوط ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف

لہٰذا بائیں الفاظ یہ حدیث غریب ہے، حضرت عائشہؓ کی معروف روایت کے الفاظ یہ ہیں "وَمَا يَنْتَقِمُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تَنْتَهَكَ حُرْمَةَ اللَّهِ فَيَنْتَقِمَ اللَّهُ بِهَا" اس کو امام مالکؒ (۲/۹۰۲/۲) بخاری (۲: ۳۹۴) مسلم (۷: ۸۰) اور احمد (۱۱۴، ۱۱۶، ۲۶۲) نے ذکر کیا ہے۔

لہٰذا بے حد ضعیف حدیث ہے، ترمذی نے اسے غریب اور بہت سے محدثین نے منکر قرار دیا ہے، اس کی تفصیل "الضعیف" (۲۰۴۹) میں مذکور ہے۔

ذکر کریں گے۔

اس طرح ایک کامل مومن بُرائیاں دیکھ کر حتیٰ الاسکان ضبط نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک منافق جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے بُرائیاں دیکھ کر طرح طرح کے بھلے عذر تراش لیتا ہے، لیکن اگر اپنی منفعت کا معاملہ ہو تو فوراً غیظ و غضب میں بھر جاتا ہے اور اپنے فائدے کے لئے ہر طرح کا جھگڑا مول لیتا ہے مگر یہ چیز ظلم کے مقابلہ اور کمزوروں کی حمایت کے لئے دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس کے برخلاف ایک سچا مسلمان صرف ایسی صورت میں غصہ ہوتا ہے جب حکم الہی کی نافرمانی اور کسی کی حق تلفی ہو۔ دونوں فریقوں کا باہمی فرق سمجھ کر بہتر و برحق فریق کا ساتھ اختیار کرو۔

وَأَسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا، إِنَّ  
الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ  
مِنْ عِبَادِهِ، وَالْعَاقِبَةُ  
لِلْمُتَّقِينَ۔ (اعراف - ۱۲۸)

اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ بہتر انجام متقیوں کے لئے ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے، یعنی اگر کچھ مسلمان اسے انجام دیدیں تو تمام لوگ سبکدوش ہو جائیں گے، لیکن ثواب صرف کرنے والوں ہی کو ملے گا، لیکن اگر اس ذمہ داری کی ادائیگی میں تقصیر ہوگی تو وہ سب گنہگار ہوں گے جنہیں بُرائی پر زبان یا ہاتھ کے ذریعہ نیکری طاقت رہی ہو۔

بُرائیاں دیکھنے کے بعد سب سے پہلے یہ ضروری ہوتا ہے کہ نرمی و شفقت سے روکا جائے، جب اس سے فائدہ نہ ہو تو وعظ و تہدید اور سخت انداز اختیار کیا جائے، اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو پھر ہز و بُرائی کو مٹایا جائے۔ پہلے دو درجے آسان ہیں، ان کے سلسلہ میں عاجزی کا اظہار کرنے والے حیلہ تراش و بہانہ باز ہیں، البتہ تیسرا درجہ ایسا ہے کہ اُسے

انجام دینے کے لئے قربانی اور جانی و مالی جہاد کی ضرورت ہے اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بے نیازی کی بھی۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو بقدر طاقت دین کی مدد کے لئے جدوجہد کرنا چاہیئے اور غدر و جیلہ تراشی کا سہارا نہیں لینا چاہیئے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے نرمی و مروت اور ہمدردی و شفقت کی بڑی اہمیت ہے، جب تک ان چیزوں کا فائدہ نظر آئے ان کی پابندی کرنی چاہیئے حدیث میں وارد ہے:

مَا كَانَ الرَّفْقُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ  
وَمَا نَزَعَ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ ۖ  
نرمی سے چیزوں کو زینت اور سختی سے  
قباحت حاصل ہوتی ہے۔  
یہ بھی وارد ہے کہ:

إِنَّهُ لَا يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَى  
عَنِ الْمُنْكَرِ إِلَّا رَفِيقٌ نِيْمًا يَأْمُرُ بِهِ  
رَفِيقٌ نِيْمًا يَنْهَى عَنْهُ ۖ  
امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام وہی  
انجام دے سکتا ہے جس کے اندر رفق کی  
صفت موجود ہو۔

دینی معاملہ میں مدامت سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے، یعنی حق بات کہنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کسی جاہ و مال یا دنیوی منفعت کے خیال سے باز نہیں رہنا چاہیئے (یہ  
۱۰ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے، حاشیہ مشکوٰۃ (۴۸۵۴) میں اس کی تخریج موجود ہے۔

۱۱ اس کی کوئی اصل نہیں، یہ غزالی کی اجلاء العلوم (۲: ۲۹۲) والی حدیثوں میں سے ہے، حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بایں صورت یہ مجھے نہیں ملی، البتہ یقینی نے شعب الایمان میں عمرو بن شعوب عن امیر بن جہدہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: مَنْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ فَلْيُكُنْ أَمْرٌ لَا يَمَعُرُ دُونَهُ ۚ میں کہتا ہوں کہ اس تخریج سے یہ دوہم ہوتا ہے کہ عمرو کی جانب اس کی اسناد محفوظ ہے حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ عمرو سے پہلے اس میں سلسل تین ضعیف راوی موجود ہیں، جیسا کہ ”الاحادیث الضعیفة“ (۲۰۹۷) میں میں نے واضح کیا ہے۔



توضیح امام باعلوی حداد قدس سرہ کی کتاب "النصائح الدینیہ" میں موجود ہے)

بعض فضلاء کا قول ہے کہ: یہ خیال ہوتا ہے کہ بُرائی سے روکنا سب سے دشوار کام ہے، لیکن شریعت میں بُرائی کا ازالہ نفل یا قول یا دل کے ذریعہ ہوتی ہے، اس تیسرے درجہ میں خائن و فاسق سے اعراض اور اس سے لہی بغض داخل ہے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ حُسنِ معاملت سے پرہیز کیا جائے۔ اس دینی واجب کی ادائیگی سب کے بس کی بات ہے اور اس سے لوگ بُرائیوں سے باز رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكُلُوا وَشَرِبُوا لَا يَلَيْسَ بِاللَّهِ إِفْسَادُكُمْ بَلْ يَكُونُ لَكُمْ عِلْمًا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ الْكَافِرُ (البقرہ-۲۵۱) اگر اللہ بعض لوگوں کو بغض کے ذریعہ دفع نہ کرے تو زمین خراب ہو جائے۔

### ۱۳) مساجد سے بدعتوں کے ازالہ پر قادر شخص کا بیان

سوال یہ ہے کہ اس دور میں بدعات و منکرات کو مساجد سے دُور کرنے پر قادر و مؤثر کون مانا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث نبوی کے مفہوم کی رُو سے ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہتے ہیں۔ مساجد میں امامت اور وعظ و تہذیب کا کام کرنے والا عالم اس ذمہ داری کو انجام دے سکتا ہے، اور اگر حکام تک اس کی بات نہ پہنچ سکے تو بڑا اور با اثر عالم اس کام کو انجام دے گا، وہ جب مساجد کی بدعتوں سے روکے گا تو لوگ اس سے ڈریں گے، دشمنی کرنے والوں کو وہ تا دیب بھی کر سکتا ہے اور بدعتیوں کی سرزنش کے لئے پولیس اور فوج بھی استعمال کی جاسکتی ہے، اس طرح بدعت کا استیصال ممکن ہوگا۔

ہم نے دمشق کی جامع اموی میں دیکھا ہے کہ وہاں کے مدرسین اپنے اپنے تلامذہ کو لے کر عشاء کی متعدد جماعتیں منعقد کرتے تھے، رمضان میں تراویح کے لئے بھی منتہد



جماعتیں ہوتی تھیں، اور دوسروں سے پہلے فراغت کے لئے قابل افسوس سرعت سے کام لیتے تھے، یہی حال جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی جماعتوں میں بھی ہوتا تھا۔ مفتی شام نے منعقد جماعتوں کی اس بدعت کو ختم کرنے کے لئے فقہار اور مدرسین کو اس انتشار سے روکا اور متعین امام کی پابندی کا حکم دیا، بہت سے لوگوں نے اس بُری رسم کو چھوڑ دیا لیکن بعض لوگ ضد پر آگئے، مفتی نے پولیس کی مدد سے ایسے لوگوں کی سرزنش کی تو وہ مجبوراً باز آئے، مسلمانوں کو اس نیک اقدام سے بحد تسلی ہوئی۔

دُشمن کے اکثر لوگوں کو حاکم شام رشیدی بانا شروانی کا زمانہ یاد ہوگا جنہوں نے بہت سی بدعات و رسوم پر پابندی عائد کر دی تھی، مثلاً مسجدوں میں چلا چلا کر اراد و وظائف پڑھنا جس سے مصلیوں کو خلل ہو، جنازوں میں شور و شغب کرنا اور اسی طرح کے دوسرے کام لیکن ۱۲۸۲ھ میں جب وہ معزول ہو گئے تو وہ بدعتیں پھر عود کر آئیں۔

میں نے غیبی کی کتاب المدارس میں پڑھا ہے کہ شاہ کامل نے اپنے دور میں جامع اموی کے اماموں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ بڑے امام کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھائے کیونکہ ایک وقت میں ان کے اجتماع سے اختلاف و خلل واقع ہوتا تھا۔ غیبی کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا کام ہوا تھا، ہمارے دور میں بھی تراویح کی نماز کے لئے منبر سے متصل محراب میں ایک امام کے پیچھے سب کو جمع کر دیا گیا ہے، انتہی۔

ان وضاحتوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ گذشتہ دور میں بھی حکام اس طرح کی بدعتوں کو دیکھ کر ان کے ازالہ کی کوشش کرتے تھے، ان کے لئے اکابر علماء کی نشاندہی کے بعد یہ کام یقیناً آسان ہوتا ہے۔

۱۴) داعی حق کے لئے صبر و تواضع کی ضرورت ہے

ایک فاضل امام و دانشور نے لکھا ہے کہ: ”قرآن کریم میں ستر مرتبہ صبر کا لفظ وارد ہوا ہے، کوئی اور فضیلت اتنی بار مذکور نہیں ہوئی ہے، اس سے صبر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، سورہ عصر میں اس کو ”تواصی بالحق“ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ داعی حق کے لئے یہ چیز ضروری ہے۔ قرآن کی جملہ آیات میں صبر سے ثبات و تحمل کا ایسا ملکہ مراد ہے جس سے تائید حق کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات آسان ہو جائیں۔ صبر کا اظہار انسان کے کسی ایسے اختیاری کام پر ثبات سے ظاہر ہوتا ہے جس سے حق کا اثبات، باطل کا ازالہ کسی عقیدہ کی دعوت، کسی فضیلت کی تائید، یا کسی عظیم کام کے لئے وسیلہ کی ایجاد مقصود ہو، کیونکہ مصالح عامہ سے متعلق اس طرح کے اصولی امور ہی میں لوگوں کی طرف سے مخالفت کا ظہور ہوتا ہے، اور ایسے مواقع پر صبر و تحمل اور حالات کے مقابلہ کے لئے جرات کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان حالات میں ثابت قدم رہنے والا انسان ہی صابر ہوتا ہے، شروع میں اسے تکلف ہوتی ہے اور جب یہ ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو اسے صبور کہا جاتا ہے۔“

انہوں نے مزید لکھا ہے کہ: ”تواصی بالحق سب لوگوں کی طرف سے ہونی چاہیئے، خسران سے نجات اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ قوم کے تمام افراد ایک دوسرے کو حق کی طلب، اس کی پابندی اور جملہ امور میں صبر کی وصیت کریں، اگر اس ذمہ داری کو صرف ایک آدمی ادا کر لے گا اور دوسرے لوگ ایسا نہیں کریں گے تو دنیا میں لامحالہ سب خسران کا شکار ہوں گے، کیونکہ قوم جب حق کی دعوت سے غافل ہو جائے گی اور اس کے اندر صبر کی صفت کمزور پڑ جائے گی تو لازماً اس پر باطل کا غلبہ ہو جائے گا، عزائم کمزور پڑ جائیں گے اور وہ ہلاکت کا شکار ہو جائے گی۔“

۱۔ یعنی مفتی محمد رفیع رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ عصر کی تفسیر میں۔ ۲۔ مشہور مصلح ابن قیم کی کتاب ”دعۃ الصابرین“ مطبوعہ مصر میں صبر کے موضوع پر تفصیلی بحث ملاحظہ ہو۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً (انفال-۳۵) نہیں لاحق ہوگا۔ اور اس فتنہ سے بچو جو صرف ظالموں ہی کو

اور آخرت میں خسارہ ان لوگوں کو ہوگا جو تو اسی نہ کریں یا دوسروں کی وصیت پر عمل نہ کریں۔ اگر وصیت کرنے والے شخص کا انداز ایسا ہو کہ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں تو اسے بھی آخرت میں خسارہ ہوگا۔ بُرائی افراد کے لئے باعث فساد اور قوموں کے لئے باعث زوال ہے۔ اس لئے جس قوم میں بُرائی پھیل جائے گی اور اس کے افراد ایک دوسرے کو اس سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کریں گے اس قوم کی نجات مشکل ہے۔

تو اسی بالحق اور تو اسی بالصبر میں دو چیزیں داخل ہیں، ایک امر بالمعروف اور دوم نہی عن المنکر، اس لئے کہ حق کی وصیت و دعوت باطل سے روکے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح صبر کی وصیت میں بھی بُرے اعمال کی قباحت اور نیکی میں تقصیر کے بُرے نتائج کی توضیح بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال و احوال میں ان دونوں چیزوں کو ودیعت رکھا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ دنیا و آخرت میں خسارہ سے بچنے کے لئے ہر فرد کو بقدر امکان اس ذمہ داری کو ادا کرنا ہے۔

اگر کوئی قوم اس فریضہ کی ادائیگی کو معیوب سمجھنے لگے یا اس کے اندر تقاہل پیدا ہو جائے تو یہ دنیا میں اس کی تباہی و بربادی اور آخرت میں عذاب الہی سے دوچار ہونے کا پیش خیمہ ہوگا۔ قوم کے اندر تقاہل پیدا ہو جانے کی صورت میں اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ وہ نصیحت سے عاجز ہے اس لئے بُرائی کو صرف دل سے بُرا سمجھنا ہی کافی ہے تو یہ خیال غلط ہوگا، عوام کا اعراض عذاب الہی سے بچانے کا سہارا نہیں بن سکتا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انسان کو بہر صورت انجام دینا ہے خواہ لوگ اسے ناپسند کریں اور دُعا کو اذیت پہنچانے پر آمادہ ہو جائیں۔ انتہی۔

## ①۵ بدعات کا انکار کرنے والے کے خلاف متعصبوں کا غصہ

بعض لوگوں نے کہا کہ معاذین و ظالمین ظہور حق کے بعد بھی اختلاف و انتشار کا اظہار کرتے ہیں  
وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (الشوریٰ - ۱۴) مختلف ہوئے۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ - عِلْمُ  
میں پڑے۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ  
أُوتُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ  
الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ  
الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى مَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنْ  
الْحَقِّ بِآيَاتِهِ - (البقرہ - ۲۱۳)

اس لئے مومن کو چاہیے کہ ظہور حق کے بعد اس پر عمل کرے اور کسی مخالفت و ملامت  
کی پرواہ کئے بغیر اس کی دعوت دے۔ اگر کسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے اس کے خلاف کوئی  
قدم اس نے خود اٹھایا ہو یا کسی دوسرے عالم کے کہنے سے وہ کام کیا ہو تو بھی دونوں ہی ثواب  
کے مستحق ہوں گے کیونکہ ان کی نیت بخیر تھی۔

مزید کہا کہ : نظام فطرت کچھ یوں ہے کہ لوگ جہالت کے سبب ایسے امور پر زیادہ توجہ  
دیتے ہیں جن کا کوئی خاص نفع نقصان نہیں، اور بڑے بڑے امور کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔  
مالوف عادت و رواج کے خلاف کوئی کام دیکھ کر نماز اور زکوٰۃ کے ترک سے زیادہ آواز بلند  
کرتے ہیں، لیکن داعی حق کو ان کے شور و غوغا کی پرواہ کئے بغیر اپنا کام انجام دینا چاہیے۔

## ①۶ اختلاط کے سبب بدعات کا متعدد ہونا

امام ابن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”المدخل“ میں حدیث معاذ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ: ہمیں انسان کو سجدہ کرنے سے روکا اور مصافحہ کا حکم دیا۔ اس معاذ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ نصاریٰ اپنے پادریوں کو سجدہ کرنے میں ہیں اور خود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ کا ارادہ کیا، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم ایسا نہ کرو۔“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ اختلاط سے بچنا چاہیے، کیونکہ مالوف چیز کی طرف طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے اس زمانہ میں (یعنی ابن الحجاج کے زمانہ میں) بعض لوگ تخلیط کا شکار ہیں، کہ قبطی عیسائیوں کے ساتھ ان کا اختلاط بہت زیادہ ہے، معلومات بھی کم ہیں، جو کچھ دیکھتے ہیں اس کا اثر قبول کر لیتے ہیں، سنتوں کی جگہ عادات و رسوم کو رکھ دیا ہے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ سنت یہ ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ عوام و مشائخ کا دستور تو یہ ہے۔ ان سے اگر شرعی دلیل طلب کی جائے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طریقہ پر دیکھا ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ وہ سنت کی مخالفت کر کے باطل کا ارتکاب کریں، آپ کو ان تمام لوگوں سے زیادہ سنت کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ غور کا مقام ہے کہ بعض علماء نے امام مالکؒ کے عمل اہل مدینہ کو اختیار کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، پھر ساتویں صدی (ابن الحجاج کا زمانہ) کے لوگوں کے عمل سے کس طرح دلیل پکڑی جاسکتی ہے جبکہ غیر مسلموں اور عجمیوں سے ان کا اختلاط ہو چکا۔ انتہی اہل انسان کے لئے سجدہ کی مخالفت پر مشتمل معاذ کی حدیث صحیح ہے لیکن اس میں مصافحہ کا حکم نہیں بلکہ یہ حکم ایک ضعیف حدیث میں ہے جس کی تخریج ”الضعیف“ (۱۷۶۶) میں ہے۔



صحیح حدیث میں آیا ہے کہ :

لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ  
شَبْرًا بِشَبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ  
حَتَّىٰ تَوَدَّ خَلْقُ أَجْصَحَ ضَبَبٍ  
لَدَ خَلْقِهِمْ وَلَا تَكُنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودَ  
وَالنَّصَارَىٰ قَالَ : فَمَنْ ؟

تم اپنے پیشروں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے  
وہ گہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے  
تو تم بھی داخل ہو گے، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ  
آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں ؟، آپ نے  
فرمایا کہ اور کون ؟۔

## ۱۷ عوام کے ساتھ عالم کے رابطہ کی نوعیت

عوام کی مجلس میں عالم کو چاہیئے کہ واجبات و نوافل اور محرمات کا بیان کرے، اور نیکی پر  
ثواب اور جرائی پر عذاب کا ذکر کرے۔ اس کی گفتگو ایسی زبان میں ہو جسے سب لوگ بسانی  
سمجھ سکیں عوام جن مسائل و حالات سے دوچار ہوں ان کے بارے میں بھی ان کی رہنمائی کرے  
جو مسائل و دریافت کریں ان کا جواب دے اور جن باتوں کی توضیح مناسب سمجھے ان کو بغیر پوچھے  
ہوئے بھی بتائے، کیونکہ عام طور پر عوام دینی معاملات میں تساہل سے کام لیتے ہیں ایسے موقعوں  
پر اگر علماء خاموش ہو جائیں گے تو یہ سب کے لئے مضر ہوگا، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ  
عوام کو حلال و حرام تک کا علم بہت کم ہو۔

علماء اور خاص طور پر حکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معاملات کی پیشینگی کے وقت  
عام مسلمانوں کو نصیحت کریں، جھوٹے دعووں، جھوٹی قسموں اور حرام معاملات کے بارے میں  
سلہ ابو سعید خدری کی یہ صحیح حدیث صحیحین میں موجود ہے، ابو ہریرہؓ کی ایک مرفوع حدیث اس کی شاہد ہے  
اسے ابن ماجہ (۳۹۹۴) اور احمد (۲ : ۴۵۰ : ۵۲۷) نے بائنا و حسن ذکر کیا ہے، حاکم (۱ : ۳۷۷) نے  
شرط مسلم پر اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

قرآن و حدیث میں وعیدیں وارد ہیں انھیں بنائیں بہت سے عامی انسان ان نصیحتوں کو سن کر براہمتوں سے باز آجاتے ہیں۔ علماء کو یہ لحاظ بھی رکھنا چاہیے کہ عوام کی مجلسوں میں جو معاملات درپیش ہوں ان سے متعلق تمام اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔ مثلاً نکاح کی مجلس ہونے پر عورتوں کے حقوق، مہر، نفقہ، حسن معاشرت وغیرہ کو بتائیں۔ بیچ و شمار کا کوئی معاملہ درپیش ہونے پر گواہی اور خرید و فروخت کی صحیح اور ناسد صورتوں کو واضح کریں۔ آجکل کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے کہ علماء عوام کی مجلسوں میں فضول یا غیر دینی باتوں میں وقت لگانے کے بجائے وعظ و نصیحت اور تعلیم و تدریس کا مشغلہ رکھیں، کیونکہ غفلت و جہالت ہر طرف عام ہے اور اسے دور کرنے کے لئے علماء کی توجہ ضروری ہے۔ (یہ باتیں امام باعلوی حاد کی کتاب ”النصائح الدینیہ“ سے ماخوذ ہیں)

## ۱۸) مساجد سے بدعات کے ازالہ کی کوشش

امام ابن الحاجؒ نے ”المدخل“ میں مساجد کی بدعتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ  
عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ مسجد اور اس میں جو کام ہوتا ہے وہ سب امام، مؤذن اور متولی کی رعیت میں ہے، اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک

۱۔ ابن عمرؓ کی اس مرفوع حدیث کو صحیحین میں ذکر کیا ہے۔ اس کی تخریج ”الاحلال والحرام“ نمبر (۲۶۷) میں بھی ہے۔



دیکھا تو اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا اور اس پر اپنی نفرت کا اظہار فرمایا۔  
 اور جب مسجد امام کی رعیت میں ہوئی تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نگہداشت  
 کرے اور غلط کاموں کو نرمی و حکمت سے دُور کرے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 حقوک کے بارے میں کیا بدعتوں کے ازالہ کی استطاعت کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

## ① غَصَبُ کِی زَمِیْنُ یَا غَصَبُ کِی مَالِ کِی مَسْجِدِ کَا حَکْم

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایسے پُل، سرائے، مساجد اور گھاٹ وغیرہ جنہیں  
 ظالموں نے تعمیر کیا ہے ان کے بارے میں احتیاط کرنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ پُل کے استعمال  
 سے بچنا ممکن ہے یا نہیں، اگر ممکن ہو تو بچنا چاہیے الایہ کہ بعد میں اس کا حقیقی مالک راضی  
 ہو کر استعمال کی اجازت دیدے۔ اگر مسجد غصب کی زمین یا لکڑی وغیرہ سے تعمیر کی گئی ہو تو  
 اس میں داخل ہونا بالکل ناجائز ہے، اور اگر ایسے مال سے بنی ہو جس کے مالک کا علم نہ ہو تو  
 بھی حتی الامکان اس میں داخلہ سے بچنا چاہیے۔ انتہی۔

کتاب ”کنوز الصّحّة و یواقیت المنحة“ میں شفا خانہ کبیر پر بحث کے دوران لکھا  
 ہے کہ متدین لوگوں کی ایک جماعت نے مدرسہ منصورہ اور قنبہ میں نماز سے احتیاط برتی ہے اور  
 شفا خانہ کو غلط بتایا ہے کیونکہ اس کی تعمیر میں لوگوں پر بے حد ظلم ہوا ہے، اس کا واقعہ یوں ہے  
 کہ شاہ منصور قلاوون صالحي نے ۶۸۲ھ میں دارقطبیتہ کو شفا خانے، قنبہ اور مدرسہ میں  
 تبدیل کرنا چاہا تو اسے خریدنے کی بات چیت کے لئے حسام الدین بلال مغنیثی کو متعین کیا۔

اسلہ یہ صحیح حدیث ہے، صواب کی ایک جماعت نے جس میں ابن عمر، ابو سعید اور جابر وغیرہ  
 داخل ہیں، اس کو روایت کیا ہے۔ ان کی روایتوں کی تخریج سنن ابی داؤد (۴۹۸/۵) میں موجود ہے۔

ان کی بات چیت سے مولنہ خاتون اسے اس شرط پر بیچنے کے لئے تیار ہو گئی کہ اسے ایک گھراؤ نقد رقم دی جائے۔ معاملہ طے ہونے پر بادشاہ نے امیر سنجر شجاعی کو تعمیر کے لئے متعین کیا، انھوں نے فوری طور پر دارقطنیہ سے عورتوں کو نکال دیا اور تین سو قیدیوں نیز مصر کے کاریگروں کو جمع کر کے کام پر لگا دیا، ان پر یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ ہمیں اور کام نہ کریں، ان کی سختی کی بنا پر تمام کاریگر کام پر حاضر رہتے تھے۔ تعمیر کے لوازم اور ضرورت کے سامان قلعہ روضہ سے لائے گئے۔ امیر شجاعی روزانہ خود آکر نگرانی کرتے تھے تاکہ مزدور کام میں سستی نہ کریں۔ تعمیر کے دوران ادھر سے گزرنے والے ہر چھوٹے بڑے شخص کے لئے ضروری تھا کہ ایک پتھراٹھا کر اسے دیوار میں اس کی جگہ نصب کرے، رؤسا اور نوچی بھی اس حکم کی تعمیل کے لئے مجبور تھے، بہت سے لوگوں نے اس ڈر سے اس طرف سے گزرنا چھوڑ دیا تھا۔ تعمیر کی تکمیل کے بعد وہاں لوگوں کو ایک سوال دیکھنے میں آیا جس کے الفاظ یہ تھے:

مَا نَقُولُ اِنَّهُ الدِّينُ بِنِي مَوْصِحِ  
اُخْرِجْ اَهْلَهُ مِنْهُ كَرِهًا وَعَمَرَ  
بِمُسْتَحْتَبِينَ يَعِصُقُونَ الصَّنَاعَ  
وَ اُخْرَبَ مَا عَمَرَ غَيْرَهُ وَ نَقِلَ  
اَلَيْهِ مَا كَانَ فِيهِ فَعَمَرَ بِهِ ،  
هَلْ نَجُوزُ الصَّلَاةُ فِيْهَا اَمْ لَا ؟ ۹

اِنَّ دین اس جگہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں  
جس کے باشندوں کو وہاں سے زبردستی  
نکال کر، کاریگروں پر زیادتی کر کے، اور  
دوسری عمارتوں کو ویران بنا کر اسے تعمیر  
کیا گیا ہو، کیا اس جگہ پر نماز پڑھنا  
جائز ہوگی؟

فقہاء کی ایک جماعت نے مذکورہ سوال کے نیچے لکھ دیا کہ:

لَا نَجُوزُ فِيْهِ الصَّلَاةُ ۔  
اس میں نماز جائز نہیں ۔

مجدد بن خشاب نے شجاعی کو اس صورت حال سے باخبر کیا تو اس پر یہ بات بہت  
شاق گذری، اس نے قاضیوں اور مدرسہ منصورہ کے علماء کو جمع کر کے مذکورہ فتویٰ کی خبر دی

کسی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صرف شیخ محمد مرجانی نے یہ کہا کہ: ”میں نے اس میں نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے اور اب یہ کہہ رہا ہوں کہ اس کے دروازے سے داخل ہونا بھی مکروہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ کھڑے ہوئے اور سبھی لوگ وہاں سے چلے گئے۔“

اس کے بعد شجاعی نے شیخ محمد مرجانی سے اصرار کیا کہ مدرسہ منصور یہ میں ایک تقریر کے لئے اپنا تقریر منظور کر لیں، شیخ نے بڑی مشکل سے یہ بات منظور کر لی۔ تقریر میں شجاعی اور دوسرے قاضی موجود تھے، شیخ نے امرار، حکام، اور قاضیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے زمین کے غضب اور مزدوروں کو کمتر مزدوری پر کام کے لئے مجبور کرنے کی مذمت کی اور یہ ایت پڑھ کر اپنی تقریر ختم کی:

وَيَوْمَ يَعِصُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ  
يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ  
سَبِيلًا، يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمَّا اتَّخَذْتُ  
نَصْرًا نَّاخِلِيًّا۔ (الفرقان - ۲۷) نہ بناتا۔

تقریر کے بعد شجاعی نے شیخ سے دُعا کی درخواست کی تو شیخ نے فرمایا کہ: ”علم الدین، میں آپ کے حق میں دُعا تو کر دوں لیکن مجھ سے بہتر ذات نے آپ کے لئے بد دُعا کی ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذکر کیا:

اَللّٰهُمَّ مَنْ دَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ  
شَيْئًا فَرَفَقْ بِهِ فَاَرْفِقْ بِهِ، وَمَنْ  
شَقَّ عَلَيْهِمُ شَقٌّ عَلَيْهِ  
اے اللہ! میری امت کا جو دال ہو اور  
اس کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس  
پر نرمی فرما، اور جو اس پر سختی کرے تو بھی  
اس پر سختی کر۔

شیخ اس کے بعد چلے گئے اور شجاعی کو بے حد قلق ہوا، انھوں نے شیخ تقی الدین محمد

بن دقیق العید کو طلب کیا (ان سے شجاعی کو عقیدت تھی) اور درہم میں نماز سے باز رہنے کے فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شاہ قلاوون نے سلطان نور الدین ہشید کے متبع و اقتدار میں یہ تعمیر کی تھی، لوگ شاہ قلاوون کی مذمت تو کرتے ہیں لیکن سلطان نور الدین کی کوئی مذمت نہیں کرتا۔ ابن دقیق العید نے فرمایا کہ: نور الدین نے ایک انگریز بادشاہ کو گرفتار کر لیا تھا، اس نے قتل سے بچنے کے لئے نذیر کے طور پر پانچ قلعوں اور پانچ لاکھ نقد کی پیش کش کی، بادشاہ نے یہ رقم لے کر انگریز کو رہا کر دیا لیکن وہ اپنے ملک پہنچنے سے قبل مر گیا۔ نور الدین نے اسی رقم سے دمشق کا شفا خانہ تعمیر کرایا جس میں مزدوروں پر کسی طرح کی زبردستی یا زیادتی نہیں کی گئی، اب ایسا مال یا ایسا بادشاہ کہاں بیسر ہو سکتا ہے؟ اگر بادشاہ کی نیت بہتر ہوگی تو یہ عمارت آباد ہوگی، اور آپ نے لوگوں کی منفعت کے لئے اس تعمیر میں حصہ لیا ہوگا تو اس کا اجر ملے گا، اور اگر بادشاہ کو خوش کرنے کی نیت ہوگی تو آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ سن کر شجاعی نے کہا کہ: ”اللہ نیکوں سے باخبر ہے“ پھر ابن دقیق العید کو تبتہ میں درس دینے کے لئے مقرر کیا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ: حبابہ نے اپنی نقہ میں یہ وضاحت کی ہے کہ غصب کی جگہ میں نماز نہیں ہوتی۔ الاتناع اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ: ”غاصب کے حکمی تصرفات مثلاً غصب کے کپڑے، غصب کی زمین اور غصب کے پانی سے نماز نہیں ہوتی، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَحْرَاقٌ  
فَهُوَ رَدٌّ  
جس آدمی نے ایسا کام کیا جس کا حکم شریعت  
نے نہیں دیا، تو وہ مرد وہ ہے۔

اس حدیث سے مذکورہ دعویٰ پر استدلال محل نظر ہے جیسا کہ سمجھنے والوں سے مخفی نہیں، کیا یہ آپ کو معلوم نہیں کہ مرد کے لئے ریشمی کپڑے میں نماز حرام ہے لیکن اس کے باوجود اس کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوگی۔

## ۳۰ ایسی مسجد کا اختیار کرنا جہاں بدعتیں کم ہوں

امام ابن الحاج نے ”المدخل“ میں لکھا ہے کہ: ”شریعت کے امتیازات کا اظہار اور ان کی بقا کا خیال رکھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرے، اگر مسجد میں بدعت کا اسے خوف نہ ہو تو دیکھ کہ مسجد میں قیام بہتر ہے یا گھر واپسی ابھی ہے، جو بہتر ہو اسے اختیار کر لے۔ اور اگر مسجد میں بعض بدعتوں کا خوف ہو تو پھر گھر واپسی بہتر ہے، لیکن نماز کے لئے مسجد میں جانا ضروری ہے کیونکہ وہ دین کا امتیازی نشان اسلام کا عظیم شمار اور بدنی عبادتوں میں اولین عبادت ہے۔ نماز کے لئے بشرط نہیں ہے کہ جامع مسجد میں پڑھی جائے، بلکہ جس مسجد میں بدعت کم ہوں اس میں بدعت والی مسجدوں کے مقابلہ میں نماز پڑھنا اولیٰ و افضل ہے۔ پھر اپنے طور پر بدعتوں سے بچنا اور ان کے ازالہ کی تدبیر کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی مخصوص رات میں بدعت زیادہ ہوتی ہوں تو اس رات جماعت چھوڑ دینا افضل ہے کیونکہ جماعت سے نماز مستحب ہے لیکن اہل بدعت کی کثرت کا سبب بننا ممنوع، اور منوع کا چھوڑنا واجب ہے، اس کے لئے کسی مستحب یعنی مخصوص رات میں نماز باجماعت کو چھوڑا جاسکتا ہے، نیز یہ خوف بھی ہے کہ مسجد کی حاضری کی صورت میں بدعت کے گناہوں میں وہ شریک مانا جائے۔ یہ ایک وجہ ہوئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے حاضر ہونے والے کا دل بدعت سے مانوس ہو جائے اور وہ اسے دُور کرنے کی کوشش ترک کر دے، ایسی صورت میں وہ اس بات کا صلہ میں کہتا ہوں کہ: از روئے دلیل جماعت سے نماز واجب ہے، وجوب کے دلائل کی تاویل کیلئے کوئی دلیل نہیں، یہ تفصیل کا مقام نہیں، اس کے لئے طویل ماخذ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جیسے ابن قیمؒ کی کتاب ”الصلوٰۃ وما یلزم فیہا“ (ناظر الدین)۔

مصدق ہو جائے گا کہ :

وَلَيْسَ ذَرَاءُ ذَالِكَ مُثْقَالِ حَبَّةٍ  
مِنْ خَرَدَلٍ مِنَ الْإِيمَانِ - ۱۵  
اور اس کے بعد رائی کے برابر بھی ایمان کا  
درجہ نہیں ہے۔

تیسری وجہ جو دوسری وجہ سے بھی سخت ہے یہ ہے کہ یہ بھی ڈر ہے کہ وہ جو کچھ دیکھے، یا  
سُنے اسے مستحسن سمجھنے لگے، اس کی قباحت بہت زیادہ ہے، اس لئے کہ یہ احداث فی الدین  
کا استخنان ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردود بتایا ہے، آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ عَمَلًا مَرِيًّا حَتَّى  
يُتَّقِنَهُ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا  
الْتِقَانُهُ؟ قَالَ: يُخْلِصُهُ مِنَ  
الرِّيَاءِ وَالْبِدْعَةِ ۝  
اللہ تعالیٰ کسی کا عمل اتقان کے بغیر قبول  
نہیں کرتا۔ صحابہ نے سوال کیا کہ عمل کا اتقان کیا ہے؟  
آپ نے فرمایا کہ : اسے ریا اور بدعت سے  
پاک و صاف رکھنا۔

اور ایسا کم ہوتا ہے کہ کہیں کی تمام مسجدوں میں بدعات کی کثرت ہو جائے، لیکن اگر  
ایسا ہو تو پھر اسی مسجد میں جانا چاہیئے جس میں بدعتیں کم ہوں۔ اگر ایسے لوگ جن کی اقتدار  
کی جاتی ہے بدعات والی مسجدوں میں جانا بند کر دیں تو بہت سی بدعات کا خاتمہ ہو سکتا  
ہے مگر افسوس کہ لوگ رواداری سے کام لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں عوام بدعتوں کے

۱۵ ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث کا ٹکڑا ہے جو پہلے گزر چکی ہے، اسے مسلم (۱: ۵۰، ۵۱)، احمد  
(۱: ۴۵۸، ۴۶۱) اور پہلے ٹکڑے کو طبرانی (۳: ۱۴۹) نے روایت کیا ہے۔

۱۶ ”وَمَا الْتِقَانُهُ“ کی زیادتی کے ساتھ غریب ہے، یہ حدیث عائشہؓ، کلبیب بن شہاب،  
اور ام عبد الرحمن بن حنان سے مروی ہے، اور کسی کی روایت میں مذکورہ اضافہ نہیں، اس لئے وہ  
منکر ہے، اور اصل حدیث میرے نزدیک حن ہے جیسا کہ میں ”الصَّحِيحَةُ“ (۱۱۳) میں  
بیان کیا ہے۔



عادی بن جاتے ہیں اور انہیں شریعت کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اس سے اس آیت کا مصداق بن جانے کا اندیشہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ :

وَهُمْ يُحْسِبُونَ أَنَّهُمْ مُخْسِنُونَ (الکہف - ۱۰۴) وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اگر بدعات سے محفوظ کسی مسجد میں کوئی مصلیٰ نہ ہو تو پھر اسی میں نماز ضروری ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں اسے اللہ کے گھر کو آباد کرنے کا بھی ثواب ملے گا جو بہت بڑی سعادت ہے، ابو داؤد نے سنن میں ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الصَّلَاةُ فِي جَمَاعَةٍ تَقْدِلُ خَسًا وَعَشْرِينَ صَلَاةً، فَإِذَا صَلَّاهَا فِي فَلَاحَةٍ نَأْتَمَّرُ رُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا بَلَعَتْ خَمْسِينَ۔ ۱۵

جماعت کی نماز پچیس نمازوں کا درجہ رکھتی ہے اور اگر اس کو کسی میدان میں پڑھے اور رکوع و سجود اچھی طرح کرے تو پچاس تک پہنچ جاتی ہے۔

## ابتداء

اس کتاب کو میں نے چند ابواب و فصول میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ استفادہ میں آسانی ہو اور متفرق چیزیں اکٹھا ہو جائیں، مزید یہ کہ انسان کو اپنے اور اپنے ماحول کے بارے میں بصیرت حاصل ہو جائے۔ آگے ہم اپنے مقصد کی توضیح کر رہے ہیں۔

۱۵ اصل میں ”صَلَّى صَلَاةً“ ہے، بقیع ابو داؤد سے کی گئی ہے۔

۱۶ اس حدیث کی اناد صحیح ہے، اس کی تخریج ”صحیح سنن ابی داؤد“ (۵۶۹) میں موجود ہے۔

# بابِ اول

مساجد کی بدعتوں کے بیان میں

## پہلی فصل

نماز جمعہ کی بدعتوں کے بیان میں

خطبہ جمعہ کی بدعتیں

①

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں جمعہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی توضیح کرتے ہوئے بدعتوں کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سُرخ، آواز بلند، اور غصہ سخت ہو جاتا تھا، آپ فرماتے تھے:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا، وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ  
 حمد و نعت کے بعد، بہترین بات اللہ کی کتاب، اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور بدترین کام بدعت کا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

ابن جابر کی اس صحیح حدیث کو مسلم نے ذکر کیا ہے لیکن اس میں ”وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ“ کا جملہ نہیں ہے، یہ سنائی کے یہاں اور شیئہ کی ”الاسماء والصفات“ میں موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں صحابہؓ کو اسلامی قواعد و شریعت کی تعلیم فرماتے تھے، جمعہ کے دن آپ لوگوں کو مہلت دیتے تھے، جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ تشریف لاتے اس وقت کوئی ہٹو بھوکو آواز نہیں ہوتی، آپ نہ تو طیلان ڈالے ہوتے نہ کوئی بیاہ لباس، آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو لوگوں کو سلام کرتے، اور جب منبر پر چڑھتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے، قبلہ رخ ہو کر آپ کوئی دُعا نہیں کرتے بلکہ بیٹھ جاتے، حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوتے تو آپ فوراً کھڑے ہو کر خطبہ شروع فرماتے، اس درمیان کوئی اور کام نہ کرتے، آپ کے ہاتھ میں تلوار وغیرہ نہیں ہوتی تھی، بلکہ منبر بننے سے پہلے آپ کمان کا سہارا لیتے تھے، جنگ میں آپ کمان پر ٹیک لگاتے تھے اور جمعہ میں لاکھی پر، تلوار پر ٹیک آپ سے منقول نہیں، کچھ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ہمیشہ تلوار پر ٹیک لگاتے تھے اور اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ دین تلوار کے سہارے قائم ہے تو یہ بے حد جھالت کا خیال ہے۔

ابن الحجاج کہتے ہیں کہ مؤذنون کو اس بدعت سے روکنا چاہیے کہ جب امام مسجد میں آتے تو وہ کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں تا وقتیکہ امام منبر پر پہنچ جائے۔ درود ایک اہم عبادت ضرور ہے لیکن یہ اس کا محل نہیں۔

امام نووی نے "الروضۃ" میں کتاب الجمعہ کے باب اول کے اخیر میں لکھا ہے کہ خطبہ میں جاہلوں کے چند اختراعی امور مکروہ ہیں، مثلاً دوسرے خطبہ میں لوگوں کا التفات، منبر پر چڑھتے ہوئے اس کی سیڑھیوں کو پٹینا، چڑھنے کے بعد اور بیٹھنے سے پہلے دُعا کرنا، شاید یہ سوچ کر کہ یہ قبولیت کا وقت ہے، حالانکہ قبولیت کا وقت بیٹھنے کے بعد کا ہے۔ حکام کیلئے

ملہ میں کہتا ہوں کہ یہ بعض علماء کا قول ہے جو مروج ہے کیونکہ اس کی حدیث معلول ہے، رائج قول یہ ہے کہ وہ وقت عصر بعد کا ہے، اس کے بارے میں احادیث ثابت ہیں۔ (ناصر الدین)

دُعا کرنے میں بے نیکی اوصاف کا ذکر کرنا بھی بدعت ہے، اصل دُعا کے بارے میں صاحب المہذب وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ وہ مکروہ ہے، لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ اگر بے نیکی اوصاف کا ذکر نہ کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ دوسرے خطبہ میں غیر معمولی تیزی بھی بدعت ہے۔

ابوشامہ نے "الباعث" میں لکھا ہے کہ: "ان بدعتوں میں جنہیں سنت جیسی عمومیت شہرت اور دوام حاصل ہے، ایک یہ ہے کہ خطیب آنے میں بہت دیر کرے، ایک یہ کہ امر و نہی اور ورود کے موقع پر دائیں بائیں ملتفت ہو، اس کی کوئی اصل نہیں، سنون یہ ہے کہ خطبہ میں شروع سے آخر تک لوگوں کی طرف رُخ رکھے، ایک بدعت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ورود کے وقت آواز بلند کی جائے، ورود دُعا ہے اور تمام دعاؤں میں ستر مستحب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کے وقت آواز بلند فرمانے فتح کیونکہ یہی خطبہ کا مقصود ہے۔ دُعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ایک پُرانی بدعت ہے، امام احمد نے غصیف بن حارثؓ سے روایت کیا ہے کہ میرے پاس عبدالملک بن مروان نے آدمی بھیج کر یہ کہلوایا کہ: ابواسمار ہم نے لوگوں کو دو باتوں پر جمع کیا ہے، ایک جمعہ کے دن منبر پر ہاتھ اٹھانا، اور دوم صبح اور عصر کے بعد حکایات بیان کرنا۔ انھوں نے جواب دیا کہ: دونوں تمہاری پسندیدہ بدعات ہیں، میں کسی کو نہیں مان سکتا۔ اس نے پوچھا کیوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ: اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَا أَحَدٌ ثَقَوْمٌ بَدْعَةٍ إِلَّا رَفَعَ

جب کوئی بدعت ایجاد ہوتی ہے، تو

۱۔ اس کی اسناد ضعیف ہے اس لئے کہ "مذ" (۱۰۵:۴) میں اسے تقیہ عن ابی بکر بن عبداللہ عن حبیب بن عبید الرحمن عن غصیف بن الحارث روایت کیا ہے، اور تقیہ ملس ہیں اور غصنفہ بھی کیا ہے، اور ابوبکر بن عبداللہ ضعیف ہیں، ابن وضاح نے اسے "البدع والہنی مہنا" ص ۳ میں حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح موقوف ذکر کیا ہے۔

مِنْهَا مِنَ السُّنَّةِ، فَمَسَّكَ لِسْنَهُ اس کی جگہ ایک سنت اُٹھ جاتی ہے، اس لئے  
خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثٍ بِدْعَةٍ۔ بدعت ایجاد کرنے سے بہتر سنت کی پابندی ہے

## ② نماز جمعہ کے بعد ظہر کی باجماعت نماز

حنفی مذہب کی کتاب "الفتاویٰ" میں مذکور ہے کہ جب اہل مرو کو علماء کے اختلاف کے باوجود دو جمعہ قائم کرنا پڑا (جس کے بارے میں ابو یوسف، شافعی، اور ان کے متبعین کا خیال ہے کہ دونوں ایک ساتھ ہوں تو دونوں، ورنہ بعد کا باطل ہے) تو وہاں کے ائمہ نے لوگوں کو جمعہ کے بعد ازراہ احتیاط ظہر کی چار رکعت ادا کرنا حکم دیا۔ اتنی ابن نجیم کا قول ہے کہ ایک ہی شہر میں متعدد جگہ جمعہ ادا کرنا صحیح ہے، یہ ابو حنیفہ اور محمد کا قول ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ بڑے شہر میں سب کے ایک جگہ اکٹھا ہونے میں کھلی تکلیف ہے۔ الفتاویٰ میں جو یہ مذکور ہے کہ ایک شہر میں متعدد مجمعے جائز نہیں، یہ مذہب کے مخالف ضعیف قول پر مبنی ہے۔ ابن نجیم کہتے ہیں کہ: ظہر ادا کرنے کی صورت میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جمعہ کے بجائے وہی فرض ہے، پھر وہ جمعہ میں سستی کرتے ہیں، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے، اور اگر پڑھا جائے تو پوشیدہ طور پر گھروں میں پڑھ لیا جائے۔

ابن نجیم ہی نے لکھا ہے کہ: "میں نے بارہا ظہر کی نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے، اس

ڈر سے کہ کہیں جاہل جمعہ کے بجائے ظہر کی کو فرض نہ سمجھ لیں۔ انتہی۔

ضرورت کے پیش نظر شافعیہ نے بھی متعدد مجمعے کو جائز کہا ہے، اور ضرورت سے

مُرَاد یا توان کی ضرورت ہو جن پر جمعہ لازم ہے یا ان کی جن سے ادائیگی صحیح ہے، یا جو ادا کرنے

ہیں، ہر ایک کا احتمال موجود ہے۔ ابن عبدالحق نے آخری صورت کو معتد مانا ہے (یعنی)



تمام جمعہ ادا کرنے والوں کی ضرورت کے لحاظ سے تعدد جائز ہوگا، بعض متاخرین نے ان کی تائید کی ہے، بحیر می کہتے ہیں کہ: "اس تول کی رو سے پورے شہر میں ضرورت کے مطابق تعدد جائز ہوگا پھر ظہر واجب نہ ہوگی جیسا کہ ابن عبدالحق سے منقول ہے۔ اس روشنی میں دمشق وغیرہ شہروں کے بارے میں بھی ظہر کے عدم وجوب کا فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ ایک وقت میں دو فرض کی ادائیگی کا حکم صحیح نہیں، مزید خرابی یہ ہے کہ اس سے لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ اور ظہر دونوں فرض ہیں۔ بعض غالی صالح مخالفین غضب کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ: جمعہ کے دن کے فرض سے قبل ظہر کی ابتدائی سنت کیسے پڑھی جائے؟ اس سے ظہر کی ادائیگی فوت ہو جاتی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ رحمت اس دن صرف دو رکعتیں فرض کیں اور اس کو ادا کرنے کے بعد زمین میں پھیل کر اپنا فضل تلاش کرنے کی تعلیم دی، لیکن خود لوگوں نے اپنے اوپر تشدد کر کے زوال کے بعد کل بائیس رکعتیں پڑھنے کا التزام کیا۔

منفی نہ رہے کہ حق کی توضیح کے لئے عوام کے دلوں سے غیر صحیح امر کے اعتقاد کو مٹانا دعوت الی اللہ کا ایک عظیم باب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ مصری حاکم حنین پاشا کے عہد میں جمعہ کے بعد ظہر کی بدعت کے بارے میں ان کے پاس مذاکرہ ہوا تو علماء ازہر نے اس سے منع کیا جیسا کہ شبراہی نے نماز ظہر کے سبب سے متعلق اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس بدعت کی تردید کرنے والوں کو جزائے خیر دے اور اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو اس سے باز رکھے، آمین۔

### ③ کثرت تعدد سے جمعہ اپنے موضوع سے ہٹ جانا ہی

یہ بحث اہم اور غور و توجہ کی مستحق ہے، اس کے اچھے حصوں کی پیروی کرنی چاہیئے۔



فتح الباری میں جمعہ کی صحت کے لئے مشروط تعداد کے بارے میں علماء کے پندرہ اقوال مذکور ہیں۔ بعض لوگوں نے ان میں سے اہل ظاہر کے قول کی تائید کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دو آدمیوں سے جمعہ صحیح ہو جائے گا، اس کی دلیل یہ ذکر کی ہے کہ ایک آدمی کے دو رکعت کے ساتھ ہونے سے اجتماع حاصل ہو جاتا ہے، اور شارع نے دو پر جماعت کا اطلاق کیا ہے چنانچہ وارد ہے کہ:

الْإِثْنَانِ فَمَا قَوْضَاهَا جَمَاعَةً۔ ۱۷ دو اور دو سے زائد کے لئے جماعت کا حکم ہے۔

مزید کہا کہ دو سے اتفاق تمام نمازیں ہو جاتی ہیں اور جمعہ بھی نماز ہے جس کے لئے بغیر دلیل کوئی دوسرا حکم نہیں ہوگا، اور زائد عدد کا اعتبار کرنے کی یہاں کوئی دلیل نہیں۔ انتہی۔ یہ بات بعض لوگوں کو اچھی معلوم ہوئی تو اسے حق صریح سمجھ کر تسلیم کر لیا۔

لیکن میرا قول یہ ہے کہ اہل ظاہر بہت سے مسائل میں کھلے جمود اور مجادلانہ ہوس سے کام لیتے ہیں اور سلفہ کا سہارا لے کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ: یہ وارد نہیں، یہ صحیح نہیں اور ایسا نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام تشریع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور اہل ظاہر کے مالوف اسلوب سے ہونی چاہیے۔ لیکن یہ شریعت کے بہت سے ابواب میں اس کے مقاصد سے عظیم غفلت کی دلیل ہے، اس کی حیثیت مغز کو چھوڑ کر چھیلکے، یعنی کو نظر انداز کر کے لفظ اور روح سے بے توجہی برت کر جسم کو اختیار کرنے کے مانند ہے۔

عبادات میں جس سنت کا حکم ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل اور تقریر سب داخل ہے اور اصولی علماء اس پر متفق ہیں۔

جمعہ کی اصل مشروعیت یہود و نصاریٰ کے ہفتہ وارا اجتماع کے بالمقابل ایک اجتماع ۱۷ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ بعض کا ضعف بہت زیادہ ہے، جیسا کہ میں ”ارواغلیل“ (۴۸۲) میں بیان کیا ہے۔

کی غرض سے ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے فوائد مضمر ہیں :

حافظ عبد بن حمید اور حافظ عبد الرزاق نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ اہل مدینہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور جمعہ کی مشروعیت سے قبل اکٹھا ہونے کو انصار نے کہا کہ یہود ہر ہفتہ میں ایک دن اکٹھا ہوتے ہیں اور اسی طرح نصاریٰ بھی ، ہمیں بھی کسی دن جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر ادا کرنا چاہیے ، اس کے لئے انھوں نے عروۃ کا دن مقرر کیا اور اسعد بن زرارہ کے پاس اکٹھا ہوتے ، انھوں نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور کچھ وعظ و نصیحت کی ، لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے اس دن کا نام ”یوم الجمعۃ“ قرار پایا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں ۔

امام مسلم اور نسائی نے حضرت حذیفہؓ اور ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

أَصَلَّ اللَّهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا فَكَانَ لِيَهُودٍ يَوْمَ السَّبْتِ وَكَانَ لِلنَّصَارَى الْاَحَدُ ، نَجَاءَ اللَّهُ بِنَافِهْدَ اَنَا لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةُ وَالسَّبْتُ وَالْاَحَدُ ، وَكَذَلِكَ هُمْ تَبِعُ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ہم سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جمعہ سے گمراہ کر دیا ، یہود نے سینچر کا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا ، جب اللہ تعالیٰ ہمیں لے آیا تو جمعہ کے دن کے لئے رہنمائی فرمائی ، اب ترتیب یہ ہوئی جمعہ ، سینچر اور اتوار ، اسی طرح وہ لوگ قیامت کے دن ہمارے تابع ہوں گے۔

حافظ ابن عساکر نے عثمان بن عطاء سے نقل کیا ہے کہ : جب حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں شہر فتح ہوئے تو انھوں نے بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ ایک مسجد جماعت لے میں کہتا ہوں کہ مرسل اصول حدیث کی رو سے ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ایک ہے ۔ اس لئے اس کا لحاظ رہنا چاہیے ۔

کے لئے اور ایک قبائل کے لئے مقرر کر لیں، اور جب جمعہ کا دن ہو تو جماعت کی مسجد میں آکر جمعہ ادا کریں۔ یہی بات کوفہ کے گورنر سعد بن ابی وقاص اور مصر کے گورنر عمرو بن العاص کو بھی لکھی۔ اور اجناد کے حکام کو لکھا کہ گاؤں کے بجائے شہروں میں قیام کریں اور ہر شہر میں ایک مسجد بنالیں۔

لہ میں کہتا ہوں کہ اس طرح کے اقوال سے حکماء اسلام نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ جمعہ کے دن شہر کے لوگوں کو ایک مسجد میں جمع ہونا ضروری ہے، اسی پر انھوں نے قنات کی حکمت کی بنیاد رکھی ہے جس سے معاشرہ کا نفع ہے، اس موقع پر شہر و روستا بن مسکویہ کا قول پیش ہے جسے انھوں نے تہذیب الاخلاق کے پانچویں مقالہ میں محبت کی بحث کے ضمن میں درج کیا ہے: ”محبت کا سبب انس ہے، انسان فطری طور پر انسیت رکھتا ہے اور رحمت و نفرت سے گریز کرتا ہے، انسیت ہی سے انسان کا لفظ ماخوذ ہے، شاعر کا یہ خیال صحیح نہیں کہ: ”سَمِيتِ النَّسَانَا لِكُونِكِ نَاسِيًا“ یعنی تمہارا نام انسان اس لئے رکھا گیا کہ تم بھولتے ہو، اشارہ ہے کہ انسان ’نسیان‘ سے ماخوذ ہے، جو غلط ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ انسان میں جو فطری انس ہے اس کی حرص پیدا کرنا چاہیے اور اربائے جنس کے ساتھ حاصل کرنا چاہیے اس لئے کہ وہی تمام محبتوں کا مبداء و سرچشمہ ہے بشریت اور رواج کے ذریعہ دعوتی مجالس و اجتماعات کا انتظام اسی انس کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ شاید شریعت نے روزانہ مساجد میں پانچ وقت کا اجتماع اور جماعت کی نماز کی فضیلت اسی لئے رکھی ہے کہ فطری انس قوت سے فعل کی طرف آئے اور صحیح عقیدے سے جو سب کا جامع ہو اس میں قوت پیدا ہو۔ روزانہ کا یہ اجتماع کسی بھی محلہ یا گلی والے کے لئے مشکل نہیں بازار کے بیشین نظر ہمارا مذکورہ مقصد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ایک شہر والوں کے لئے ہر ہفتہ میں ایک دن ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ایک ایسی مسجد میں اکٹھا ہوں جس میں سب کی گنجائش ہو تاکہ روزانہ کے اجتماع میں جس طرح چند گھروں کے لوگ اکٹھا ہو جاتے ہیں اسی طرح ہفتہ وار اجتماع میں تمام محلوں کے لوگ اکٹھا ہو جائیں۔ پھر شریعت نے یہ ضروری قرار دیا کہ شہر والے گاؤں اور دیہات والوں کے ساتھ سال میں دو مرتبہ عید گاہ میں (باقی حاشیہ بر صفحہ ۸۳)

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ: عبداللہ بن رواحہؓ دؤمیل سے جمعہ کو پیدل، یا سواری سے آتے تھے۔ یہ بھی نقل کیا ہے کہ: ابوہریرہؓ جمعہ کو ذوالحلیفہ سے آتے تھے اور ستر سات یا آٹھ میل کی دوری سے کبھی آتے تھے اور کبھی نہیں آتے تھے۔ اور انسؓ راویہ سے جو بصرہ سے دؤفرخ کی دوری پر ہے جمعہ میں حاضر ہوتے تھے۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جمعہ میں دؤفرخ کی دوری سے آنا چاہیے۔ ابن حجر نے "التلخیص" میں لکھا ہے کہ: اثرم نے امام احمد بن حنبل سے کہا: کیا ایک شہر میں دو جگہ جمعہ قائم کیا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ایسا کیا ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ: اسی وجہ سے ائمہ سلف نے جمعہ کے دن لوگوں کے ازدحام سے متعلق مسائل کی توضیح کی ہے، چنانچہ امام مالکؒ کی المذنبہ میں مذکور ہے کہ: جس نے امام کے ساتھ جمعہ کے دن نماز شروع کی اور رکوع میں جانے کے بعد لوگوں کے دھکے کی وجہ سے وہ سجدہ نہ کر سکا یہاں تک کہ امام نماز سے فارغ ہو گیا تو ایسا شخص پھر چار رکعت ظہر پڑھ لے گا۔ امام مالکؒ ہی کا قول ہے کہ: لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے اگر کسی کو دوسرے مصنیٰ کی پشت پر سجدہ کرنا پڑے تو وہ وقت گزرنے کے بعد بھی نماز کا اعادہ کرے گا۔ ان مضاحاتوں سے امام احمدؒ کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ: تعدد مطلقاً معروف نہ تھا۔ ابن المنذر کا قول ہے کہ: لوگوں

سہ (تفہیم حاشیہ صفحہ ۸۲)، اکٹھا ہوں تاکہ انس و محبت کی تجدید و تعمیم ہو۔ پھر حکم دیا کہ سب لوگ عمر بھر میں ایک بار مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر جمع ہوں، اس کے لئے عمر کا کوئی خاص وقت نہیں متعین کیا تاکہ موقع زیادہ رہے اور دوسرے شہروں کے لوگ اسی طرح جمع ہوں جس طرح ایک شہر کے لوگ جمع ہوتے ہیں، اور انس و محبت اور خیر و سعادت میں ان کا بھی وہی حال ہو جو سال، ہفتہ اور دن میں جمع ہونے والوں کا ہوتا ہے، اس طرح مشترکہ پہلا یوں کی جانب فطری میلان ہوگا اور شریعت کی محبت کی تجدید ہوگی، لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اس کی بڑائی کریں گے اور اس دینِ قویم پر خوشی کا اظہار کریں گے جس نے انھیں اللہ کے ڈر اور اسکی فرمانبرداری پر اکٹھا کر دیا ہے ۛ انتہی بحر و فہ ۛ

کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں جمعہ صرف مسجد نبوی میں پڑھا جاتا تھا۔ اور جمعہ کے وقت تمام مساجد کو چھوڑ کر ایک مسجد میں لوگوں کا اجتماع اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جمعہ دوسری نمازوں سے مختلف ہے اور اسے ایک ہی جگہ پڑھا جاسکتا ہے۔

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ: اسلام میں پہلی مرتبہ شہر میں پڑانے جمعہ کے ہوتے ہوئے جو جمعہ قائم ہوا وہ بغداد میں خلیفہ مقتصد کے زمانہ میں بغیر مسجد بنائے ہوئے قائم ہوا، اور اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ خلفاء کو عام مسجدوں میں آنے سے ڈر معلوم ہونے لگا تھا، یہ زمانہ ۲۸۰ھ کا واقعہ ہے، پھر خلیفہ مکتفی کے زمانہ میں مسجد تعمیر ہو گئی تو وہ لوگ اسی میں جمعہ پڑھنے لگے۔

ابن المنذر کہتے ہیں کہ: میرے علم کے مطابق عطار کے علاوہ کوئی اور محدث جمعہ کا قائل نہیں۔ رافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں صرف ایک جگہ یعنی بڑی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا، حالانکہ عید کی نماز وہ صحرا اور شہر دونوں جگہ پڑھتے تھے، اور جو عرب قبیلہ مدینہ کے گرد و پیش میں رہتے تھے وہ وہاں پر جمعہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان تمام منفی اشارہ کا ماخذ استقرار ہے، کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ اجتماع کی کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔

ترمذی نے قبار کے ایک شخص سے اور انھوں نے اپنے والد سے جو صحابی تھے، روایت کیا کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ قبار سے جمعہ میں حاضر ہوں۔

۱۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، ترمذی نے اس کے بعد یہ کہہ کر خود اسے ثابت کر دیا ہے کہ: صرف اسی وجہ سے ہم اسے جانتے ہیں، اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعضی کوئی بات ثابت نہیں میرے قول کے مطابق اس کی علت قبار کا کوئی نامعلوم شخص ہے، نیز اسے ترمذی نے اس سے روایت کیا ہے جس کا قول ابن حجر کے مطابق ضعیف ہے۔



ان احادیث و آثار اور عصر اول کے اتفاق سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کھلے طور پر جمعہ کا مقصد کثیر جماعت ہے جس کے لئے جمعہ شروع ہوا ہے، اور اسی سے جمعہ کو وہ حیثیت بھی حاصل ہوگی جو اہل کتاب کے دونوں دلوں کو حاصل ہے۔ اہل ظاہر پر تعجب ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے وہ غافل ہیں اور اس اجتماع کے راز کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں، مزید تعجب اس بات پر ہے کہ انہوں نے جمعہ کے لفظ پر غور نہیں کیا، صحابہ نے اس دن کو یہ نام دیا اور قرآن نے اس کی تائید کی تو محض اس لئے کہ اس دن اجتماع زیادہ ہوتا ہے، اس کی مزید توضیح ذیل میں دیکھیں۔

”قاموس اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ ”جمعہ“ کا لفظ حج کے پیش اور تم کے سکون دونوں حروف کے پیش اور حج کے پیش اور تم کے زبر کے ساتھ صحیح ہے، اس سے مشہور دن مراد ہے، اس نام سے اسے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں مسجد کے اندر سب لوگ جمع ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے حج کے پیش اور تم کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے وہ اس دن کے اندر لوگوں کے اجتماع کثیر کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسا کہ ہمزہ، مُزۃ اور فحکۃ کے الفاظ کے معانی سے واضح ہے یعنی بہت عیب جو، طعنہ زن اور ہنسنے والا۔“

میں کہتا ہوں کہ: اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ فُعْلَہ اور فُعْلَہ دونوں وزن مبالغہ کے ہیں، پہلا مفعول کے مبالغہ کو اور دوسرا فاعل کے مبالغہ کو بتاتا ہے، اس لئے جمعہ کا معنی ہوگا جمع کی گئی چیز، یا جمع کرنے والوں کی کثرت، اور کوئی شخص نص اور اجماع کے بغیر اپنی رائے سے اس لفظ کو اس کے اس لغوی مفہوم سے علیحدہ نہیں کر سکتا جس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عمل سے ہوتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جمعہ کا وزن مبالغہ کے لئے ہے تو اس کے تحقق کے لئے عہد نبوی میں کتنی تعداد کا ثبوت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: چالیس کی تعداد سے مبالغہ کا معنی متحقق ہو جائے گا کیونکہ مدینہ میں پہلا جمعہ چالیس آدمیوں سے قائم ہوا تھا، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی



مہینہ تشریف آوری سے پہلے مصعب بن عمیر نے قائم کیا تھا، اس لئے یہ تعداد قیام جمعہ کے لئے کم از کم تعداد مانی جائے گی ہلے اور اس سے یہ بھی سمجھا جائے گا کہ مبالغہ کا صیغہ جس سے کثرت سمجھی جاتی ہے، اس مقدار پر قطعاً صادق آئے گا، اور جو لوگ اس مقدار کو کافی نہیں سمجھتے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ امام ثنائیؒ نے چالیس کی شرط شاید یہ سوچ کر لگائی ہے کہ جمعہ کے لئے اس کے مادہ کا لحاظ کرتے ہوئے جماعت کی کثرت ہونی چاہیئے۔ چونکہ صحابہ نے اس تعداد سے جمعہ قائم کیا اس لئے ان کا یہ عمل مذکورہ لفظ کے اجمال کا بیان بن گیا۔ بعض لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ مبالغہ کے مصداق کے لئے چالیس کی تعداد کافی نہیں، جیسا کہ بعض نے اس کی تید لگائی ہے۔ لیکن صحابہ کا عمل اس بات کے لئے کافی ہو گا کہ چالیس کی تعداد لغوی و شرعی اعتبار سے لفظ کا مصداق ہے۔ ہاں یہ سوال ضرور باقی ہے کہ اس تعداد سے کم پر مبالغہ کا صیغہ صادق ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ اس سے کم تعداد سے جمعہ کا قیام منقول نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں چھوٹے قریب والوں کو جمعہ قائم کرنے کی اجازت بھی نہیں

ملہ میں کہتا ہوں کہ یہ ایک حالت کا واقعہ ہے۔ اور حالات کے واقعات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، کسی چیز کا علم نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں جیسا کہ فقہاء جانتے ہیں، ہمیں کیا پتہ کہ کتنے واقعات رونما ہوئے ہوں لیکن ہمیں ان کا علم نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ واقعات کے احاطہ کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ لوگوں نے بعض چھوٹے قریوں میں اس سے کم تعداد سے جمعہ پڑھا ہو لیکن وہ واقعہ منقول ہو کر ہم تک نہ پہنچا ہو یا منقول ہو ہو لیکن ہمیں علم نہ ہو سکا ہو؟ اس کا امکان اس بات سے پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جزیرہ میں اپنے قاضی عدی بن عدی کو لکھا تھا کہ: جس قریہ کے لوگ خانہ بدوش نہیں ہیں وہاں ایک امیر کو مقررہ کردہ جو انھیں جمعہ پڑھائے اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۲۰۴: ۱-۲) میں "باب من کان یری الجمعة فی القری وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ (ناصر الدین)

تھی۔ مذکورہ سوال کے جواب میں کوئی قطعی بات کہنا مشکل ہے، مگر یہ پہلوراج معلوم ہوتا ہے کہ چالیس سے کم کی تعداد لفظ جمعہ کا مصداق نہیں، کیونکہ وزن، منقولہ حالت اور جمعہ کی مشروعیت کے راز کا یہی تقاضہ ہے؛ اللہ اعلم۔

ظاہر یہ ہے کہ موقف پر مزید نظر ڈالتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ: ”الاشنان فما فوقہما جماعة“ سے استدلال کرتے ہوئے وہ بیہول گئے کہ شریعت کی اصطلاح میں جماعت اور جمعہ میں فرق ہے جمعہ کا لفظ حدیث میں ہوتا تو استدلال صحیح ہوتا، علاوہ ازیں یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ سخاوی نے ”المقاصد الحسنة“ میں بتایا ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جمعہ کے علاوہ فرض نمازوں میں سے کسی نماز میں صرف دو آدمی ہوں تو ایک امام اور دوسرا مقتدی ہو، اس طرح ان کی جماعت ہو جائے گی۔ اس سے شارع کا مقصد یہ ہے کہ فرض ادا کرنے میں دو آدمیوں کو بھی مل جانا چاہیے، اس طرح یہ وہم ختم ہو جائے گا کہ جماعت کے لئے کثیر تعداد ضروری ہے۔

اس میں کہتا ہوں کہ یہ خیال مصنف یا ان کے ماخذ کے علم کی بنا پر ہے، ورنہ اگر انھیں مصنف ابن ابی شیبہ اور اس میں منقول آثار کا علم ہوتا تو یہ دعویٰ نہ کرتے، میں نے بھی عمر ابن عبدالعزیزؒ کا جو واقعہ نقل کیا ہے اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ بن خطاب کا ہے، ان سے لوگوں نے جمعہ کے متعلق لکھ کر دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا: ”جہاں رہو جمعہ قائم کرو“ اسے ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ جانتے ہوئے کہ گاؤں چھوٹے بڑے چالیس آدمیوں سے زیادہ اور کم دونوں طرح کے ہوتے ہیں، مطلقاً بلا قید و جمعہ کے قیام کا حکم دیا، خلیفہ راشد کے اس فعل سے صراحتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ چالیس کی شرط صحیح نہیں ہے، اور اسی کو ”الاجوبۃ النافعة“ (ص ۳۶-۳۸) میں ہم نے راجح قرار دیا ہے، اور اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا تھا: ”صحابہ مکہ و مدینہ کے ما بین جمعہ قائم کرتے تھے۔“

اور اس سے عبادت کے اندر تعاون و اتحاد پیدا ہوگا۔

اہل ظاہر کا یہ قول کہ: جمعہ سوائے جماعت کی شرط کے دوسری نمازوں سے مختلف نہیں غلو و جمود پر مبنی ہے، کیونکہ جمعہ کے شرائط، حسن، آداب اور دوسرے اہتمامات جن کا تذکرہ حدیث کی کتابوں کے طویل ابواب میں وارد ہے، یہ تمام امور اس کے دیگر نمازوں سے مختلف ہونے کو یقینی بنا رہے ہیں۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں جمعہ کے تینوں سے زائد خصائص کا تذکرہ کیا ہے۔ امام احمد کا مذہب ہے کہ اس کا اول وقت نماز عید کا وقت ہے۔ ابن مسعود، جابر، سعید اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انھوں نے زوال سے پہلے جمعہ پڑھا اور اس پر اعتراض نہیں ہوا۔ ابو داؤد نے سنن میں ابن زبیر سے اسے روایت کیا ہے اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کا حال بقیہ نمازوں سے مختلف ہے، اس میں اصل چیز اجتماع ہے، لوگ چاشت یا اس کے بعد جب اکٹھا ہو جائیں اسی وقت پڑھ لیا جائیگا، جیسا کہ عید میں ہوتا ہے۔

تعب یہ ہے کہ ظاہر یہ جمعہ کے لئے جماعت کی شرط کس طرح مان گئے، مکمل جمود کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسری نمازوں کی طرح اس کے لئے بھی جماعت کی شرط ضروری نہ ہوتی۔ ممکن ہے کہ اس میں کہتا ہوں کہ اس میں نقطہ بحث سے ظاہری دُوری ہو گئی ہے اس لئے کہ ظاہر یہ جمعہ کو دیگر نمازوں کی طرح صرف شرائط میں مانتے ہیں، حسن و آداب میں نہیں، نیز وہ یہ قید لگاتے ہیں کہ جب تک کوئی دلیل نہ ہو، اور جماعت کے شرط کی دلیل موجود ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہے، اور یہ دلیل بھی کہ وہ زوال سے پہلے پڑھا جاتا ہے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے اور ہم نے مذکورہ رسالہ میں اس کی تشریح کی ہے۔ (ناصر الدین)

اس میں قول یہ ہے کہ دلیل کی پابندی کا نام جمود نہیں بلکہ مہر عالم کا فرض ہے کہ بغیر علم کوئی بات نہ کہے، اور علم ہی دلیل ہے اور اسی کی وجہ سے ظاہر یہ نے جماعت کی شرط کو ختم نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: **الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا الخ یعنی مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ واجب و ثابت ہے۔**

جماعت کی شرط پر اجماع کی وجہ سے انھوں نے ایسا کیا ہو۔ لیکن اس سے ان کے خلاف استدلال ہی کے لئے راہ ہموار ہوگی، اس لئے کہ علماء اصول اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع کیلئے قرآن یا حدیث قولی یا فعلی کا ہونا ضروری ہے، اور اس اجماع کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نقل ہے، اور اس سند کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ جمعہ دو آدمیوں سے صحیح ہو جائے گا غلط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اہل مدینہ کے اجتماع سے جمعہ قائم کیا تھا، اور اہل عوالی یا مدینہ کے گرد و پیش رہنے والے دوسرے لوگوں کو آپ نے یہ اجازت نہیں دی کہ وہ خود جمعہ پڑھیں، اور ایسا محض اس لئے ہوا کہ جمعہ کے لئے کثیر جماعت کی شرط لازمی ہے، اور اگر جمود نہ

ملے میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ دلیل کی پیروی جمود نہیں، مصنف کو خدا موعظ فرمائے انھوں نے اہل علم و تحقیق پر اکثر جمود کا الزام لگایا ہے، حالانکہ اکثر کتابوں میں مخالفین کے ساتھ مباشرت میں ان سے تسامح ہوا ہے۔ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ مذکورہ اجماع کی دلیل سابقہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ”فی الجمعة“ ہے، مصنف نے جو دلیل ذکر کی ہے اس میں اجماع کی سندینے کی صلاحیت نہیں کیونکہ متنازعہ شرطیت کے لئے تنہا فعل دلیل نہیں بن سکتا اس سے زیادہ سے زیادہ سنیت ثابت ہو سکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مبینہ عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا کی، لیکن اس کے کسی طرح یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ عیدین کی نماز کی صحت کے لئے یہ شرط ہے، ہاں اس سے سنیت ثابت ہو سکتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصنف نے چالیس کے عدد کی شرط ثابت کرنے کیلئے کوئی صریح دلیل ذکر نہیں کی۔

شاید جمود میں مصیبتوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اپنی غیر معمولی رغبت کے باعث انھوں نے ایسا کیا ہے۔ میں بھی اس رغبت میں ان کا شریک ہوں، لیکن مذکورہ تعداد کی شرطیت کا ایسا قائل نہیں کہ اس کے فقدان سے جمعہ کی نماز باطل ہو جائے۔ خود مصنف نے صحت پر اپنے اس ردیہ کی مخالفت کی ہے، وہاں پر وہ کہتے ہیں کہ: ”جمعہ حاضرین سے ادا کیا جائیگا خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، اور چالیس کی تعداد پوری نہ ہونے کے سبب جمعہ چھوڑا نہیں جائیگا اور نہ ظہر کا اعادہ کیا جائیگا۔“ یہی ہم بھی کہتے ہیں اور وہ لوگ بھی جن پر مصنف نے جمود کا الزام لگایا ہے بغتہ صرف خدا کی ہے، اور اسی سے مدد مانگی جاتی ہے، ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ ”الاجوبۃ النافعة“ (ص ۳۹، ۴۰)۔

ہو تو یہ بات بالکل واضح ہے۔

پھر اس کے بالمقابل ان لوگوں کا قول ہے جو بہر حال تعدد کے مخالف ہیں خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں متعدد جگہ جمعہ نہیں ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قول میں شریعت کے برخلاف تنگی و مشقت ہے۔

اُس دور میں عدم تعدد کے ہم بھی منکر نہیں، لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ کی بڑی مسجد میں سب کے لئے وسعت تھی، اور جب حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں تنگی ہوئی تو اس کی توسیع کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں متعدد جگہ جمعہ نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

لیکن مسلمانوں کی کثرت کے بعد ظاہر ہے کہ کسی ایک مسجد میں سب کا اجتماع ناممکن ہے اس لئے دین کی نرمی کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق متعدد جگہ جمعہ کی اجازت دی جائے تاکہ اتحاد و اجتماع کے فوائد بھی باقی رہیں اور کسی کو تکلیف بھی نہ ہو۔

اسی طرح اہل کتاب کے بھی بڑے شہروں میں متعدد گرجے ہوتے ہیں، جن میں وہ متینہ دلوں میں اکٹھا ہوتے ہیں، بنا بریں انصار کے اس قول کو کہ: اہل کتاب ایک مخصوص دن میں اکٹھا ہوتے ہیں، معروف حالت پر محمول کیا جائے گا۔

لیکن آج کے دور میں متعدد جگہوں پر جمعہ کے قیام میں جو اسراف ہو رہا ہے اس سے جمعہ کا مقصد فوت ہو رہا ہے، چنانچہ دمشق کی چھوٹی بڑی تمام مسجدوں میں ضرورت کے بہانے سے جمعہ پڑھا جاتا ہے جو امت کے لئے افسوسناک ہے۔

چھوٹی مسجدیں جمعہ کے علاوہ عاجز، بیمار، نا جراد و دست کار کے لئے بنائی جاتی ہیں جو محلہ سے دور نہیں جاسکتے۔ لیکن بہت سے نام کے صلحاء جن کو جمعہ اور جماعت میں کمی کی پرواہ نہیں چندہ وغیرہ جمع کر کے ایسی چھوٹی مسجدوں میں منبر بنا لیتے ہیں اور مؤذن رکھ کر جمعہ شروع



کر دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ کام اچھا ہے لیکن اس میں درج ذیل بدعتیں موجود ہیں:

- ① اس سے وقف کرنے والے کا مقصد فوت ہوتا ہے۔
- ② وقف کرنے والے نے جس کام کو نہیں کیا وہ ہوتا ہے۔
- ③ منبر کی وجہ سے مصلیوں کی تعداد میں کمی ہو جاتی ہے۔
- ④ چھوٹی مسجد کے باوجود جمعہ کے لوازم کو اس میں رکھنا پڑتا ہے۔
- ⑤ بڑی مسجدوں میں جا کر مسلمان تعارف کا مقصد حاصل کرنے کے بجائے متفرق ہو جاتے ہیں۔

⑥ ایسی عبادت ادا ہونے لگتی ہے جس کی صحت میں اختلاف ہے۔

⑦ ایک بڑا طریقہ ایجاد ہو جاتا ہے جس کی دوسرے بھی پیروی کر سکتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: ان مفساد کا سبب مختلف جامع مسجدوں کا وجود ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ: یہ شام اور صبح میں جلد ہی سے ہو رہا ہے، ظاہرہ میں صرف ایک جگہ جمعہ ہوتا تھا، پھر شاہ ظاہر کے دور میں قاضی انقضاۃ تاج الدین کی مخالفت کے باوجود دوسرا جمعہ شروع کیا گیا۔ شام کے اکثر جمعے بھی فی الحال کی ایجاد ہیں۔

سبکیؒ نے آگے لکھا ہے کہ: دمشق میں حضرت عمرؓ کی فتح سے آج تک (یعنی رمضان ۵۶ھ تک) فصیل کے اندر ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا۔ انتہی۔

البتہ فصیل کے باہر تین مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا، ایک خلیل خاں کی جامع مسجد میں جو مشرقی دروازے کے باہر واقع تھی، اس میں ابن قیمؒ خطبہ دیتے تھے، اب یہ مسجد ختم ہو گئی ہے اور صرف دروازہ اور دور روشن دان باقی ہیں، دوم یلیغا کی مسجد میں، اور سوم تنکڑ کی جامع مسجد میں۔ چونکہ فصیل کے باہر کے محلے علیحدہ علیحدہ واقع تھے اس لئے



انہیں مختلف گاؤں کا حکم دیدیا گیا تھا۔

سبکی نے اپنی متعدد کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ: اگر کسی شہر یا گاؤں میں ایسی جامع مسجد ہو جس میں تمام باشندوں کی گنجائش ہو وہاں کسی دوسری مسجد میں دوسرا جمعہ قائم کرنا جائز نہیں۔

عبدالرزاق نے ابن جریر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عطار سے پوچھا کہ تمام اہل بصرہ کی بڑی مسجد میں گنجائش نہیں، ایسی حالت میں وہ کیا کریں؟ انھوں نے جواب دیا کہ: اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھیں، کافی ہوگا۔ ابن جریر ہی کا قول ہے کہ: بڑی مسجد کے علاوہ دوسری جگہ جمعہ قائم کرنے پر لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ:

صرف بڑی مسجد میں جمعہ صحیح ہے۔ اس سلسلہ میں زکشی، عراقی اور ابن حجر عسقلانی نے سبکی کی متابعت کی ہے، اور اسی بنیاد پر عبادی نے کہا ہے کہ: اگر کسی جگہ میں گنجائش نہ ہو تو یکساں جگہ نہ پانے والے اور دوسری جگہ نہ جاسکنے والے سے جمعہ ساقط ہو جائے گا، میرا خیال ہے کہ بڑی مسجد میں گنجائش ہو تو دوسری جگہ جمعہ جائز نہ ہوگا، ورنہ پھر حضرت عطار کے قول پر عمل کیا جائے گا تاکہ لوگ مشقت سے بچ سکیں۔

سبکی کا قول ہے کہ: ضرورت کی بنا پر تعدد کی اجازت کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ پنجگانہ نماز کی طرح ہر مسجد میں جمعہ پڑھا جائے، اس طرح جمعہ کی کوئی خصوصیت نہیں رہ جائیگی یہ بات کھلے طور پر معلوم ہے اس لئے کہ عصر نہوت سے آج تک (سبکی کے زمانہ تک) اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

سبکی کے لڑکے ناج نے ”معید النعم“ میں لکھا ہے کہ: ہم نے بعض اہل اقتدار کو دیکھا ہے کہ وہ عبادت سمجھ کر جامع مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، لیکن انھیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ امام شافعی اور اکثر علماء کے یہاں کسی شہر میں بلا ضرورت دو جگہ جمعہ قائم کرنا جائز نہیں، بعض لوگوں کی اجازت کا سہارا لیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ تمام منفقہ واجبات پر عمل کرنے کی صورت میں

بعض کے نزدیک جائز فعل کرنے کی اجازت ہے، لیکن منہیات کا ارتکاب اور مامورات کو ترک کرنے کی صورت میں دوسرے لوگوں کے مال سے مسجدوں کو اس خیال سے آباد کرنا کہ یہ کہا جائے کہ یہ فلاں کی مسجد ہے، اللہ کی نظر میں مقبول نہیں، اللہ تعالیٰ صرف طیب چیز کو قبول کرتا ہو۔ انتہاِ دُشوق میں اس وقت ایسی مسجدیں موجود ہیں جو جمعہ کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں بسکین ان میں جمعہ ہوتا ہے، اس کا سبب سُستی اور سنت سے غفلت ہے۔ چونکہ بلا ضرورت متعدد جمعہ مُضر ہے اس لئے چھوٹی تمام مسجدوں سے اور جن بڑی مسجدوں میں ضروری نہ ہو، ان سے جمعہ ختم کر دیا جائے تاکہ یہ شعار خوبصورت شکل میں ظاہر ہو، متقدمین شوافع اور ان کے موافقین کی رائے کی حقیقت یہی ہے۔

بعض مؤرخین نے ۳۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ جامع مسجدوں میں سب سے پہلے منبر عبدالملک بن مروان نے بنایا جو مروان بن محمد کی طرف سے اُمویوں کے مصر پر آخری گورنر تھے، اس سے پہلے منبر نہ تھا، اور مصر کے حکام قبلہ کی جانب لاٹھی کے سہارے خطبہ دیتے تھے۔ ۶۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ: خلیفہ محمد مہدی (جنہوں نے مسجد حرام، اور نبوی میں اضافہ کیا) منبروں کو چھوڑا اور منبر نبوی کے برابر کیا۔ بلاشبہ ان کا یہ کام درست تھا، کیونکہ بہت سے منبر اتنے بڑے تھے کہ مسجد کی بہت زیادہ جگہ گھیر لیتے تھے ۱۷

۱۷ اصل میں یہی ہے، لیکن معروض ہے کہ اُمویوں کے آخری گورنر مغیرہ بن عبید اللہ تھے۔ (مطبع)

۱۸ میں کہتا ہوں کہ اس سے صفیں بھی کٹ جاتی ہیں اور بعض لوگوں کی نماز بھی باطل ہو جاتی تھی۔ اس طرح کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا جس کو برائے عزت بیان کرتا ہوں، جمعہ کی صبح زبدانی کے ایک گاؤں میں میں نے نماز پڑھائی، سورہ فاتحہ کے بعد میں نے سورہ کہف کی ابتدائی کچھ آیات پڑھیں، کیونکہ مجھے سورہ سجدہ اچھی طرح یاد نہیں، جب میں نے رکوع کے لئے تکبیر کی تو تمام مصلیٰ اس خیال سے کہ میں نے سجدہ تلاوت کی تکبیر کی ہے سجدہ میں جانے لگے، لیکن جو لوگ مجھ سے متصل تھے یہ سمجھ گئے کہ میں رکوع میں ہوں

(باقی حاشیہ برصفا)

## ۴) عہد نبوت و خلافت میں جمعہ کی خصوصیات

- ۱) ہر شہر میں صرف ایک جگہ قائم تھا۔
- ۲) محلوں کی مساجد کو چھوڑ کر لوگ بڑی مسجد میں آجاتے تھے۔
- ۳) دُور دراز حصوں سے تکلیف اٹھا کر جمعہ میں حاضر ہوتے تھے۔
- ۴) بھڑ سے بچنے اور خطبہ سننے کے خیال سے سویرے آتے تھے۔
- ۵) بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔
- ۶) خطبہ جمعہ سے پہلے ہوتا تھا۔
- ۷) مسجد میں آنے والوں کے لئے غسل اور خوشبو لگانا شروع تھا۔
- ۸) پرسکون رہتے تھے اور لوگوں کو پھلانگ کر آگے نہ نکلتے تھے۔
- ۹) خلفاء کے آخری دور تک نقد نہ تھا۔
- ۱۰) اکٹھا جمعہ ادا کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کی توسیع کی۔
- ۱۱) بمضائق علاقوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔
- ۱۲) جس شہر میں گورنر یا اُس کا نائب رہتا تھا وہاں جمعہ قائم ہوتا تھا۔
- ۱۳) گزشتہ تمام باتوں پر صحابہ کا اجماع تھا۔

(بقیہ حاشیہ صف) تو اٹھ کر میرے ساتھ ہو گئے، اور جو لوگ منبر کے پیچھے تھے اور مجھ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ وہ سمع اللہ لمن حمد! سننے تک سجدہ میں رہے، پھر نماز توڑ کر شور کرنے لگے، نماز پوری کرنے کے بعد میں نے ان کو سمجھایا کہ نماز میں خشوع و خضوع سے قرآن کو سننا چاہیے اور ادھر ادھر خیال کو منتشر نہ ہونے دینا چاہیے (ناصر الدین)

۱۴) ملاحظہ ہو صفحہ کا حاشیہ نمبر ۱۰

- (۱۳) یومِ العروبتہ کو جمع ہونا اہل کتاب کی طرح اتحاد کے لئے مستحسن سمجھا گیا تھا۔
- (۱۵) مبالغہ و کثرت کی بنا پر اس کو جمعہ کا نام دیا گیا تھا۔
- (۱۶) تنہا تنہا یا دو دو، تین تین کی صورت میں ادا کرنے سے جمعہ کا مفہوم فوت ہو جاتا ہے
- (۱۷) بلا ضرورت تعدد سے عصرِ نبوت و خلافت کے عمل کی مخالفت لازم آتی ہے۔
- (۱۸) تعدد کے قائلین کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی کوئی دلیل نہیں
- (۱۹) خطبہ اور جماعت کی شرط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے حالانکہ جمعہ تنہا یا بغیر خطبہ ادا کرنے کا کوئی قائل نہیں۔
- (۲۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اصولی دلیل ہے کیونکہ وہ سنت ہے، اور سنت اصول کے مطابق قول، فعل اور تقریر کا نام ہے، یہ سب خصائص قابلِ غور ہیں۔

## ۵) تعداد پوری کرنے کیلئے گاؤں میں چالیس کا انتظار

دشک کے اکثر گاؤں شافعی اور کچھ حنبلی ہیں، اسی وجہ سے گاؤں میں جمعہ پڑھا جاتا ہو ان دونوں مذاہب میں چالیس کی شرط معتبر ہے، اور اس سے بلاشبہ عبادت کا شمار نمایاں ہوتا ہے، لیکن بعض گاؤں میں مصروفیت کے دنوں میں یہ تعداد پوری نہیں ہوتی، بلکہ کبھی آدھے لوگ آتے ہیں، ایسی صورت میں آنے والے منتظر بیٹھے رہتے ہیں، مؤذن پہلی اذان کے بعد کبھی تو منارہ پر چڑھ کر گاؤں والوں کو مسجد آنے کے لئے پکارتا ہے اور کبھی کبھی بانہر محل کر دروازہ دروازہ چلاتا ہے کہ چلو۔ پھر بھی تعداد پوری نہیں ہوتی تو لوگ گھر کی منار پڑھ کر واپس ہو جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں میرا خیال ہے کہ جس چھوٹے یا بڑے گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے اور کسی وجہ سے کسی جمعہ کو اگر چالیس کی تعداد میں لوگ نہ پہنچ سکیں تو خطیب کو چاہیے کہ جتنے

لوگ موجود ہیں انہیں کوئے کر جمع پڑھ لے، اور قرار کی کمی کی وجہ سے جمع نہ چھوڑے کیونکہ موجود کو غیر موجود کی وجہ سے تکلیف نہیں دی جاسکتی، اور اطلاع و یاد دہانی کے لئے اذان ہی کافی ہے، جو اس کے بعد آئے تو بہتر ہے ورنہ وہ خود گنہ گار ہوگا۔ پھر اذان کے بعد تھوڑی مہلت سے خطیب کھڑا ہو کر خطبہ دے گا اور جمعہ ترک نہیں کرے گا جو لوگ موجود ہیں انہیں سے جمعہ صبح ہو جائیگا، ظہر دوبارہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اکثر ائمہ جمعہ کی ادائیگی میں عدد کی تعیین کو مشروط نہیں مانتے، اس بنا پر بھی موجود لوگوں سے جمعہ صبح ہو جائے گا کم ہوں یا زیادہ کسی کو بلانا ضروری نہیں۔ جمعہ کے دن کوئی اگر کسی گاؤں میں جائے تو اسے بھی گاؤں والوں کی طرح جمعہ کا اہتمام کرنا چاہیئے، جمعہ میں نہ جانا دین و عبادت کے حق میں سستی کی بات ہے بعض لوگ حنفی المذہب ہونے کا سہارا لیتے ہیں کہ اس میں شہر اور حاکم کی شرط ہے، لیکن یہ کابلوں اور لاہروں کا بہانہ ہے، عامی کا کوئی مذہب نہیں، اور اسے ائمہ کے مذاہب کا کوئی بھی علم نہیں، اسی وجہ سے اصولیوں کا قول ہے کہ: عامی کا کوئی مذہب نہیں، ہاں اگر کوئی مجتہد گاؤں میں آئے اور اپنے اجتہاد کی بنا پر مذکورہ کام کرے، نیز اس کے دل میں سستی و ہوا پرستی کا شائبہ نہ ہو تو ایسا شخص البتہ معذور ہوگا بلکہ اسے اجر بھی ملے گا۔

## ⑥ صف کو چھوڑ کر حجرہ میں جمعہ پڑھنا

بعض مساجد و مدارس کے بیرونی حصے میں حجرے بنے رہتے ہیں، ان میں بعض علماء بیٹھ کر امام کی اقتدار کرتے ہیں۔ لیکن یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سیرت کے صلہ میں کہتا ہوں کہ یہی مذہب صحیح ہے، مصنف نے صف پر جو بات لکھی ہے وہ صحیح نہیں، ہم نے وہاں لازمی تشریح کر دی ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔ (ناصر الدین)

صلہ میں کہتا ہوں کہ: اس طرح کی مہلت بالکل سنوں نہیں (ناصر الدین)



مخالف ہے۔ بالفرض اسوۂ صحیح بھی ہو تو عمل کی یہ نشان نہیں، سنت میں اس کا حکم نہیں پہنچا۔  
 صفت میں ملنے، ہصفوں کو برابر کرنے، خطیب سے قریب بیٹھنے، مسلمانوں کی تعداد بڑھانے،  
 ان کی دُعا میں شریک ہونے اور سلف کی سیرت پر عمل کرنے کا ایسی صورت میں کہاں موقع  
 مل سکے گا؟ بعض صوفیاء نے مجھ سے کہا کہ: بہت سے فقہاء کو نفقہ کا صرف یہ علم ہے کہ رخصتوں  
 اور اجازتوں کا سہارا لیا جائے اور بہانے ڈھونڈے جاتیں، سنت نبوی کی پیروی یا دل کی  
 اصلاح کا کوئی خیال نہیں۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اس کی مذمت کی ہے۔ اس  
 سے بھی انفس اور قلق کی بات یہ ہے کہ ازہر کے بعض مجاورین و حاضر باش جمعہ کی حاضری سے  
 بچنے کے لئے زوال سے پہلے سوجاتے ہیں اور پھر عصر تک سوئے رہتے ہیں، ایسے عمل کرنے  
 والے دین اور سنت کو جو نقصان پہنچاتے ہیں اس کی کیا تلافی ہوگی؟ حَسْبُنَا اللَّهُ وَ  
 نِعْمَ الْوَكِيلُ۔

## ④ خطبے اور خطیبوں کے آداب

علماء کے بقول بلیغ خطبہ وہ ہے جو ماحول و زمانے کے مطابق ہو، مثلاً رمضان کے زمانہ  
 میں اس کے احکام و مقاصد بیان کئے جائیں اور متعلقہ بدعات سے روکا جائے۔ عید الفطر کے  
 موقع پر صدقہ فطر کے احکام بتائے جائیں، جہاں اختلاف ہو وہاں اتحاد کی فضیلت کو اجاگر  
 کیا جائے، اولاد کی تربیت پر جہاں توجہ نہ ہو وہاں پر تربیت کی اہمیت و ضرورت کو بتایا جائے  
 دُنیا کے حالات پر بھی خطیب کی نظر رہنی چاہیئے اور عالمی واقعات پر لوگوں کو متنبیہ کرتے  
 رہنا چاہیئے۔

ابتداء اسلام میں خطبوں کی بہت اہمیت تھی، مفاخرت کا یہ ایک موثر ذریعہ تھا، اس  
 کے لئے خطیب حضرات خوبصورت و شیریں الفاظ اور دقیق و بیش قیمت معانی کا انتخاب



کرتے تھے۔ کلام کی رونق میں اضافہ کے لئے آیات قرآنی بھی خطبوں میں شامل کرتے تھے۔  
قرآن کریم کے اثر سے خطبہ عصر خلافت میں اپنے عروج کو پہنچ چکے تھے اور دلوں کو مقناطیسی  
اثر سے اپنی طرف مائل کر لیتے تھے۔ خطبوں کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا، بلکہ حسب  
ضرورت خطباء تقریریں کرتے تھے۔

لیکن خطبوں میں انحطاط اس وقت پیدا ہوا جب حکومت عیش و عشرت کی راہ پر  
پڑ گئی، مروانی حکومت میں ولید بن عبدالملک نے ازراہ تعلقی بیٹھ کر خطبہ دینے کی طرح ڈالی۔  
پھر عباسی خلیفہ مامون کے ہاتھوں خطبوں کی حوصلہ افزائی ہوئی، لیکن اس کے بعد جب  
خلفاء نے خطابت کی ذمہ داری دوسرے لوگوں کے حوالے کر دی تو اس کے فزائ میں کمی آگئی،  
اور نا اہل خطیبوں نے اس کو اپنی جہالت سے بے حد نقصان پہنچایا، آج کے دور میں خطبوں  
کی حیثیت کسی رواجی کام کی ہو گئی ہے، لوگ اس دور میں بد حال و بے نوا مسلمانوں کو ترک دنیا  
کی تعلیم دیتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول فراموش کر دیتے ہیں کہ :

اعْمَلْ لِدُنْيَاكَ كَأَنَّكَ تَعِيشُ  
أَبَدًا، وَاعْمَلْ لْآخِرَتِكَ  
دُنْيَاوِیْ اُمُورِ اس طرح انجام دو گویا تم کو ہمیشہ  
یہیں رہنا ہے، اور اُمورِ آخرت اس طرح انجام  
دو گویا تم کو کل ہی مر جانا ہے۔

خطیب ہونے کے لئے شرط ہے کہ انسان صحیح عقائد کا عالم ہو تاکہ اس کی بد عقیدگی سے  
لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اور فردی مسائل کا عالم ہو نا بھی ضروری ہے تاکہ عبادات کو صحیح طور سے  
ادا کیا جاسکے۔ عربی زبان سے بھی واقفیت ضروری ہے (یعنی عربوں کے لئے) تاکہ بہتر  
انداز و اسلوب سے نصیحت کی جاسکے۔ خطیب کو اسی طرح نیز فہم، زباں آور، و جہہ اور  
صالح ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ان اوصاف کی مدد سے سامعین کو دین کی طرف مائل کر سکے  
لہٰذا اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ میں نے "سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ" (۸) میں واضح کیا ہے۔

اور ان کے دلوں میں عمل کی گرمی پیدا کر سکے۔ خطیب اگر خود نیک نہ ہوگا تو اس کے وعظ سے کسی کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ ابو الاسود دؤلی کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الْمَعْلَمُ غَيْرُهُ هَلَّا لِنَفْسِكَ كَانَ ذَا التَّعْلِيمِ  
دوسروں کو تعلیم دینے والے اپنے آپ کو کیوں تعلیم نہیں دیتے۔

لَصِفُ الدَّاءِ الَّذِي السِّقَامُ وَذِي الْعَنَسَا كَيْمَا يَصْحُ بِهِ وَأَنْتَ سَقِيمٌ  
بیمار کی صفت کے لئے تم دو اجویز کرتے ہو حالانکہ تم خود بیمار ہو۔

وَنَرَاكَ لُصْلِحَ بِالرِّشَادِ عَقُولُنَا أَبَدًا وَأَنْتَ مِنَ الرِّشَادِ عَدِيمٌ  
ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہمیشہ ہماری عقول کی رہنمائی کرتے ہو لیکن خود اصلاح سے کورے ہو۔

أَبَدًا بِنَفْسِكَ فَأَنَّهُمَا عَنْ عَيْتِهَا فَإِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَانْتَ حَكِيمٌ  
پہلے اپنے نفس کو گمراہی سے روکو، اگر وہ باز آجائے تو تم دانش مند مانے جا سکتے ہو۔

وَهُنَاكَ يُقْبَلُ مَا تَقُولُ وَكَيْنَتُنِي بِأَقْوَلٍ مِنْكَ وَيَنْفَعُ التَّعْلِيمُ  
اور اسی صورت میں تمہاری بات مانی جائے گی اور تمہارے قول و تعلیم کا فائدہ ہوگا۔

لَا تَنْتَهَ عَنْ حُلْمٍ وَتَأْتِي مِثْلَهُ عَارٌ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمٌ  
ایسے کام سے نہ روکو جسے خود کرتے ہو یہ بڑی شرم و عار کی بات ہے۔

بندوں پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے، اسی کی طرف لوٹنا ہے لہ

لہ یہاں پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اہم شرط چھوڑ دی ہے، جس سے انوس عام خطیب کورے ہوتے ہیں، یعنی صحیح و غیر صحیح حدیثوں سے واقفیت، اس کے نتیجے میں ضعیف و موضوع روایات کی اشاعت ہوتی ہے اور گمراہی کو عروج ملتا ہے۔ بدعتی تقریبات سے متعلق بے شمار واہیات حدیثیں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

## ⑧ خطیب کے بیٹھنے کے بعد دونوں خطبوں کے مابین مؤذن کی دعا

کتب فقہ میں مذکور ہے کہ خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد نہ تو کوئی نماز شروع کی جائیگی نہ بلند آواز سے دُعا ہوگی، تاکہ خطبہ کو پوری طرح سنا جاسکے اور اس ہفتہ و اربعہ میں جس خشوع و احترام کی ضرورت ہے اسے پورا کیا جاسکے۔ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اس حالت میں ذکر، استغفار، دُعا یا پکار سب ممنوع ہے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

إِذَا قُلْتُ لِمَا جِئْتُكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ  
الضُّمْتُ وَالْأَمَامَ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتُ  
جموعہ کے دن خطبہ کی حالت میں اپنے پہلو میں بیٹھنے والے کو چپ کرنا بھی لغو ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بُرے کام سے منع کرنا لغو ہے تو پھر کسی غلط کام کا گناہ کتنا ہوگا؟ بعض مؤذن، خطیب کے پہلے خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

غَفَرَ اللَّهُ لَكَ وَلِوَالِدَيْكَ وَلَنَا وَ  
لِوَالِدَيْنَا وَالْحَاضِرِينَ وَالْغَائِبِينَ  
اور ہماری اور ہمارے والدین کی اور حاضرین کی۔

یہ فعل بدعت ہے، اس کی تردید کرنی چاہیے، کیونکہ یہ وقت غور و فکر اور نصیحت اندوزی کا ہے ایسے وقت میں آواز بلند کر کے حاضرین کی دل جمعی کو ختم کرنا غلط بات ہے۔ اس لئے خطیب اور دوسرے باجمیث لوگوں کو چاہیے کہ اس طرح کے غلط اُمور کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

## ⑨ فضائلِ رجب کی حدیثیں

موضوع احادیث سے متعلق تصنیفات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ رجب کے لئے یہ حدیث صحیح ہے، اسے شیخین وغیرہ نے ابوہریرہؓ سے ذکر کیا ہے، اس کی تخریج ”الارواء“ اور ”صحیح ابی داؤد“ (۱۰۱۸) میں موجود ہے۔

روزہ سے متعلق کوئی حدیث یا اثر صحیح نہیں ہے۔ امام ابو شامہ نے ”اباعث“ میں لکھا ہے کہ: شیخ ابو الخطاب نے اپنی کتاب ”اداء ما وجب من بیان وضع الوضائین فی رجب“ ۱۷ میں بروایت حافظ مؤمن بن احمد ساجی ذکر کیا ہے کہ: خراسان کے شیخ امام عبداللہ انصاری رجب کا روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اس سے روکتے ہوئے فرماتے تھے کہ: ”رجب کی فضیلت یا اس کے روزے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں بلکہ صحابہ کی ایک جماعت (جس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی شامل ہیں) سے اس روزے کی کراہت ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ اس روزہ رکھنے والے کو دڑے لگاتے تھے، اسے فاکھی نے کتاب مکہ میں نقل کیا ہے اور ابو عثمان سعید بن منصور نے جن کی عدالت و تخریج حدیث پر اتفاق ہے، اس کی اسادیوں بیان کی ہے:

حضرت عمرؓ رجب میں کھانے سے ہاتھ	حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُسْعَرٍ عَنْ وَبَرَةَ
کھینچ لینے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے	عَنْ خُرَيْشَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ
تھے اور فرماتے تھے کہ اہل جاہلیت اس	كَانَ يُضْرِبُ أَيْدِيَ الرِّجَالِ
مہینہ کا احترام کرتے تھے۔	فِي رَجَبٍ إِذَا رَفَعُوْهَا عَنْ طَعَامِهِ
(اس سند کے راویوں کی عدالت	حَتَّى يَضَعُوْهَا فِيْهِ وَيَقُوْلُ: إِنَّمَا
پر اتفاق ہے)۔	هُوَ شَهْرٌ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ
	يُعَظِّمُوْنَهُ۔

روزہ بلاشبہ ایک نیک عمل اور برائی کے لئے ڈھال ہے، لیکن اس مہینہ کے روزے کی فضیلت کے سبب یہ نہیں ہے۔

۱۷ اس کتاب کے ایک مخطوط کی حدیثوں کی تخریج میں نے کی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کی طباعت جلد ہی ہو جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ نامرالین۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ پھر رجب کا روزہ عمل خیر کیوں نہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عمل کے خیر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشروع ہو، اور ہم نے ابھی دیکھا کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، حضرت عمرؓ کے بیان کے مطابق قبیلہ مضر کے لوگ دو جاہلیت میں اس مہینہ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے حضرت ابن عباسؓ بھی اس روزہ کو مکروہ سمجھتے تھے۔ قیردان کے ققیہ اور اپنے عہد کے امام ابو محمد بن ابوزید کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے پورے ماہ رجب کے روزے کو اس دُرسے مکروہ قرار دیا کہ کہیں جاہل اسے فرض نہ سمجھ لیں۔ ان میں سے بعض آثار کو ابوبکر طوشی نے اپنی کتاب ”الحوادث والبرع“ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ: ابن وضاح روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ان رجبی لوگوں کو مارتے تھے جو پورے ماہ رجب کا روزہ رکھتے تھے۔ اور ابن عمرؓ رجب کے لئے لوگوں کی تیاریوں کو مکروہ سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: روزہ رکھو اور ترک بھی کر دو، کیونکہ اس مہینہ کی اہل جاہلیت تعظیم کرتے تھے۔ ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے گھر کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ رجب کی نیازی میں لگے ہیں، دریافت کیا کہ یہ کیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم رجب کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے رجب کو رمضان کی طرح بنالیا ہے؟ طروشی کہتے ہیں کہ رجب کا روزہ ایسی صورت میں مکروہ ہے کہ لوگ ہلال خاص کر اس کا روزہ رکھیں اور ظاہر ہو کہ یہ رمضان کی طرح فرض یا سنن یا تنبیہ کی طرح سنت ہے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مہینہ کے روزہ کی مشروعیت کے متعلق کوئی قول و فعل ثابت نہیں اس لئے اسے فرض یا سنت یا فضائل سے نہیں مانا جاسکتا، اور ایسی صورت میں اس مہینہ میں مخصوص طور پر روزہ رکھنا معقول نہ ہوگا۔ چونکہ اس مہینہ کے روزے کی کراہت فرائض و سنن سے مشابہت کی بناء پر ہے، اس لئے اگر کسی کو یہ اندیشہ نہ ہو تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔



## ⑩ خطیب کو منبر سے اترنے کے بعد چھوٹنا

جمعہ کے دن منبر کے قریب بیٹھنے والے لوگ خطیب کے منبر سے اترنے کے بعد اس کی طرف لپکتے ہیں اور اس کی پشت، مونڈھے اور پہلو کو اس خیال سے چھونے ہیں کہ وہ ابھی جس جگہ سے اُتر کر آ رہا ہے وہاں رحمت، نور، اور برکت کی بارش ہو رہی تھی، حالانکہ حجر اسود کے علاوہ کسی چیز کا چھونا صحیح نہیں جیسا کہ امام غزالی نے توضیح کی ہے، البتہ صالح عالم کے ہاتھ کا بوسہ دینا صحیح ہے۔ اس لئے خطیب کو چھوٹنے کی بدعت اگر کسی جگہ رائج ہو تو اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

## دوسری فصل

### نماز کی بدعتوں کے بیان میں

#### ① تکبیر تحریمہ سے پہلے بلند آواز سے نیت کرنا۔

۱۳۲۱ھ میں مصر کے سفر کے دوران پورٹ سعید وغیرہ شہروں میں میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ تکبیر تحریمہ سے قبل نیت کے الفاظ بلند آواز سے کہتے ہیں، جس سے دوسروں کو غلط ہوتا ہے یہ فعل مکروہ و ممنوع ہے۔ ابن الحاج نے ”المدخل“ میں لکھا ہے کہ جہری نیت بدعت ہے البتہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگ اس کو مکروہ مانتے ہیں اور بعض لوگ کمال نیت قرار دیتے ہیں بشرطیکہ آواز بلند نہ ہو۔ نیت کی زبان سے ادائیگی کو جو لوگ مکروہ کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ کتاب و سنت میں اس کا ذکر نہیں ہے، پھر یہ اندیشہ بھی ہے کہ زبان سے ادائیگی کی صورت میں دل غافل ہو جائے گا



جو نیت کا اصل مقام ہے۔ اسی طرح چہری نیت امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے مکروہ ہے۔ ایک حدیث میں تو یہ ارشاد ہے کہ:

لَا يَجْهَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ

تم آپس میں بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو۔

ظاہر ہے کہ جب علیحدہ علیحدہ نماز میں جہر سے روکا گیا ہے تو اجتماعی طور پر یقیناً منع ہوگا ابن الحاج کہتے ہیں کہ: جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی نے نہ کیا ہو بلاشبہ اس کا نہ کرنا ہی افضل ہوگا، بلکہ اس کا کرنا بدعت مانا جائے گا۔

امام ابن قیمؒ نے ”اغاثۃ اللہ فان“ میں وضو اور نماز کی نیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: نیت کسی کام کے کرنے کے قصد و ارادہ کو کہتے ہیں، اس کا مقام دل ہے، زبان سے اسے کوئی تعلق نہیں، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے اس کا کوئی لفظ منقول نہیں۔ وضو اور نماز شروع کرنے کے موقع پر جو عبارتیں ایجاد کی گئی ہیں ان سے شیطان وسوسہ والوں کو پریشان کرتا ہے، اور وہ لوگ انھیں الفاظ کے انتہام میں لگے رہتے ہیں حالانکہ نماز سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ نیت کسی کام سے جدا نہیں ہو سکتی، جو شخص کسی کام کو کرے گا یقیناً اس کا ارادہ اس کے دل میں پہلے ہوگا، یہ ممکن نہیں کہ کوئی کام انسان بلا ارادہ انجام دے۔ اس لئے شرعی اعمال میں نیت کے لئے اس قدر پریشانی کا کوئی سبب نہیں۔ اگر کسی شخص کو نیت کے حصول میں شبہ ہو تو یہ ایک طرح کا جنون مانا جائے گا، کیونکہ نیت تو ایسی چیز ہے کہ دوسروں کو بھی علم ہو جاتا ہے کہ آدمی فلاں کام کرنے جا رہا ہے، پھر اسے خود کیسے شبہ ہو سکتا ہے؟ شیطان کے وسوسہ کی بنا پر اس میں یہ صحیح حدیث ہے، اسے امام مالکؒ نے مؤطا (۱-۸۰-۲۸) میں اور بعض دیگر محدثین نے بیاضی سے نقل کیا ہے، اس کے شواہد میں ابو سعید خدریؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، اور عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں ہیں جن کی تخریج ”صحیح ابی داؤد“ (۱۲۰۳) میں موجود ہے۔

شبہ کرنے والا دراصل سنت نبوی اور طریقہ صحابہ کی خلافت ورزی کا مرتکب ہے۔ اور جب کام سے پہلے ہی اس کے ارادے کا وجود ہو جاتا ہے تو پھر الفاظ کے ذریعہ اس کی ایجاد کی کوشش لایعنی ہے۔ بعض مصلیوں کے وسوسہ کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ رکوع میں جانے کے وقت میں وہ دوبارہ تکبیر کہتا ہے اور جب امام رکوع سے اٹھنے کے قریب ہوتا ہے تو فوراً رکوع میں چلا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ جب طویل قیام کے دوران نیت کا تحقق نہ ہو سکا تو اس عجلت میں کیسے وہ موجود ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے شیخ ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے کہ: بعض لوگ دسیوں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، ان میں سے کسی کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دور میں نہیں ملتا۔ مثلاً کوئی یوں کہتا ہے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
لَوَيْتُ أَنْ أَصِلَّى صَلَاةَ الظُّهْرِ فَرِيضَةً  
أَوْ قُتِبَ أَدَاءُ اللَّهِ تَعَالَى إِمَامًا أَوْ  
مَأْمُومًا أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مُسْتَقْبِلَ  
الْقِبْلَةِ۔

میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے،  
میں نے ہر کی نماز پڑھنے کی نیت کی،  
فرض وقت پر ادا کر سکے اللہ واسطے  
امام یا مقتدی کی شکل میں چار رکعات  
قبلہ رخ ہو کر

پھر اپنے اعضاء کو حرکت دیتے ہوئے پیشانی کو جھکاتا ہے اور گردن کی رگیں سیدھی کر کے چیتا ہوا اللہ اکبر کہتا ہے، گویا دشمن کے مقابلہ میں تکبیر کہہ رہا ہے۔ اس طرح کے فعل کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی زندگی میں اگر کوئی عمر زوج بھی لے کر تلاش کرے گا تو اسے نہیں مل سکتا۔ اگر اس طرح کے فعل میں کوئی بھلائی ہوتی تو اسے وہ ضرور کرتے اور ہمیں بھی بتلاتے، لیکن اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو اس کا صاف معنی یہ ہے کہ یہ فعل بدعت اور باعث گمراہی ہے۔

نماز کا ایک وسوسہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ کسی کسی لفظ کو متعدد بار مل کر ادا کرتے ہیں،

مثلاً: التحیات کہتے ہوئے یوں کہتے ہیں: ات اتی التھی، اور سلام پھیرتے ہوئے یوں کہتے ہیں: اَس اَس۔ تکبیر کہنا ہونا ہے تو یوں تلفظ کرتے ہیں: اک ک کبر وغیرہ۔ ایسا کرنے سے نماز یقیناً باطل ہو جاتی ہے۔ اگر ایسی ادائیگی بلند آواز سے ہوگی تو دوسروں کو بھی اس سے تکلیف ہوگی اور ان کے دلوں میں ایسا کرنے والے کے خلاف جذبہ پیدا ہوگا جاہل لوگ ایسا تلفظ سنیں گے تو انہیں یہ وہم ہوگا کہ یہی طریقہ افضل ہے۔ امام غزالی وغیرہ کا قول ہے کہ: دوسوہ کا سبب یا تو جہالت ہے یا کم عقلی، اور یہ دونوں عظیم ترین عیوب و نقائص میں شمار ہوتے ہیں۔ دوسوہ کی جن صورتوں کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں۔

## ④ اقامت کے بعد نفل نماز کا حکم

مالکہ کا قول ہے کہ اقامت کے بعد دوسری نفل نماز حرام ہے، اس لئے جب تکبیر شروع ہو جائے تو نفل نماز کو چھوڑ دینا چاہیے، شافعیہ میں امام غزالی کا بھی یہی قول ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

اِذَا اُتِمَّتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ  
اِلَّا الْمَكْتُوبَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ  
اصْحَابُ السُّنَنِ وَابْنُ خَزِيمَةَ وَ  
ابْنُ حَبَانَ، وَفِي رِوَايَةٍ لِاحْمَدَ:  
فَلَا صَلَاةَ اِلَّا الَّتِي اُتِمَّتْ

جب اقامت ہو چکے تو پھر فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز صحیح نہیں، اس کو مسلم اور اصحاب السنن اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے، اور احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ جب اقامت ہو جائے تو دوسری نماز نہیں۔

امام احمد، بخاری، مسلم وغیرہ نے ابن حنینہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

لہ بایں لفظ ضعیف ہے، صحیح پہلی ہی ہے، ”الارواء“ (۹۰) میں اس کی تخریج موجود ہے۔

علیہ وسلم نے ایک شخص کو اقامت کے بعد علیحدہ دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ: کیا صبح کی چار رکعت ہے، کیا صبح کی چار رکعت ہے؟

ابن خزمیہ، ابن حبان، بزار اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ:

كُنْتُ أَصَلِّي وَأَخَذَ الْمُؤَذِّنُ  
فِي الْإِقَامَةِ فَجَذَبَنِي صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: أَتَصَلِّيُ بَصُحٍّ  
الرُّبْعَاءِ  
میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مؤذن نے تکبیر شروع کر دی، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھینچا اور فرمایا کہ کیا صبح کی چار رکعت پڑھو گے؟

ابن عربی نے "الفتوحات" میں اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: پانی کے استعمال پر قدرت کے بعد تیمم باطل ہو جاتا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرض کے علاوہ تمام نمازیں نفل ہیں، مؤکد ہوں یا غیر مؤکد، اور فرض کا درجہ نفل سے زیادہ ہے، پھر اقامت کے بعد وہ وقت فرض کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے اس لئے اقامت سن کر امام کے ساتھ نماز اگر نماز زیادہ ضروری ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ نماز پڑھنے والے پر کرامت کا اظہار کیا ہے، البتہ فرض کی ادائیگی کے بعد جس کسی نے فجر کی دو رکعتیں ادا کیں ان کے بارے میں آپ نے کسی طرح کی ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی، جیسا کہ ابو داؤد وغیرہ کی روایت ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ: نزاع کے وقت سنت ہی دلیل بن سکتی ہے، جو اسے پیش کرے گا کامیاب ہوگا۔ اقامت کے بعد نفل چھوڑ دینا اور اسے پھر فرض کے بعد ادا کرنا اتباع

سہ حاکم (۱، ۳۷۷) نے کہا کہ شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے اسکی تائید کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں ابو عامر خزاز ہے جس کا نام صالح بن رستم ہے، اس سے امام مسلم نے صریحاً روایت کیا ہے، پھر یہ مختلف فیہ بھی ہے، اسکی حدیث کو سن کہہ سکتے ہیں صحیح نہیں، اسی کے طریق سے اسے ابن حبان (۴۴۱) اور احمد (۲۳۸۱) نے بھی ذکر کیا ہے، الفاظ کا تھوڑا فرق ہے، "صحیح حدیث ہے، ملاحظہ ہو" (المشکوٰۃ) (۱۰۴)۔



سنت سے زیادہ قریب ہے، اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔

## نماز کی غلط ادائیگی

(۳)

امام غزالی نے کہا ہے کہ بلکہ اکثر مسجدوں میں دیکھا جاتا ہے کہ رکوع اور سجدہ میں لوگ اطمینان سے کام نہ لے کر نماز خراب کر دیتے ہیں، یہ ایک منکر فعل ہے، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، ایسا کرنے والوں کو روکنا چاہیے، کیونکہ نماز میں غلطی کو دیکھ کر خاموش رہنے والا اس کے گناہ میں شریک ہے، یہ اثر اسی طرح وارد ہے، اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ غیبت کے متعلق وارد ہے کہ سننے والا کرنے والے کا شریک ہے، اور اسی طرح نماز میں خرابی پیدا کرنے والی تمام چیزوں کی اصلاح کرنے میں اجر کی امید رکھنی چاہیے۔

## دوسری جماعت کے انتظار میں پہلی جماعت کو چھوڑنا

مخطوطی نے ابن نجیم کے ایک رسالہ سے ایسی صورت میں کہ کسی مسجد میں متعدد جماعتیں ہوتی ہوں اور شافعیہ کی جماعت پہلے ہوتی ہو، نقل کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ شافعیہ کی اقتدار کی جائے، بلکہ تاخیر و انتظار مکروہ ہے، کیونکہ انتظار کرنے والا حنفی المسلک شخص شافعیہ سے غزالی کی مراد ابن سعوط کے اس قول سے ہے جسے انھوں نے ”الاجاب“ (۱۲۲، ۱) میں ذکر کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ جو شخص کسی کو غلط طور نماز پڑھتے ہوئے دیکھے اور منع نہ کرے وہ بھی اس کے گناہ میں شریک ہوگا، مجھے اس کی سند سے واقفیت نہ ہو سکی۔

لہ احیاء العلوم کی حدیث ”المغتتاب والمستمع بشریکان فی الاثم“ کی طرف اشارہ ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں ”نہی عن الغیبة وعن الاستماع الی الغیبة“ اور اس کی اسناد بے حد ضعیف ہے، جیسا کہ میں نے ”الضعیف“ (۱۲۲) میں بیان کیا ہے۔

کی نماز کے دوران یا نوسنت پڑھے گا یا بیٹھا رہے گا، پہلی صورت میں حدیث : اِذَا  
 اَقِمَّتِ الصَّلَاةُ اِلَیْهِ خَلَّافٌ وَرِیُّ هُوَ، اور پہلی صورت میں بلا سبب جماعت سے  
 اعراض ہو گا جو مکروہ ہے۔ یہی بات حاشیۃ المدنی میں شیخ اکرم، میر بادشاہ اور شروانی  
 سے منقول ہے، ان سب لوگوں نے پہلی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو افضل قرار  
 دیا ہے۔ مکہ مکرمہ کے مفتی ابن ظہیرہ حنفی ہمیشہ ثنافیہ کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے کیونکہ  
 ان کی جماعت پہلے ہوتی تھی، چنانکہ رد المحتار میں مذکور ہے۔

## ⑤ مقررہ امام پر زیادتی

بہت سی بڑی مسجدوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مقررہ امام کی جماعت شروع  
 ہونے سے پہلے کسی گوشہ میں کچھ لوگوں کو لے کر جماعت شروع کر دیتے ہیں، ان کا مقصد  
 یا تو جلد بازی ہوتی ہے یا شہرت کی طلب۔ اس سلسلہ میں حنابلہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے کہ کسی  
 مسجد میں اس کے مقررہ امام سے قبل کسی کا امامت کرنا حرام ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مقررہ  
 امام اجازت نہ دے تو نماز ہی صحیح نہ ہوگی، مالکیہ کہتے ہیں کہ مقررہ امام سے قبل دوسری جماعت  
 مکروہ اور اس کے ساتھ حرام ہے، ایسی صورت میں مقررہ امام کی جماعت میں شرکت واجب  
 ہے۔ ثنافیہ نے بھی دوسری جماعت کے قیام کو مکروہ بتایا ہے، اور ابن حجر نے تو قطعی طور پر  
 روک دینے کا فتویٰ دیا ہے۔ ثنافی عالم امام ماوردی نے اسے حرام قرار دیا ہے اور حنفیہ  
 نے مکروہ بتایا ہے، چونکہ ایسے فعل سے مسلمانوں کے مابین دشمنی اور بغض و عناد پیدا ہونے  
 کا اندیشہ ہے اس لئے اسے حرام ہی ماننا چاہیے۔ اس میں حاکم کی مخالفت بھی ہوتی ہے  
 کیونکہ امام کا تقرر اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اسی طرح اتحاد و تعاون کے باہمی جذبات بھی ختم  
 ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس فعل کی مخالفت کے موضوع پر ایک رسالہ بعنوان "اتامۃ الحجۃ"



علی المصلیٰ جماعۃ قبل الامام الراتب من الکتب والنسۃ واقوال سائر ائمۃ المذاهب  
تالیف کیا ہے، خدا ایسا کرنے والوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق دے۔

## ⑥ ایک جگہ سے زائد جماعتوں سے خلل واقع ہوتا ہے

مالکیہ کے مفتی شیخ عیش مصری کے سامنے درج ذیل سوال پیش ہوا: اس بارے میں  
آپ کی رائے کیا ہے کہ کسی ایک جگہ ایک وقت میں دو یا دو سے زیادہ جماعتیں اس طرح قائم  
ہوں کہ دونوں کی اقامت ایک یا تکبیر تحریمہ ایک ساتھ ہو پھر کوئی جماعت ایک یا اس سے  
زائد رکعت سے آگے ہو جائے، ایک جماعت والے دوسری کی قرأت نہیں، یا بعض قرأت  
کی حالت میں ہوں بعض رکوع میں اور بعض سجدہ میں بعض تشہد میں مقتدیوں کی صف  
یوں گڑبڑ ہوگئی ہو کہ ایک صف میں دو یا دو سے زائد امام ہو گئے ہوں اور ان کی قرأت  
تکبیر وغیرہ کا صاف پتہ نہ چلتا ہو... کیا ایسا عمل بدعت ہے؟ اگر کسی عالم کی طرف سے  
اس کا رواج ہوا ہو تو اس عمل کو جواز کا درجہ حاصل ہو جائے گا؟

شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: ایسا عمل یقیناً بہت ہی خطرناک بدعت ہے  
چھٹی صدی ہجری میں پہلی مرتبہ اس کا ظہور ہوا، اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا، اس کی  
حرمت پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ جماعت سے اتحاد و محبت کی جس فضا کو قائم کرنا  
مقصود ہے وہ اس سے فوت ہو جاتی ہے، اسی اتحاد کے لئے جمعہ، عیدین اور حج کے  
اجتماعات بھی رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح متعدد جماعتوں سے دوسری خرابیاں بھی لازم آتی ہیں  
مثلاً: نماز جیسے عظیم اسلامی رکن میں خلط ملط واقع ہوتا ہے جو قرآن کے فرمان:

وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا  
مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج - ۳۲)  
اور جو کوئی نشانات الہیہ کی تعظیم کرے گا تو یہ  
دلوں کے تقویٰ کی بات ہوگی۔

اور حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَ  
وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى (البقرہ - ۲۳۸) نگہبانی کرو۔

اور درج ذیل حدیثوں کی خلاف ورزی ہے :

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أَصَلِّي - ۱۵  
جس طرح تم مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو  
اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔

اتَّقُوا اللَّهَ فِي الصَّلَاةِ، اتَّقُوا اللَّهَ  
میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو

اتِمُّوا الصُّلُوفَ ۱۶ صفوں کو پورا کرو

اتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ۱۷ پہلی صف کو پورا کرو۔

إِذَا أُتِمَّتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ  
اِلَّا الْمَكْتُوبَةُ ۱۸ جب اقامت ہو چکے تو پھر فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔

موطا میں مذکور ہے کہ کچھ لوگوں نے اقامت سن کر نماز شروع کر دی، بنی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان لوگوں کو دیکھ کر فرمایا : ”ایک وقت میں دو نماز، ایک وقت میں دو نماز؟“ یہ صبح کے وقت فجر کی نماز سے پہلے والی دو رکعتوں کے بارے میں فرمایا تھا جب جہاد میں تلواروں کے زیر سایہ بھی ایک ہی جماعت سے نماز مشروع ہے اور نقد جائز نہیں تو پھر وسعت و اختیار کے موقع پر اس کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے ؟۔

۱۵ بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۶ صحیح حدیث ہے ”الصحيحۃ“ (۸۶۶) میں اس کی تخریج موجود ہے۔ ۱۷ صحیح حدیث ہے آہ مسلم نے (۳، ۲) انس سے روایت کیا ہے۔ ۱۸ صحیح حدیث ہے، اس کی تخریج صحیح ابی داؤد (۶۷۵) اور مشکوٰۃ (۱۰۹) میں موجود ہے۔ ۱۹ یہ حدیث جلد ہی گزر چکی ہے اور صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے مابین تفریق پیدا کرنے کی وجہ سے مسجد ضرار کو گرانے کا حکم دیا تھا، تو پھر کسی ایک ہی جگہ میں مسلمانوں کی دو جاعتیں قائم کر کے تفریق کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

الْبِفَاءُ كُلُّ الْبِفَاءِ وَالْكَفَرُ وَالنِّفَاقُ جَفَارٌ اَدْرَكَفَرُ اَوْ نِفَاقٌ كِي عِلَامَتِ يَهِي هِي كَمَا نَارُ  
مَنْ سَمِعَ مَنَادِيَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بِالصَّلٰوةِ  
وَيَدْعُوْا اِلَى الْفَلَاحِ فَلَا يَجِيْبُهُ لَه  
ایک جگہ آپ نے فرمایا:

حَسْبُ الْمُؤْمِنِ مِنَ الشَّقَاءِ وَالْخِيْبَةِ  
اَنْ يُّسْمَعَ الْمُؤَدِّنُ يَشْرِبُ بِالصَّلٰوةِ  
فَلَا يَجِيْبُهُ  
مومن کی ناکامی اور بدبختی کے لئے کافی ہے  
کہ نماز کے لئے مؤذن کی پکار سن کر قبول  
نہ کرے۔

جب اذان سن کر غفلت برتنے والے کو یہ وعید سنائی گئی ہے تو مسجد میں موجود رہ کر  
اقامت سننے والا جماعت میں شریک نہ ہونے سے کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا، پھر مختلف  
اقامتوں کی صورت میں کس طرح لوگ اس حکم سے عہدہ برآ ہو سکیں گے؟  
امام نسائی نے عرفجہ سے روایت کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَتَكُوْنَ بَعْدِيْ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ  
مِنْ رَايْتُمْ مَوْجَاةَ فَارِقِ الْجَمَاعَةِ  
میرے بعد فتنہ و فساد ہوگا، تم مجھے  
دیکھو کہ میری امت کو متفرق

۱۔ یہ ضعیف حدیث ہے، اس کی تخریج احمد (۴۳۹۰۲) اور طبرانی نے معاذ بن انس سے مرفوعاً کی ہے  
زبان بن قائد ضعیف الحدیث ہے جیسا کہ حافظ نے کہا ہے۔

۲۔ یہ بھی ضعیف ہے، طبرانی کی سابقہ حدیث کی ایک روایت ہے، اس میں بھی زبان ہے جیسا کہ  
”المجمع“ (۲: ۲۲۰) میں مذکور ہے۔

أَوْ يَرِيدُ تَقْرِئَتِ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ هُمْ  
جَمِيعٌ فَأَقْتُلُوهُ كَمَا مَنَّ كَانَ ۞  
کرنایا جاتا ہے اسے قتل کرو، خواہ  
وہ کوئی ہو۔

ابن ماجہ نے حضرت خلیفہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ، نماز، صدقہ، حج، عمرہ اور جہاد کچھ قبول نہیں کرتا، وہ اسلام سے  
یوں نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال ۞  
ابن عباس رضی سے مروی روایت ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کی نیکی کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ بدعت سے باز نہ  
آجائے“ ۞ ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَلَّكُمْ تُدْرِكُونَ أَتَوَامًا يَصَلُّونَ  
الصَّلَاةَ لَغَيْرِ وَتَهَا فَإِذَا أَدْرَكْتُمُوهُمْ  
فَصَلُُّوا فِي بُيُوتِكُمْ لِلْوَقْتِ الَّذِي  
تَعْرِفُونَ ثُمَّ صَلُّوا مَعَهُمْ وَاجْلُوهَا  
سَبْحَةً ۞  
تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو بے وقت  
نماز پڑھیں گے۔ ایسے حالات میں تم وقت  
پر گھروں میں نماز پڑھ لو، پھر اگر جماعت  
میں شریک ہو جاؤ، اور یہ نماز نفل  
تصور کرو۔

اسی کے مثل عبادہ اور ابوذر سے بھی مروی ہے۔ یعنی تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو بے وقت

۱۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے نسائی (۱۶۶: ۲) مسلم (۲۲، ۶) اور ابوداؤد (۲۸۳، ۲) نے ذکر کیا ہے۔  
اسی کے مثل نسائی اور احمد (۴، ۲۶۱، ۵، ۲۳، ۲۴) میں بھی مذکور ہے۔ ۲۔ موضوع روایت ہے، اس  
کی تخریج ”الضعیف“ (۱۴۹۳) میں موجود ہے۔ ۳۔ ضعیف ہے، اس کا بیان بھی سابقہ ماخذ (۱۴۹۲)  
میں موجود ہے۔ ۴۔ یہ حدیث صحیح ہے، احمد (۱: ۳۷۹) نے اسے ابن مسعود سے بسند حسن ذکر کیا ہے  
پھر دوسرے طرق سے بھی اس کی تخریج کی ہے (۲: ۴۵۵ - ۴۵۹) اور عبادہ و ابوذر کی حدیث  
کو مسلم (۲، ۱۲۰ - ۱۲۱) نے ذکر کیا ہے۔



نماز پڑھیں گے، ایسے حالات میں تم وقت پر گھروں میں نماز پڑھ لو، پھر اگر جماعت میں شریک ہو جاؤ، یہ نماز نفل تصور کرو۔ یعنی نہ تو جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے نہ ہی دوسری جماعت قائم کرنے کی۔ اس موضوع پر شیخ ابوالقاسم عبدالرحمن الحجاب سعدی، مالکی، اور شیخ ابوالبرہیم اسحاق غسانی مالکی کے رسالے موجود ہیں جنہوں نے مفصل گفتگو کی ہے۔

شیخ ابوالبرہیم غسانی کہتے ہیں کہ: جماعت کا متعدد اماموں پر اس طرح متفرق ہو جانا کہ کوئی سجدہ میں ہو، کوئی رکوع میں اور کوئی رکوع سے اٹھ رہا ہو، ائمہ میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی صحیح العقیدہ یا فاسد العقیدہ شخص نے سفر یا حضر، جنگ یا تنگی جنگ کی بنا پر ایسا کیا، اس کا کوئی ذکر کہیں بھی نہیں۔ ابن ظہیر مکی نے لکھا ہے کہ: اس کی قباحت بالکل عیاں ہے اور حدیث نبوی میں اس کی ممانعت کی بے شمار دلیلیں موجود ہیں۔

قاضی ابوالولید ابن رشد نے لکھا ہے کہ: کسی جگہ جماعت کو دو حصوں میں متفرق کرنا اور علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا جائز نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرًا  
وَكُفْرًا وَتَفَرَّقَ بِقَائِلِي الْمُؤْمِنِينَ  
كُو اور مسالوں میں تفریق ڈالنے کی غرض سے مسجد بنائی ہے۔ (التوبہ - ۱۰۷)

پھر مندری کی ترغیب و ترہیب سے بدعات پر وعیدوں کو ذکر کیا ہے جن میں عریاض بن ساریہ سے مروی یہ حدیث ہے:

وَأَنَّ مَنْ يَتَّبِعْ مِنْكُمْ فِسْقِي  
أَخْلَا نَا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ لِسْتِي وَ  
تم میں سے زندہ رہنے والے بہت سے اختلافات دیکھیں گے، ایسے وقت میں میری اور میرے

لہ یہ صحیح حدیث ہے، اس کی تخریج "الصواعق" (۳۶۹) اور "الارواء" (۲۵۲۱) میں موجود ہے۔

سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّينَ  
 خُلفاءِ راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو،  
 عَصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ، وَإِنَّا كُنْ  
 اور بدعات سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی  
 رَمَحَةٌ ثَابِتٌ الْآمُورِ فَإِنَّ كُلَّ  
 بدعتِ ضلالہ۔ رواہ ابو داؤد وغیرہ۔  
 اس کو ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَكَيْسٌ  
 میری سنت سے اعراض کرنے والا مجھ سے نہیں  
 مِیّیؑ۔ رواہ مسلم۔  
 ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

یہ بات بدایت اور قواز سے معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی  
 سنت پانچوں نمازوں کے لئے ایک جماعت کی ہے، متعدد جماعتیں باطل ہیں۔ صحیح حدیث میں  
 وارد ہے کہ:

مَنْ هَمَلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا  
 جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے کام کے  
 فَهُوَ رَدٌّ۔ واللہ اعلم  
 مطابق نہ ہو تو وہ مردود ہے۔  
 (شیخ علیش کے فتویٰ کا خلاصہ تمام ہوا)

## ④ نماز کے بعد بلا شرعی سبب دو سجدوں کی بدعت

امام ابو شامہ نے کتاب الباعث میں صلاة الرغائب کی بدعت میں سنت کے مخالف  
 پہلوؤں کو شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس نماز سے فراغت کے  
 بعد جو دو سجدے کئے جاتے ہیں ان کا کوئی سبب نہیں، شریعت میں نماز کے سجدوں کو  
 قربت الی اللہ کا سبب بنایا گیا ہے یا سہو و قرأت کے سجدے مشروع ہیں۔ سجدہ شکر میں  
 یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔



اختلاف ہے، امام شافعی اسے مستحب مانتے ہیں اور امام احمد کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں، اسحاق وابو ثور سنت مانتے ہیں، بخاری کا خیال ہے کہ یہ بدعت ہے، مالک و نفعان نے مکروہ کہا ہے۔ پھر نفعان نے کہا کہ میرا قول استحباب کا ہے، اس لئے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، علی اور کعب ابن مالک سے مروی ہے۔ امام الحرمین غزالی کہتے ہیں کہ: شیخ ابو محمد جوینی بلا سبب اللہ کو سجدہ کرنے والے کی سخت مذمت کرتے تھے۔ تتمہ کے مصنف امام منٹولی کا قول ہے کہ: بعض لوگ نماز سے فراغت کے بعد سجدہ کرتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے یہ منقول نہیں ہے۔ صاحب تتمہ کا اشارہ شاید مشہور صوفی محمد بن علی ترمذی حکیم کی جانب ہے جو ہر مصیٰ کے لئے ان دو سجدوں کو مستحب قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر مصیٰ سے نماز میں تھوڑا بہت سہو ہو جاتا ہے اور اس کا ازالہ سجدہ ہی سے ہو سکتا ہے کیونکہ اس حالت میں انسان پر شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا، حدیث میں وارد ہے کہ:

إِذَا سَجَدَ ابْنُ آدَمَ ارْعُتَزَلُ الشَّيْطَانُ يَبْكِي۔  
انسان جب سجدہ کرتا ہے تو شیطان کنائے ہو کر رونے لگتا ہے۔

فتوحات مکیہ میں اسے بحوالہ ترمذی ثبوت کیا ہے۔ چونکہ نماز کے اندر اتباع نبوی منطوق ہے اس لئے ائمہ نے ان سجدوں پر بدعت کا حکم لگایا ہے۔ انتہی۔

۱۔ صحیح ہے، اسے مسلم (۱۲۱/۱) ابن ماجہ (۱۰۵۲) اور احمد (۴۲۲۰۲) نے ابو ہریرہ کی حدیث میں ذکر کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السُّجْدَةَ فَسَجَدَ ارْعُتَزَلُ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُولُ: يَا وَيْلَهُ (وَفِي رِوَايَةٍ: يَا وَيْلِي) اَمْرُ ابْنِ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَامْرُؤٌ بِالسُّجُودِ قَابِلٌ نَفْسُ النَّارِ۔ اسکی تخریج مروزی نے بھی زوائد الزہد (۹۸۱) میں کی ہے۔ ابن سعد کی ایک موتون روایت اس کی شاہد ہے جسے طرائی نے عم کبیر (۲، ۲۵۰، ۲) میں ذکر کیا ہے اس کے رجال ثقہ ہیں۔

## ۸ صفوں سے پیچھے ہٹ کر چوترے پر نماز پڑھنا

درمختار میں ہے کہ اگر کوئی مسجد کے چوترے پر نماز پڑھے اور صحن میں جگہ ہو تو مکروہ ہوگا اسی طرح صف کے پیچھے کی صف میں جس کے اندر شگاف ہو، کھڑے ہونا بھی مکروہ ہے۔ طحاوی کہتے ہیں کہ یہ کراہت تنزیہی بھی ہو سکتی ہے اور تحریمی بھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: وَمَنْ قَطَعَهُ - یعنی الصَّفَّ جو صف کو کاٹے گا، اسے اللہ تعالیٰ ٹکڑے قَطَعَهُ اللہ - لے کر دے گا۔

سے دوسری صورت راجح معلوم ہوتی ہے۔ صاحب درمختار کا قول ہے کہ شافعیہ نے بھی اسے مکروہ مانا ہے۔ سیوطی نے ”بطل الکف فی انہام الصف“ میں لکھا ہے کہ اس فعل سے جماعت کی فضیلت یعنی تعداد کا اضافہ ختم ہو جاتا ہے، جماعت کی اصل برکت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ انتہی

## ۹ نماز تراویح کی غلطیاں

ماہ نماز کی راتوں میں نماز تراویح سنت ماثورہ ہے۔ عام مسجدوں میں بہت سے ناواقف امام اسے اتنی ہلکی پڑھتے ہیں کہ نماز کے ارکان میں خلل پیدا ہو جاتا ہو مثلاً رکوع و سجدے میں اطمینان نہیں ہوتا اور قرأت میں حروف ادا نہیں ہو پاتے۔ شیطان اس چال سے عبادت کا اجر ضائع کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے مصلیٰ پر واجب ہے کہ وہ نماز کی ظاہری صورت یعنی قرأت، قیام، رکوع، وسجدہ وغیرہ ٹھیک طور پر ادا کرے، اور ساتھ ہی اس کی باطنی صورت یعنی خشوع، دل کی حضوری، کمال اخلاص اور قرأت و دعا پر غور و فکر کا بھی پورا لحاظ رکھے۔ نماز کا ظاہر بدن اور اعضاء کا حصہ ہوتا ہے، اور اس کا باطن دل اور باطن کا حصہ

لہ یہ صبیح حدیث ہے، اس کی تخریج ”المشکوۃ“ (۱۱۰۲) اور تخریج الترغیب (۱۷۴، ۱) میں موجود ہے۔

اور بندے کی اسی چیز کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے ۱۰

امام غزالیؒ نے نماز کی صرف ظاہری شکل درست کرنے والے کی مثال اس شخص سے دی ہے جو بادشاہ کے حضور مُردہ لوٹدی کا ہدیہ پیش کرے۔ اور ظاہری صورت میں تقصیر کرنے والے کی مثال اس شخص سے دی ہے جو ہاتھ پیرکٹی ہوئی لوٹدی کا ہدیہ پیش کرے۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کی خدمت میں دونوں طرح کے لوگوں کو رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ انھوں نے آگے لکھا ہے کہ: ہم اپنی نماز اللہ کے حضور ہدیہ کرتے ہو، لہذا اس طرح ہدیہ نہ کرو کہ سزا کے مستحق بن جاؤ۔

## ⑩ مخالف مسلک کے امام سے الگ ہو کر وتر پڑھنا

رمضان میں لوگ جس امام کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کرتے ہیں اسی کے پیچھے سب لوگ وتر بھی نہیں پڑھتے، بلکہ دوسرے مسلک والے اپنے وتر کی جماعت علیحدہ قائم کرتے ہیں۔ اس تقسیم کا اصل سبب یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تین رکعت وتر ایک سلام سے ہے، اور شافعیہ اسے دو سلام سے ادا کرتے ہیں۔ اب ہر مذہب کے مقلدین یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مذہب پر عمل کریں، اور یہ چیز ان کے ذہن میں نہیں آتی کہ صحیح احادیث ائمہ میں کہتا ہوں کہ نماز تراویح میں قرأت کی تخفیف اور ارکان میں خلل پیدا کرنا کسا ب سے بڑا سبب میں رکعت کی پابندی ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسی کا حکم دیا تھا، لیکن یہ غلط ہے، اس لئے کہ ان سے صحیح غیر شاؤند سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے وتر سمیت گیارہ رکعت کا حکم دیا تھا، اور صحیح وغیرہ میں یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ لوگ نماز تراویح کی تعداد کے بارے میں اگر سنت کی پابندی کریں تو ان شاء اللہ ان کی نماز درست ہو جائے گی۔ اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب ”صلوة التراویح“ جو طبع ہو چکی ہے۔“

حسن آثار سے دونوں طریقوں کی صحت ثابت ہے۔ اس طرح وہ ایک غلط فعل یعنی تقسیم جماعت کے مرتکب ہوتے ہیں اور مصیبتوں کے لئے تشویش کا سبب بھی بنتے ہیں صحابہ کرام کو اسی تقسیم سے بچانے کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک امام کے پیچھے انھیں اکٹھا کر دیا تھا اور آج اسی اجتماع کو اس طرح لوگ ختم کرتے ہیں۔ !!

میں نے اپنے ایک شافعی مسلک استاد کو دیکھا کہ وہ حنفی مسلک کے امام کے پیچھے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور امام کے قنوت نہ پڑھنے کی وجہ سے شافعی مذہب کے مطابق سجدہ سہو بھی نہیں کرتے تھے، وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ: مجھے آداب عبادت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ امام کی مخالفت کروں جبکہ اس کے طریقہ کے دلائل بھی صحیح ہیں۔ مجھے اپنے استاد رحمہ اللہ کی یہ بات اور ان کا یہ طریقہ بہت پسند آیا۔

زیلعی نے شرح کنز میں جو تفصیل بتائی ہے اس کی رو سے بھی یہ جائز ہے کہ حنفی وتر میں شافعی کی اقتدار کرے اور اسی کے مطابق پڑھے۔ اسی طرح شافعی کے لئے بھی درست ہے کہ وہ حنفی مذہب والے امام کی اقتدار میں وتر ادا کرے اور علیحدہ نماز نہ پڑھے۔

میں نے اپنی کتاب "الاوداد الماثورہ" میں وتر کی کیفیات پر بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعت ثابت ہے، جن میں سے ایک رکعت علیحدہ تھی۔ اور تین ایک سلام سے بھی ثابت ہیں، ہاں فضل والی روایات زیادہ صحیح ہیں لیکن اس سے

لے صحیح حدیثوں میں ایک سلام اور دو تشہد سے وتر کی نماز وارد نہیں، بلکہ ایک ضعیف حدیث اس باب میں وارد ہے جو ان صحیح حدیثوں کے خلاف ہے جن میں یہ صراحت ہے کہ تشہد اول کے لئے وتر میں بیٹھنا نہیں، اور ان حدیثوں کے بھی مخالف ہے جن میں یہ صراحت ہے کہ دو اور ایک کے مابین سلام ہے، اس کی تفصیل کے لئے میرا سابق رسالہ ملاحظہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود مخالف مذہب والے کی اقتدار کو میں ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اختلاف شرع ہے جیسا کہ ابن مسعود اور دیگر صحابہ کافران ہے۔



دوسری صورت کی نفی نہیں نکلتی۔ اس لئے فقہ کا فرض ہے کہ وہ روایت اور سنت نبوی پر نظر رکھے اور اس طرح کے اُمور میں جس وسعت کی ضرورت ہے اسے ختم نہ کرے۔ اسی طرح مصلیٰ کو بھی چاہیے کہ وہ امام کی پیروی کریں اور تعصب کی بناء پر اس کی مخالفت کی غلطی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے۔

## تیسری فصل

### امام کے آداب

#### ۱۔ کچھ فروعی مسائل

(۱)۔ تاجیکی نے معبد انعم میں لکھا ہے کہ: امام کو چاہیے کہ وہ مقتدیوں کو نماز میں اخلاص و عار میں عجز و انکسار، طہارت میں احتیاط، قرأت میں حسن، اور مسجد میں اول وقت حاضر ہونے کی نصیحت کرتا رہے۔ اگر لوگ اکٹھا ہو جائیں تو نماز شروع کر دے ورنہ انتظار کرے، نماز جب ادا کرے تو حتیٰ الامکان اچھی طرح ادا کرے۔ انتہی۔

(۲)۔ امام ابن عاشور کی نے لکھا ہے کہ: امام کے لئے شرط ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی پر قادر ہو، اگر کوئی ایسی صورت درپیش آجائے جس میں وہ اپنی ذمہ داری نہ ادا کر سکے تو دوسرے شخص کو نائب بنا کر پیچھے صف میں چلا جائے۔ امام کو نماز کے احکام و مسائل سے بھی واقف ہونا ضروری ہے، جو شخص احکام و مسائل سے واقف نہ ہو اور جسے قرآن یاد نہ ہو اس کی اقتدار صحیح نہیں۔ امام کو فاسق یا غلطی کرنے والا نہیں ہونا چاہیے، اور ایسا بھی نہ ہو کہ مقتدی اسے ناپسند کریں۔ مہول الحال یا ضعیف العقل نہ ہو، کسی بے حیائی کا الزام اس پر نہ ہو۔ مجذوم نہ ہو کہ لوگوں کو اس سے تکلیف ہو، امامت کے لئے کسی خاص

اجرت کی شرط نہ رکھے۔

(۳)۔ مسجد کا امام اور گھر میں سکونت پذیر، حاکم کے علاوہ سب سے زیادہ امامت کا مستحق ہے آزاد، غلام کے مقابلہ میں، شہری، دیہاتی کے مقابلہ میں، مقیم، مسافر کے، مینا، نابینا کے، مختون، غیر مختون کے، دو کپڑے والا، ایک کپڑے والے کے اور سرٹوٹھا، ہٹوا سر کھلے کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ خفہ دار ہے۔ ”زاد المستنفع“

(۴)۔ امام سے متصل مردوں کی صف ہونی چاہیے، پھر لڑکوں کی پھر عورتوں کی۔

(۵)۔ مسنون یہ ہے کہ ارکان کی ادائیگی کے وقت امام ملکی نماز پڑھائے، اور پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل ہو۔

(۶)۔ اگر عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے روکنے سے روکا جاتا ہے، لیکن اس کے لئے گھر افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

لَا تَمْنَعُوا امَاءَ اللَّهِ مَسْجِدَ اللَّهِ      اللہ کی بندویں کو مسجد سے نہ روکو، ان کا گھر  
وَمَيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَلَيْخُرْجُنَّ فَلَاتُ      ان کے لئے بہتر ہے، انہیں بغیر خوشبو نکالنا چاہیے  
رواہ الامام احمد والبوداؤد۔      اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اس طرح خوشبو لگا کر یا آرائش کا لباس پہن کر نکلنا ممنوع ہے۔

(۷)۔ امام سے پہلے اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ میں چلا جائے تو اسے پلٹ کر دوبارہ امام کے بعد رکوع اور سجدہ کرنا چاہیے کیونکہ امام سے سبقت حرام ہے اور اس پر سخت وعید آئی ہے۔

(۸)۔ رکوع یا آخری تشہد میں اگر امام کو یہ محسوس ہو کہ کوئی مسبوق جماعت میں شرکت کے

لئے یہ صحیح حدیث ہے، ابوہریرہ راوی ہیں لیکن ان کی روایت میں ”وَمَيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ الفاظ ابن عمر کی ایک روایت میں ہیں، دونوں کی تخریج ”صحیح ابی داؤد“ (۵۷۴، ۵۷۶) میں موجود ہے۔



لئے آ رہا ہے تو وہ تھوڑا سا انتظار کر سکتا ہے، لیکن اس میں مصلیوں کے مابین تفریق نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن جب نماز کے لئے اقامت ہو جائے تو ایسی صورت میں بالفاق انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔

(۹)۔ جس مسجد کی جماعت زیادہ ہو اس میں دو صورتوں کے علاوہ بقیہ حالات میں نماز ادا کرنا افضل ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ قریب والی مسجد کی جماعت اس سے متاثر ہو، ایسی صورت میں اس کم جماعت والی مسجد میں نماز افضل ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بڑی جماعت والی مسجد کا امام زیادہ بدعتی ہو، اس صورت میں بھی چھوٹی جماعت والی مسجد کی نماز افضل ہوگی۔

(۱۰)۔ مصلیٰ کے لئے منون ہے کہ ہمیشہ مسجد کے مقام پر نظر رکھے، البتہ نشہ کی حالت میں سبابہ انگلی کو دیکھے، اور کعبہ سے قریب ہو تو اس پر نظر رکھے۔  
(۱۱)۔ نماز کے بعد تَقَبَّلَ اللہُ مِنَّا وَمِنْكُمْ کہنا اور ہاتھ کو بوسہ دینا بدعت ہے حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۱۲)۔ محراب میں امام کا تفتق، تکبیر تحریمہ سے پہلے طویل قیام، صفوں کی درنگی سے پہلے محراب میں داخل ہونا اور دوسری رکعت میں پہلی سے طویل قرأت کرنا یہ سب بدعتیں ہیں۔

## ② تحیۃ المسجد کی منونیت

مسجد میں داخل ہونے والے شخص کے لئے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، البتہ خطیب جب خطبہ کے لئے مسجد میں داخل ہو تو وہ سیدھے منبر پر چڑھے۔

۱۵ صحیح حدیثوں میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (ناموالدین)

جائے، اسی طرح کراہت والے وقت میں بھی یہ نماز نہ پڑھے۔ ۱۵۔ اگر کوئی ایسے وقت مسجد میں آئے کہ امام آخری خطبہ میں ہو تو اس وقت بھی تختہ نہ پڑھے۔ کیونکہ اس سے جماعت کا ابتدائی حصہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ جب امام فرض نماز ادا کر رہا ہو اس وقت بھی یہ نماز نہ پڑھے، اور مسجد حرام میں طواف کے لئے داخل ہو تو اس وقت بھی نہ پڑھے۔

### ③ مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھانا

مسجد میں نماز یا اعتکاف کے لئے جو بیٹھ جائے اس کا نکالنا جائز نہیں، اسی طرح کسی اور مباح جگہ سے بھی اٹھانا جائز نہیں۔ البتہ دو صورتوں میں ہٹا سکتے ہیں، ایک یہ کہ جس جگہ وہ بیٹھا ہے وہ مفتی یا مدرس کے بیٹھنے کی جگہ ہو اور اسے سب لوگ جانتے ہوں۔ دوم یہ کہ جو جگہ کسی بیچنے والے کے لئے مخصوص ہے اس جگہ پر اگر دوسرا بیٹھ جائے تو اسے بھی وہاں سے ہٹا دیں گے۔

### ④ مصلیٰ کے آگے سے گزرنا

دو صورتوں کو چھوڑ کر مصلیٰ کے آگے سے گزرنا حرام ہے، اول یہ کہ پہلی صف میں جگہ رہ گئی ہو تو اسے پُر کرنے کے لئے مصلیٰ کے آگے سے جاسکتے ہیں۔ دوم یہ کہ ازدحام ہو۔ یہ امام غزالی کا قول ہے، نووی نے تفریق نہیں کی ہے، کافیہ میں ہے کہ اگر راستہ میں نماز پڑھ رہا

۱۵۔ خطبہ کی حالت میں تختہ مسجد پڑھنے میں کراہت نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیک عطفانی کو اس کا حکم دیا تھا، یہ حکم دوسرے سبھی بیٹھے والوں کو تھا، چونکہ خطبہ کے دوران فضل مشروع نہیں، اس لئے آپ کے امر کی بناء پر تختہ مسجد کا ثبوت ہوگا۔ (ناصر الدین)۔

ہو تو مکروہ نہیں ہے، اسی طرح حج کے ایام میں کعبہ کے گرد یا اندر نماز پڑھنے کی صورت میں جبکہ بھیڑ ہو۔

## ⑤ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا

جب کچی پیاز، یا لہسن، یا مولیٰ کھالے تو فوراً منہ صاف کئے بغیر مسجد میں نہیں جانا چاہیے کیونکہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے، اگر کسی مجبور می سے ایسا کرنا پڑے تو کوئی ہرج نہیں بہتقی نے سنن کبریٰ میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لہسن کھا کر مسجد میں آیا، ایک رکعت ہو چکی تھی میں بھی نماز میں شریک ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بو محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے پھل کھا کر بو ختم ہوئے بغیر مسجد میں نہیں آنا چاہیے، حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ پر رکھا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی، اُسے چھو کر آپ نے فرمایا کہ: تم معذور ہو سٹے۔

۱۵ میں کہتا ہوں کہ مکہ و مدینہ کی مسجدوں میں بغیر عذر شرعی مصلیٰ کے سامنے سے گزرنے کی کوئی دلیل نہیں، اکثر حجاج ایسا کرتے ہیں، ہمارے بہت سے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سلف مسجد حرام میں سترہ رکھتے تھے، یہاں ان کو ذکر کرنے کا موقع نہیں۔ (ناصر الدین)

۱۶ صحیح حدیث ہے، اس کی تخریج احمد (۴، ۲۹۰)، ابو داؤد (۲، ۱۴۷) اور ابن حبان (۲۱۹) نے بھی کی ہے، صحیح سند کے ساتھ بشرط مسلم۔

# باب دوم

مادی بدعتوں کے بیان میں

## پہلی فصل

بعض فروعی مسائل

### ① مسجدوں کی آرائش

ابوداؤد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ:

لَتَزْخَرُفْنَهَا كَمَا زَخَرَفَتِ الْيَهُودُ      یہود اور نصاریٰ کی طرح تم مسجدوں کو  
وَالنَّصَارَى      آراستہ کرو گے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو فرمایا کہ: لوگوں  
کو بارش سے بچانے کا انتظام کرو اور سرخ و زرد رنگ بھرنے کی کوشش نہ کرو۔

ایک فاضل نے لکھا ہے کہ: مساجد کی تزئین و آرائش اور قبوٹوں و دیواروں کی تعمیر پر  
اس وقت زرِ خیر خرچ کرنے کا جو رجحان لوگوں میں موجود ہے، تو کسی صاحب بصیرت

کو ان سے یہ کہنے کی جرأت بھی ہونی چاہیے کہ ان عمارتوں کو تعمیر کر کے مالدار لوگ عوام کو  
بدعات میں مبتلا کرنے کا جرم کر رہے ہیں، عبادتوں کی ظاہری شکل پر لوگوں کو قانع بنا رہے

ہے یہ صحیح حدیث موقوف ہے لیکن اسے مرفوع کا حکم حاصل ہے، اس کی تخریج صحیح السنہ

(۴۴) میں موجود ہے۔

ہیں جس طرح سابقہ اقوام نے ایمان کی روشنی کے بجائے عبادت گاہوں کو منور کرنے پر اکتفا کر لی، عبادت کے لئے ہونے والے اجتماعات میں ظاہری حسن و جمال اور سچ و سچ کو اہمیت دی گئی اور ان اجتماعات سے روحانیت کی تربیت کا جو عظیم مقصد پیش نظر تھا اسے نظر انداز کر دیا گیا۔

## ۲) ایک محلہ میں مسجدوں کی کثرت اور پرانی مسجد کی فضیلت

سیوطی نے ”الْأَسْرُ بِالِاتِّبَاعِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْإِبْتِدَاعِ“ میں لکھا ہے کہ بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک محلہ میں مساجد کی کثرت ہو، اس سے جماعت کا شیرازہ بکھرتا ہے اور عبادت کی رونق و دبذب میں کمی واقع ہوتی ہے، پرانی مسجد کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے اور شہرت و ریاکاری کے جذبے کی نمائش ہوتی ہے۔

”الافتناع“ اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ: اگر مسجد ننگ نہ ہو اور اس میں اجتماع کے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں اس سے متصل دوسری مسجد کی تعمیر حرام ہے۔

المنہتی کے اندر ہے کہ کسی مسجد سے قریب دوسری مسجد کی تعمیر اس کو ضرر پہنچانے کے خیال سے حرام ہے۔

امام ابن تیمیہ نے سورہ اخلاص کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سلف کے لوگ ضرر جیسی مسجدوں میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے، پرانی مسجد کو وہ لوگ نئی مسجد سے افضل جانتے تھے کیونکہ اس میں ضرر یعنی کسی کو نقصان پہنچانے کے خیال سے تعمیر کا شائبہ نہیں۔ مسجد کی قدامت قابل تعریف ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے لئے ”العتیق“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَبَيْكَةَ۔ یعنی لوگوں کی عبادت کیلئے تعمیر شدہ پہلا گھر وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ قدامت سے عبادت کی کثرت بھی لازمی ہے اور یہ فضیلت کی

زیادتی کی دلیل ہے۔ انتہی۔

## دوسری فصل

مَخْصُوصُ مَہینوں میں مَسَاجِدِ میں روشنی

① رَجَب کے پہلے جمعہ کی رات میں روشنی

مسجد اور اس کے مناروں پر اس رات میں روشنی کی رسم اس رات کی بدعتوں کا تقایا ہے، اس رات میں پہلے غنارہ اور مغرب کے مابین ایک نماز ”صلوۃ الرغائب“ کے نام سے پڑھی جاتی تھی، اس بدعت کو بہت عروج حاصل ہوا تھا، اس موقع پر مساجد میں چراغاں ہوتا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ جمع ہوتی تھی، گاؤں والے اس کا اہتمام کرتے تھے، عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا تھا جس سے بے شمار غریبیاں پیدا ہوتی تھیں۔ ابو شامہ نے ”أباحت“ میں لکھا ہے کہ: بعض لوگوں کو احیاء العلوم میں اس نماز کے ذکر سے دھوکا ہوا ہے، لیکن حفاظ حدیث نے اس سلسلہ کی مروی حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابو الخطاب کہتے ہیں کہ صلوۃ الرغائب کی حدیث کو وضع کرنے کی تہمت علی بن عبداللہ بن جہضم پر ہے۔ اسی طرح حسین بن ابراہیم نے بھی ایک حدیث وضع کی ہے جس میں غیر معمولی کذب و افتراء سے کام لیا ہے۔ ابو شامہ کہتے ہیں کہ: رجب اور شعبان کی نمازوں سے متعلق حافظ ابو الخطاب کے اس فتویٰ کی وجہ سے کہ وہ بدعت ہیں اور ان کی حدیث موضوع ہے، مصر میں سلطان الکامل محمد بن ابوبکر بن ایوب نے یہ حکم دیدیا تھا کہ ان نمازوں کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ سلطان کو اجبار سنت سے محبت اور بدعات سے نفرت تھی۔ انتہی۔

اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ رات کا چراغاں اسی بدعت کا تقایا ہے۔



## ۲) شعبان کی پندرھویں رات میں روشنی اور دعائیں

اس رات کی روشنی بھی بدعت کا بقایا ہے، ۸۷ھ میں ”ہزاری نماز“ کی بدعت ایجاد ہوئی تھی جس میں تسو رکعت میں ہزار مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھی جاتی تھی، یعنی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد تسلس بار۔ اس نماز کے لئے مخصوص طور پر روشنی کا انتظام کیا جاتا تھا اور ہزاروں لوگ جمع ہوتے تھے۔ اس میں جو مفسد ہونے لگے تھے ان کا تذکرہ بھی ابو شامہ نے کیا ہے۔ سلطان کامل کے حکم سے اس بدعت کا بھی خاتمہ ہوا۔ جزاء اللہ خیرا۔

ابو شامہ نے ابو بکر طوسی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن وضاح نے زید بن اسلم سے روات کی ہے کہ ہم نے اپنے کسی شیخ یا فقیہ کو نہیں دیکھا کہ شعبان کی پندرھویں رات پر کوئی توجہ دیتے ہوں، مکحول کی حدیث کو بھی وہ اہمیت نہیں دیتے تھے، اس رات کی ان کی نظر میں کوئی فضیلت نہیں تھی۔ انھوں نے کہا کہ ابن ابی ملیکہ سے کہا گیا کہ زیاد بنیری کہتے تھے کہ شعبان کی پندرھویں رات کا اجر لیلۃ القدر کی مانند ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اگر میرے ہاتھ میں لائٹھی ہوتی اور اسے یہ کہتا ہوا سنتا تو مار دیتا۔ زیاد و اعظ تھے۔

حافظ ابو الخطاب کا قول ہے کہ: مجہول افراد نے شعبان کی پندرھویں رات کی نماز کے

سلسلہ اپنی کتاب ”البدع والنبی عنہا“ میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے طریق سے، اور عبد الرحمن بہت ہی ضعیف ہے۔ یہ حدیث بطریق مالک بن یحیٰ عن معاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے۔

الفاظ یہ ہیں: یطعم اللہ الی خلقہ فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجميع خلقہ الا لشرك و مشاحن، اس کی تخریج ابن ابی عاصم نے السنۃ میں اور ابن حبان نے صحیح میں کی ہے اس کے رجال ثقہ ہیں اور حدیث صحیح ہے۔ اس لئے مصنف کا یہ قول کہ شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث نہیں، ناقابل توجہ ہے۔ ہاں اس سے بدعت کا جواز البتہ نہیں نکلتا۔

بارے میں موضوع حدیثیں گھڑ کر لوگوں پر تسکوت کی نماز کا بوجھ ڈال دیا ہے۔

علامہ جرح و تعدیل کا بیان ہے کہ پندرہویں رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔ اس لئے خیر اور نیکی کی دلیں سے مفسرین لوگوں کی موضوع حدیث سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ نیکی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشروع ہونا ضروری ہے، جس چیز کے بارے میں معلوم ہو کہ جھوٹ ہے اس کی مشروعیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایسی بُری بات پر عمل کرنے والے شیطان کے خادم شمار ہوں گے۔

اہل بدعت نے مجوسوں سے متاثر ہو کر اور دین کو کھیل تماشا بنانے ہوئے شعبان کی پندرہویں رات میں چراغاں اور آتش بازی کی جو بدعت ایجاد کی ہے اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں۔ شریعت میں یہ کھیل مجوسیت نواز لوگوں نے رائج کیا ہے۔ مجوسی لوگوں کا معبود آگ ہے۔ سب سے پہلے برامکہ کے عہد میں یہ چیز اسلام میں آئی۔ وہ لوگ پہلے آگ ہی کی پرستش کرتے تھے۔

اس موقع کی جو دعاء مشہور ہے وہ بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بعض مشائخ نے اسے مرتب کیا ہے؛ شہاب الدین احمد عینی نے اپنی کتاب "الفوائد فی الصلوات والاعوامد" میں لکھا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو جو دعاء پڑھی جاتی ہے اس کے بارے میں فقیہ ابو بکر بن احمد عیرانی ایک تخریر میں کہتے ہیں کہ یہ دعاء مجھ کو فقیہ علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی نے ۳۳۳ھ میں مدینہ شریف کے راستہ میں المار کرائی، اس کی ابتداء یوں ہے: اَللّٰهُمَّ يَا ذَا الْمَنِّ الخ۔

### ③ ماہِ رَمَضَانَ میں روئے رشتی

المدخل میں مذکور ہے کہ: زیادہ قند بلیں جلانے میں مال کی تضييع ہے خصوصاً جبکہ

اسے یہ حکم مطلق طور پر صحیح نہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ ناصر الدین۔

تیل وقف کا ہو، مزید یہ کہ اس سے لاخیرے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ لوگ اتنی زیادہ قندیلیں روشن کرتے ہیں کہ کوئی جگہ نہیں باقی رہتی۔ ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ علماء نے مصحف، منبر اور دیواروں کا چھونا اسی لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس طرح بت پرستی کے رجحان کی پرورش ہوتی ہے، چراغاں وغیرہ سے آتش پرستی کا رجحان قوی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ باطل مذہب والوں کے افعال سے پرہیز کریں۔ اور ان کے مخصوص لباس سے بچیں۔ اور مذکورہ بدعت میں بہت سی عورتوں، مردوں اور لڑکوں کا اجتماع ہوتا ہے، ان کی وجہ سے مسجد میں غلاظت جمع ہو جاتی ہے اور شور و شغب بڑھ جاتا ہے، ایک بدعت سے دوسری بدعت پیدا ہوتی ہے اور پھر حرام امور کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: قندیلوں کی غیر معمولی زیادتی سلف کے دور میں نہ تھی، اس میں مال کا ضیاع، اسراف، تکبر اور ریاکاری ہے۔ اگر تیل کو کسی شخص نے وقف کیا ہو اور بشرط لگائی ہو کہ اس سے قندیلیں روشن کی جائیں تو یہ بشرط باطل ہوگی۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَلَوْ كَانَ مِائَةً شَرْطٍ  
جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے  
خواہ تو شرط ہو۔

اس کا سبب علماء کی خاموشی اور یہ خیال ہے کہ اس طرح کے کاموں سے اسلامی شعائر کا اظہار ہوتا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

۱۰ اس سلسلہ کی حدیثیں مع تخریج ملاحظہ ہوں ہماری کتاب ”حجاب المرأة المسلمہ“ میں۔ (ناظرین)  
۱۱ صحیح حدیث ہے، اسی بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کی تخریج ”الاردارۃ“ (۱۲۹۶) میں مذکور ہے۔

مساجد میں اختلاط کے مفاسد کے بارے میں امام ابو شامہ کہتے ہیں کہ: یہ سب چراغاں کے سبب ہوتا ہے جسے عبادت تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ اللہ کی نافرمانی اور بدعت کی تقویت ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ حجاج عرفہ کے دن جبل عرفات پر اور یوم النحر کی رات میں شعر الحرام میں جو کچھ چراغاں وغیرہ کرتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے، اسے بھی روکنا چاہیے۔

## ④ عید کے دن چاشت کے وقت تک چراغوں کو جلانا

اکثر مسجدوں میں رمضان، شعبان کی چند راتوں میں، رجب کے پہلے جمعہ اور دونوں عیدوں کی رات میں صبح دیر تک روشنی رکھنے کی رسم ہے۔ یہ فعل مزید اسراف اور مال کے ضیاع کا سبب ہے، اس کے بدعت ہونے کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

میرے بعض اساتذہ جنہیں دمشق کی جامع مسجد میں اثر و نفوذ حاصل تھا، ان تندیوں کو صبح کے وقت بھجوا دیتے تھے، اگر دوسری مسجدوں میں بھی ایسا ہی ہوتا تو بہت بہتر ہوگا۔ ۳۳ھ میں بیروت میں میں نے دیکھا کہ سورج نکلنے ہی وہاں کی بڑی مسجد میں روشنی لگ کر دیتے ہیں، یہ بہت اچھا فعل ہے۔

## تیسری فصل

مَسْجِدُ کے اندر بعض تعبیرات

① مسجد کے کمرے اور کٹھن

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ: مسجد کے اندر کمروں اور کٹھنوں کی تعمیر بدعت ہے اس سے درج ذیل خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

- (۱)۔ مسجد کی پوری جگہ نماز کے لئے وقف ہوتی ہے، وہاں پر کچھ اور تعمیر کرنے سے مسلمانوں کی نماز کی جگہ غضب ہو جاتی ہے۔
- (۲)۔ اس سے صفیں کٹ جاتی ہیں۔
- (۳)۔ سنت کی مخالفت ہوتی ہے۔
- (۴)۔ مساجد کی آرائش لازم آتی ہے۔
- (۵)۔ نابینا اور مجبوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ پُرانے زمانے کے اندرونی کمروں میں مسجد اقصیٰ کا کمرہ ہے جو منبر کے کنارے ایک طرف ہے۔ دمشق کی جامع مسجد میں بھی منبر اور محراب کے گرد ایک بڑا کمرہ تھا جسے ۲۵۰ سالہ کے لگ بھگ حاکم دمشق کے حکم سے گرا دیا گیا۔ یہ کمرہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ ۳۰۰ سالہ میں جب بُرک بن عبداللہ نے معاویہ پر حملہ کیا تو اس میں کچھ اضافہ عمل میں آیا۔ ۳۰۰ سالہ ہی میں مروان نے مسجد نبوی میں ایک کمرہ تعمیر کرایا تھا۔ مسجدوں کی شمالی دیواروں میں جو پچھلے برآمدے اور چوڑے بنائے جاتے ہیں ان سے مذکورہ خرابیاں لازم آتی ہیں، اور اسی طرح ان کی وجہ سے مقتدی امام سے اوپنچے پڑ جاتے ہیں اور انفرادیت و علو پر لوگوں کو امتیازی طور پر مسجد میں رہنے کی جگہ مل جاتی ہے

## ⑤ قاری کے لئے مسجد میں مخصوص کرسی

۳۲۱ھ میں مصر اور اسکندریہ کے اپنے سفر کے دوران میں نے دیکھا کہ مسجد میں تقریباً ایک گز اونچی کرسی پر کوئی حافظ بیٹھ کر اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے بلند آواز سے قرآن کی آٹھ دس آیتیں تلاوت کرتا ہے، اس سے سنت پڑھنے والوں کو بہت خلل ہوتا ہے۔ ابن الحاج نے المدخل میں اس پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: مسجدوں

میں جو بڑی کرسی رکھی رہتی ہے کہ اس پر بیٹھ کر کوئی قرآن پڑھے، اس کی دوجہ سے کوئی ضرورت نہیں، ایک نوبہ کہ اس سے مصیبتوں کے نماز پڑھنے کی بہت سی جگہ گھر جاتی ہے دوسرے یہ کہ مسجد میں موجود لوگوں میں کوئی نماز پڑھنا رہتا ہے، کوئی ذکر و دعا میں مصروف رہتا ہے اور کوئی عورت فکریں رہتا ہے، بلند آواز سے قنوت کی وجہ سے ان سب لوگوں کو خلل ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بلند آواز سے قنوت سے منع بھی فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ:

لَا يَجْهَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ تَمَّيْنِ سَ بَعْضٍ، بَعْضُ كَ سَا مَنَ بَلَدٍ بِالْقُرْآنِ۔  
آواز سے قرآن نہ پڑھے۔

اس مسئلہ میں یہ کھلی ممانعت موجود ہے۔ انتہی۔

اسی طرح دمشق میں نماز کے اعلان کی غرض سے اقامت سے پہلے تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے ہیں، یہ بے بنیاد بدعت ہے۔ شیخ خلیل کے متن پر حاشیہ میں تحریر ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے پڑھنے والے کو مٹا دیا جائے گا اور اگر کوئی ہمیشہ ایسا کرے تو اسے مسجد سے نکال دیں گے، ورنہ آہستہ پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا کہ ایسا کرنے والے عام طور پر دنیا طلب ہوتے ہیں۔ اتقان کی پینتیسویں نوع میں بیہوشی نے لکھا ہے کہ: قرآن کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا مکروہ ہے۔ آجری نے عمران بن حصین سے مرفوعاً روایت کیلئے ہے کہ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللَّهَ بِهِ، جو قرآن پڑھے اس کے ذریعہ سے اللہ سے مانگے فَإِنَّهُ سَيَأْتِي قَوْمًا يَفْقَرُونَ الْقُرْآنَ کیونکہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن پڑھ یَسْأَلُونَ النَّاسَ بِهِ۔ لہ کر اس کے ذریعہ لوگوں سے مانگیں گے۔

لہ یہ صحیح حدیث ہے۔ ترمذی وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے، اس کے بہت سے شواہد ہیں، جن کی تخریج میں نے ”الصمیمہ“ (۲۵۷) میں کی ہے۔



# باب سوم

مَسَاجِدُ مِیں دُعَا، اذکار اور قِصُوں کے بَیَان مِیں

## پہلی فِصل

مسجد میں سماع

①

امام ابن الحجاج نے ”المدخل“ میں سماع کی بحث کے ضمن میں لکھا ہے کہ: سماع کے سلسلہ میں بڑی زیادتی یہ ہے کہ بعض لوگ اسے مسجد میں کرتے ہیں، حالانکہ سلف صالحین مساجد کا جو احترام کرتے تھے ہم اسے بتا چکے ہیں، سماع تو بڑی بات ہے وہ لوگ مسجد میں بلند آواز سے ذکر و دعا کو بھی مکروہ سمجھتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسجد میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

مَنْ نَشَدَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَوَّالٌ  
لَا رَدَّ هَا لِلَّهِ عَلَيْهِ  
جو شخص مسجد میں گشدہ چیز ڈھونڈھے تو تم اس کو بددعا دو کہ خدا تمہاری چیز واپس نہ کرے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں قرطبی سے نقل کیا ہے کہ: بہت سے بھلائی کی طرف منسوب لوگوں پر شہوانی نفوس کا غلبہ ہو گیا ہے، جس سے ان میں سے اکثر لوگوں سے دیوانوں اور بچوں کی حرکات کا ظور ہوتا ہے، مختلف حرکات و انداز سے رقص کرتے ہیں۔ بعض تو شومی قسمت سے اسے تقرب اور نیکی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ خرافات سے کم نہیں۔ انتہی ملے صحیح حدیث ہے، اسے سلم وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے اس کی تخریج ”صحیح سنن“ (۴۹۲) میں موجود ہے

بیوطی کی کتاب ”الامر بالاتباع والنبی عن الابتداع“ میں لکھا ہے کہ: بدعات سے مساجد میں قص و غنار اور رباب و دف وغیرہ بجا نا ہے، مسجد میں ایسا کرنے والا بدعتی، گمراہ، اور قابل ضرب و اخراج ہے، کیونکہ وہ خدا کے حکم کی بنا پر قابلِ تعظیم چیز کی توہین کا مرتکب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِي بُيُوتِ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَ يُذَكَّرَ بِهَا اسْمُهُ (النور - ۳۶) ان گھروں میں جن میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ اُس کے نام کو پُکارا اور یاد جائے۔  
اللہ کے گھر سے مسجدیں مراد ہیں اور ذکر سے تلاوتِ قرآن۔

## ② ذکر میں اللہ کے لفظ کی تبحر ملی

امام سید محمد وفان ناصر الدین قرانی نے اپنی کتاب ”الادلة القاطعة فی الرد علی المنتسبۃ والمطاوعة“ کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ: مجاورین و مطاوعۃ کی تردید سب سے بڑی عبادت ہے کیونکہ یہ لوگ بہت سی بدعتوں اور ناپسندیدہ امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مثلاً قیام و قعود اور سونے لکے اوقات میں اپنے پیچھے بے ریش لڑکوں کو بٹھائے رہتے ہیں حالانکہ یہ چیز سلف سے منقول نہیں بلکہ علماءِ اربعہ ریش لوگوں کی جانب شہوت سے دیکھنے کو حرام اور بلا شہوت دیکھنے کو مکروہ مانتے ہیں۔

ان لوگوں کی ایک ناپسندیدہ حرکت یہ ہے کہ دوسروں کے یہاں سے دوپہر اور رات کا کھانا کھاتے ہیں، شہروں کا چکر لگاتے ہیں اور ناحق لوگوں کا مال کھاتے ہیں، حالانکہ دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرنے کی سخت وعید آئی ہے، حاکم کی ایک روایت میں ہے:

أَطْلَبُوا اللَّهَ نَبِيًّا بِالْحَرَفِ وَلَا تَطْلُبُوهَا دُنْيَا كُوحَرَفَتْ سَعْلُكَ كَرُو، دین سے نہیں

بِالدِّينِ، فَإِنَّ الدِّينَ لِيْ خَاصًّا      کیونکہ دین میرے لئے خاص ہے،  
وَلِيْ لِّمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِالدِّينِ      اس کے لئے بڑی خرابی ہے جو دنیا کو  
وَلِيْ لِّهٖ۔      دین کے ذریعہ طلب کرے۔

ان کی ایک ناپسندیدہ حرکت یہ بھی ہے کہ ذکر کے وقت میں ناچتے ہیں اور زانی بجاتے  
ہیں جیسا کہ گاؤں پر سنتوں کی عادت ہے، ان حرکتوں کی نزدیک و مذمت میں علماء نے بہت کچھ  
لکھا ہے، میں طوالت کے خوف سے ان کے فتاوے نقل نہیں کر رہا ہوں، اہل بصیرت  
کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام میں بھی تبدیلی کر دیتے ہیں بعض لوگ ”اموہ“ کہتے ہیں بعض  
لوگ ”اؤہ“ اور بعض لوگ ”آن آن“ ایسا کرنا نہ تو ذکر ہے، نہ اس میں کوئی ثواب ہے۔  
سیدی زین الدین مصطفیٰ سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا لفظ ”اللہ“ کے تمام حروف کی واضح ادائیگی  
ضروری ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب تک انسان ہوش و حواس میں ہو اسے صحیح  
تلفظ کرنا چاہیئے، البتہ اگر بے اختیار ہو جائے تو پھر کوئی حرج نہیں، واللہ اعلم، انتہی۔  
بعض علماء نے درج ذیل اشعار میں یہ وضاحت کی ہے :

وَمِنْ شُرُوطِ الذِّكْرِ أَنْ لَا يَسْقُطَ      بَعْضُ حُرُوفِ الْكَلِمَةِ أَوْ يُفَرِّطَ  
فِي الْبَعْضِ مِنْ مَّنَاسِلِ الشَّرِّ لِيَعْتِ      عَمْدًا فِتْنَتَكَ بِدَعَا شَيْئِعَةٍ  
(ذکر کی شرط یہ ہے کہ اذکار مشروعہ میں قصد کسی حرف کو حذف نہ کیا جائے، نہ کسی طرح  
کی تقصیر کی جائے، کیونکہ ایسا کرنا بہت بُری بدعت ہے)

لے یہ حدیث بہت غریب ہے، حاکم کی جانب اس کی نسبت محل نظر ہے، یہ مستدرک میں مجھے  
نہیں ملی، حالانکہ حاکم کی طرف مطلق نسبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث مستدرک میں موجود ہو، اسے  
سیوطی نے ”جامع کبیر“ میں بھی ذکر نہیں کیا ہے۔

وَالرَّقْصُ وَالصَّوْخُ وَالتَّصْفِيقُ عَمَدَ أَبْذِ كَرِ اللَّهُ لَا يَلِيْقُ

قصداً ناچنا، پیچنا، اور تالی بجانا ذکر الہی کے شایان شان نہیں۔

وَأَسْمَاءُ الْمَطْلُوبُ فِي الْأَذْكَارِ الَّذِ كَرُ بِالْخُشُوعِ وَالْوَقَارِ

اذکار میں مطلوب یہ ہے کہ خشوع اور وقار سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے

وَعَبِيرٌ ذَا حَرَكَتٍ نَفْسِيَّةٌ الْأَسْعَ الْعَلْبَةِ الْقُويَّةِ

اس کے علاوہ سب لفظی حرکت ہے، البتہ کوئی مغلوب ہو تو اس کی بات الگ ہے۔

فَوَاجِبٌ تَنْزِيهِهِ ذِكْرُ اللَّهِ عَلَى اللَّيْبِ الذَّاكِرِ الْأَذَاكِرِ

عقل مند اور پُر خشوع اذکار کا فرض یہ ہے کہ ذکر الہی کو خرافات اور

عَنْ كُلِّ مَا يَفْعَلُهُ أَهْلُ الْبِدْعِ وَيَقْتَدِي بِفَعْلِهِ أَرْبَابُ الْوَرَعِ

بدعت کے کاموں سے پاک رکھے اور پرہیزگاروں کی پیروی کرے

فَقَدْ رَأَيْنَا فَرْقَتَهُ أَنْ ذَكَرُوا ابْتَدَعُوا أَوْ رُبَّمَا قَدْ كَفَرُوا

ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ذکر میں بدعت اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں

وَصَنَعُوا فِي الذِّكْرِ صُنْعًا مُنْكَرًا صَعْبًا فَجَاهَدَ هُمْ جِهَادًا أَكْبَرًا

ذکر میں یہ لوگ بہت بُری بُری حرکتیں کرتے ہیں، ان سے جہاد اکبر کرنا چاہیے۔

خَلَوْا مِنْ إِسْمِ اللَّهِ حَرْفِ الْهَاءِ فَالْحَدُّ دَانِيٌّ أَعْظَمُ الْأَسْمَاءِ

اللہ کے لفظ سے حرف ہاء نکال کر انھوں نے الحاد کا ارتکاب کیا ہے

لَقَدْ أَتَوْا وَاللَّهِ شَيْئًا إِذَا تَخَرَّ مِنْهُ الشَّامِخَاتِ هَذَا

ان کی یہ حرکت اتنی قبیح ہے کہ اس سے پہاڑ گر سکتے ہیں۔

وَالْأَلِفُ الْمَحْدُوتُ قَبْلَ الْهَاءِ قَدْ اسْقَطُوا وَهُوَ ذُو خَطَايَا

ہاء سے پہلے کا الف ساقط کر کے انھوں نے بڑی غلطی کی ہے۔

وَعَرَّهْمُ اسْقَاطُهُ فِي الْخَطِّ فَكُلُّ مَنْ يَسْتَرْكُهُ فَخَطِّ

کتابت میں الف نہ لکھنے سے انھیں دھوکا ہوا، حالانکہ تلفظ میں اس کو ترک کرنا غلط ہے

فَقَدْ غَيَّرُوا اسْمَ اللَّهِ جَلَّ وَعَلَا وَزَعَمُوا أَنَّهُ لَمْ يَلَمْ الْعَلَا

انھوں نے اللہ تعالیٰ کا نام بدل کر اعلیٰ مرتبوں کے حصول کی امید لگائی ہے۔

آگے لکھتے ہیں :

مَنْ كَانَ فِي نَيْلِ الْكَمَالِ رَاجِيًا وَعَنْ شَرِيعَةِ الرَّسُولِ نَائِبًا

جو شریعت رسول سے دور رہتے ہوئے کمال کے حصول کی امید رکھے

فَنَائِبُهُ مُلْبَسٌ مَفْسُورٌ وَعَقْلُهُ مُخْبَلٌ مَجْنُونٌ

وہ شبہ اور فتنہ کا شکار ہے اس کی عقل غائب اور جنون زدہ ہے

هَذَا مُحَالٌ لَا يَصِحُّ أَبَدًا لِأَنَّ سَيِّدَ الْوَرَى بَابُ الْهُدَى

یہ محال ہے، ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ ہدایت کا دروازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ السَّادَةِ الصُّوفِيَّةِ مَقَالَةٌ جَلِيلَةٌ صَفِيَّةٌ

بعض حضرات صوفیہ نے بڑی عمدہ اور وزن دار بات کہی ہے۔

إِذَا رَأَيْتَ رَجُلًا يَطِيرُ أَوْ فَوْقَ مَاءِ الْبَحْرِ قَدْ يَسِيرُ

اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو

وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَ حُدُودِ الشَّرْعِ فَنَائِبُهُ مُسْتَدْرِجٌ وَبَدْعِي

اور وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو بلاشبہ وہ بدعتی ہے اور خدا کی طرف سے اسے ڈھیل ملی ہے

وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْإِنْفِ وَالصَّوَابِ يَعْرِفُ بِالسَّنَةِ وَالْكِتَابِ

جھوٹ اور سچ کا فرق کتاب و سنت کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتا ہے

وَالشَّرْعُ مِيزَانُ الْأُمُورِ كُلِّهَا وَشَاهِدُ لِقُرْعِهَا وَأَصْلُهَا

شریعت ہی تمام امور کا پیمانہ اور اصل و فرع کے لئے شاہد ہے۔

## (۳) مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ: خطبہ وغیرہ کی حالت میں مسجد میں آواز بلند کر نیوالے کو روکنا چاہیئے، کیونکہ مسجد میں آواز بلند کرنا بدعت ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جَنَّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صَيَانَكُمْ وَمَجَانِبَكُمْ  
وَحُصُومَاتَكُمْ وَبَيْعَكُمْ وَشُرَائِكُمْ  
وَسَلَّ سَيُوفَكُمْ وَرَفَعَ أَصْوَاتَكُمْ  
وَإِقَامَةَ حَدُودِكُمْ وَجَمْرُوهَا  
أَيَّامَ جُمُعَتِكُمْ

مسجدوں سے اپنے بچوں، دیوانوں،  
جھگڑوں اور بیع و شراعت کو دور رکھو، اس  
میں تلوار نہ کھینچو، آواز نہ بلند کرو، حد  
نہ قائم کرو، اور جمعہ کے دن  
دھونی دو۔

انھوں نے مزید لکھا ہے کہ: نماز سے پہلے یا بعد میں یا نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسجد کے اندر جماعت کی شکل میں ذکر کرنے والوں کو روکنا چاہیئے، اس لئے کہ اس سے دوسروں کو خلل ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ:

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ ۞ نقصان اٹھانا یا پہنچانا جائز نہیں۔  
اس لئے خلل کے تمام کام ممنوع ہوں گے۔

ابن حجر نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: زکشی کہتے ہیں کہ تلبیہ کے علاوہ تمام اذکار میں آہستگی مسنون ہے۔ ازری کا قول ہے کہ امام شافعی نے جہر کی حدیثوں کو تعلیم کی ضرورت پر محمول کیا ہے۔ "العیاب" میں ہے کہ: دُعا اور ذکر آہستہ کرنا مسنون ہے، امام کے سلام کے بعد

۱۷ اس حدیث کی اسناد بہت ضعیف ہے، اس کی تخریج "الاجوبۃ النافۃ" ص ۵۵، اور "الاروار" (۲۳۲۲) میں موجود ہے۔ ۱۸ یہ حدیث مجمع طرق صحیح ہے، جیسا کہ سابقہ ماخذ (۸۸۸) اور "الصیغۃ" (۲۵۰) میں میں نے بیان کیا ہے۔



مقتدیوں کی تعلیم کے لئے جہر کی اجازت ہے، جب وہ لوگ سیکھ لیں تو پھر آئینہ پڑھنا چاہیے۔  
 ”الجامع الکبیر“ میں ابن مبارک نے عبید اللہ بن ابی جعفر کی یہ مثل روایت ذکر کی ہے:

مَنْ أَجَابَ دَاعِيَ اللَّهِ وَاحْسَنَ عِمَارَةَ اللَّهِ كَے منادی کو قبول کرنے اور مسجد

السَّاجِدِ، قَالَ: لَا يَرْفَعُ فِيهَا کی اچھی تعمیر کرنے والا کون ہے؟ فرمایا

صَوْتًا وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهَا بِرَفْثٍ لہ کہ جو اس میں آواز بلند نہ کرے اور یہودہ بات نہ بولے

ترمذی و نائی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَأَيْتُمُوهُ يَشْدُ شَعْرًا فِي جِسْمِهِ مَسْجِدٍ مِیں تم شعر پڑھتے ہوئے دیکھو

الْمَسْجِدِ فَقُولُوا فَضَّ اللَّهُ فَاقَ تو کہو کہ تمہارے دانت جھڑ جائیں۔ جسے

ثَلَاثًا، مَنْ رَأَيْتُمُوهُ يَنْشُدُ گندہ چیز مسجد میں ڈھونڈتے ہوئے دیکھو تو

ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا وَجْدَ کہو کہ تمہیں وہ چیز نہ ملے، جسے مسجد

ثَلَاثًا، وَمَنْ رَأَيْتُمُوهُ يَبِيعُ أَوْ میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو

يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا رِبْحَ تو کہو کہ تمہاری تجارت میں خدا

اللَّهُ تِجَارَتِكَ۔ لہ نفع نہ دے۔

ان وعیدوں اور بد دعاؤں پر ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے جو مسجد میں غلط سلطہ قصیدے

پڑھتے ہیں، جب مسجد میں گندہ شئی کے بارے میں آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں تو بلا ضرورت

لہ مثل ہونے کا بنا پر ضعیف ہے۔

لہ اس کی اسناد بہت ضعیف ہے، یہ ابو ہریرہ کی حدیث نہیں، نہ اسے ترمذی و نائی نے ان الفاظ کے

ساتھ ذکر کیا ہے، بلکہ اسے طبرانی نے ابو عبد الرحمن ثوبان سے بیکمزد سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اسکی تفصیل

”الاحادیث الضعیفہ“ (۲۱۳۱) میں مذکور ہے، ہاں ابو ہریرہ سے مرفوعاً جو روایت ثابت ہے اس میں

پہلا کلمہ انہیں ہے، ”الارواء“ (۱۲۹۵) میں اسکی تخریج موجود ہے۔

نور اور خلل پیدا کرنے والوں کو کیسے اجازت مل سکتی ہے؟ امام بخاری نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا، مجھے حضرت عمرؓ نے کنکری مار کر منوجہ کیا اور کہا کہ جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ، میں لے کر آیا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ طائف سے آئے ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر اس شہر کے ہوتے تو تم کو میں بہت مازنا، مسجد نبویؐ میں تم آواز بلند کرتے ہو، غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں آواز بلند کرنے پر کس طرح تنبیہ کی اور مارنے کی دھمکی دی۔

امام مالک اور بیہقی نے سالم بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کے بازو میں بطیمار نام کا ایک چبوترہ بنا دیا تاہم شعر پڑھنے والے اور آواز بلند کر نیوالے اسی چبوترے پر چلے جاتے تھے۔ ۱۷

## ④ وقت سحر کی تحقیق اور درود پڑھنے والوں پر تنقید

بہت سے لوگ اس لفظ کا اصلی معنی نہیں سمجھ پاتے۔ لغت میں اس لفظ کا اطلاق رات کے آخری اور دن کے ابتدائی حصہ پر ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ”اصیل“ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے دن کا آخری حصہ۔ ان دونوں الفاظ کو وقت کی پاکیزگی اور ہوا کی صفائی کے لئے ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔ امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ: ”سحر“ کا معنی ہے آخری رات کی تاریکی کا دن کی روشنی سے ملنا، اس لفظ کو وقت کا نام بنادیا گیا ہے۔ زمرخشی کہتے ہیں کہ: اس وقت کو سحر کے نام سے بطور استعارہ موسوم کیا گیا ہے ۱۸ اسے مالک نے مؤطا (۱: ۱۷۵، ۹۳) میں بغیر اسناد روایت کیا ہے، اور بیہقی (۱۰: ۱۰۳) نے اسے بطریق ابو النضر عن سالم بن عبد اللہ موصولاً روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن سالم اور عمر کے مابین انقطاع ہے

کیونکہ وہ رات کے جانے اور دن کے آنے کا وقت ہے، یعنی صبح کے سانس لینے کی گھڑی ہے؛ اس توضیح کے بعد بعض عابدوں کے اس خیال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے کہ سحر کا وقت فجر کے ایک دو گھنٹے پہلے کا وقت ہے۔ اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ کچھ اوراد و وظائف لوگوں نے متعین کر کے مذکورہ وقت میں پڑھنے کا سلسلہ شروع کر لیا ہے۔ ہاں ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز سے قریب ہو اس کو اسی کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے اور اسی کا حکم بھی اس پر لگاتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص فجر سے اتنی پہلے بیدار ہو کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے پھر اول وقت یعنی غلے میں فجر کی نماز پڑھے تو اس کے بارے میں یہ کہیں گے کہ سحر زندہ دار ہے، اسے اس کا ثواب ملے گا بشرطیکہ وہ استغفار کرے نماز پڑھے اور خشوع و خضوع اپنے اوپر طاری رکھے۔ لیکن یہ خیال کہ اس فضیلت کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو مذکورہ اوراد پڑھتے ہیں، اس لفظ کے لغوی و شرعی مفہوم سے غفلت کی دلیل ہے۔

مسجد میں سحر کے وقت والا درود پڑھنے والے دو حیثیتوں سے قابل تنقید ہیں۔ اول یہ کہ جہری قرأت اور ذکر دوسرے مصیبتوں اور ذاکروں کے لئے تشویش و تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ سحر کا ورد کرنے والے کبھی کبھی اپنے امام کے ساتھ مقررہ امام سے پہلے علیحدہ نماز پڑھ لیتے ہیں جس سے جماعت میں تفریق اور باہمی اتحاد کو ٹھیس پہنچتی ہے مقررہ امام سے علیحدہ نماز ادا کرنے کے مفساد پر میں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

بعض لوگ جلد بازی میں فجر کی اذان ختم ہونے سے قبل سنت شروع کر دیتے ہیں، پھر موجودہ لوگوں کو لے کر نماز شروع کر دیتے ہیں کبھی کبھی ان کی صف مقررہ امام کی جماعت والی صف سے مل جاتی ہے، جیسا کہ رمضان میں جامع اموی میں ہوتا ہے۔ اس بارے میں جب کچھ کہا جاتا ہے تو لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے مشائخ کو ایسا ہی کرتے

ہوئے دیکھا ہے، اور ان کا علم و تقویٰ ہم سے زیادہ تھا۔ ان میں سے بعض فقیہ شافعیہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ مقررہ جماعت سے پہلے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ میں نے مذکورہ رسالہ میں اس قول کی غلطی کو واضح کیا ہے۔ ابن حجر نے بھی اپنے فتویٰ میں اس قول کی تردید کی ہے۔ مزید برآں ہم یہ کہیں گے کہ کسی مذہب کا ایسا قول جو امام سے منقول نہ ہو اس کا مذہب نہیں بن سکتا بلکہ وہ فائل کی رائے ہوگی۔ اس وقت کتاب الام طبع ہو چکی ہے، شافعی کے مقلدین کو اس کے مندرجات سے استدلال کرنا چاہیے۔ جو باتیں اس میں مذکور نہیں ہیں ان کا اعتبار کرنا غلط ہے، کیونکہ مقلد کی تقلید جائز نہیں، اصول کے مطابق صرف مجتہد کی تقلید ہو سکتی ہے۔

### ⑤ میلاد پر پڑھے جانے والے اذکار

ربیع الاول کی بارہویں رات کو کچھ مسلمان جشن و تقریب مناتے ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں، ان کے خیال میں اسی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی (متنوع اقوال میں ایک قول یہ بھی ہے)۔ امام ابن الحاج نے المدخل میں مجلس میلاد کے موقع پر پڑھی جانے والی چیزوں کی بدعتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اسے ملاحظہ کرنا چاہیے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں ایک سوال ہے کہ ایک شخص ہر سال میلاد نبوی کی رات ایک ختم کرتا ہے، یہ مستحب ہے یا نہیں؟ شیخ الاسلام نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ: کھانے کے لئے عیدین اور ایام تشریق میں جمع ہونا سنت ہے، یہ سہ میرا قول ہے کہ: زیادہ صحیح ہے کہ آپ کی ولادت ربیع الاول کی نویں تاریخ کو ہوئی ہے، جیسا کہ بعض معاصر علماء کی تحقیق ہے۔

(ناصر الدین)

اسلامی شعار ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے مننون قرار دیا ہے۔ رمضان کے مہینہ میں کھانا کھلا کر فقرار کی مدد کرنا بھی اسلامی طریقہ ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

مَنْ فَطَرَ صَائِمًا فَلَهُ مِثْلُ  
روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار  
اجر ہے۔

محتاج قاریوں کی قرآن پر مدد کرنا بھی ہمیشہ نیک عمل مانا گیا ہے۔ ان کی مدد کرنے والے ان کے اجر میں شریک ہیں لیکن شرعی مناسبتوں کے علاوہ کوئی اور مناسبت مقرر کرنا مثلاً ربیع الاول کے مہینہ میں عید میلاد النبی، یا رجب کی کسی رات یا اس کے پہلے جمعہ یا ذی الحجہ اور شوال کی آٹھویں تاریخ کا کوئی اہتمام کرنا بدعت ہے، ان سب کاموں کو نہ تو سلف نے مستحسن بتایا ہے نہ خود کیا ہے۔ انتہی۔

انہوں نے اپنے ایک دوسرے فتویٰ میں لکھا ہے کہ: عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے ہوئے گانے یا ناچنے کا اہتمام کرنا اور اسے عبادت سمجھنا بلاشبہ ایک منکر کام ہے اسے جاہل یا زندیق کے علاوہ کوئی اچھا نہیں سمجھ سکتا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے ذکر و تلاوت کے لئے بقصد تعظیم و محبت اکٹھا ہونا چونکہ ایک اچھا ارادہ ہے اس لئے اس پر ثواب کی امید ہے۔ انتہی۔

میں نے اس شذرہ کے خاتمہ پر جس کا موضوع سیرت نبوی ہے، ولادت نبوی کا واقعہ درج کیا ہے، اس سلسلہ کے اقوال پر تنقید کی ہے اور اس موقع کی بدعتوں پر متنبہ کیا ہے۔

لہ یہ صحیح حدیث ہے، اس کی تخریج "المشکوٰۃ" (۱۹۹۲) میں ہے۔ اسے ابن خزیمہ

(۱: ۲۱۳، ۱) اور ابن حبان (۸۹۵) نے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ شذرہ مصر سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

عید میلاد کا جشن منانے کی بدعت کا تاریخی جائزہ بھی لیا ہے، شائقین اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

## ⑥ دُنیاوی بات چیت کیلئے مسجد میں حلقہ بنانا

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ: دُنیاوی معاملہ کی اور لوگوں کے ساتھ پیش آنیوں اور اتفاقات کی بات چیت کے لئے لوگ اگر مسجد میں اجتماعی صورت میں بیٹھیں تو انہیں اس سے روکنا چاہیئے۔ ابن الحاج نے اس موضوع سے متعلق مختلف آثار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: مسجد میں صرف نماز، تلاوت، ذکر و فکر یا تعلیم و درس کے لئے بیٹھا جاسکتا ہے۔ ان کاہنوں میں آواز اس طرح بلند نہ ہونی چاہیئے کہ دوسرے مصلیوں یا ذکر و تلاوت کو خلل ہو۔ ابن جبان نے ابن سعود سے اور حاکم نے انس سے روایت کی ہے (اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد مرفوع کہا ہے) کہ:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُحَلِّقُونَ فِي مَسَاجِدِهِمْ وَلَيْسَ هُمْ إِلَّا الدُّنْيَا وَلَيْسَ لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ فَلَا تَجَالِسُوهُمْ  
ایک زمانہ آئے گا جب لوگ مسجدوں میں حلقہ لگا کر بیٹھیں گے، ان کا مقصد صرف دُنیا ہوگی۔ اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔

## ⑦ صفر کے آخری بدھ کی رات میں سلام کی آیات لکھنا

ماہ صفر کے آخری بدھ کو بعض مسجدوں میں مغرب اور غشاء کے مابین بہت سے لوگ اکٹھا ہو کر کسی کاتب کے گرد حلقہ بنا لیتے ہیں جو انبیاء کرام پر سلام کی ساتوں آیتیں کسی کاغذ پر یہ حدیث حسن ہے، اس کی تخریج ”الصیغۃ“ (۱۱۶۳) میں موجود ہے۔



پر لکھتا ہے جسے لوگ برتن میں رکھ لیتے ہیں اور اس کا پانی پیتے ہیں۔ اس کا غذ کے بارے میں لوگوں کو بہت عقیدت رہتی ہے اور اسے دوسروں کو ہدیہ دیتے ہیں۔ میرے خیال میں گنڈے تعویذ والے مشائخ کے سوا اور کوئی اس رسم کا قائل نہیں۔ اس طرح کے عقیدے سے بہت سی بدفالی اور نیک نالی کا تصور پیدا ہوتا ہے، حالانکہ مسلمانوں کو اس سے بے نیاز رہنا چاہیے۔ دمشق میں اس بدفالی کی نظیر یہ ہے کہ لوگ بدھ کے دن کسی مریض کی عیادت نہیں کرتے، بظاہر ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ:

يَوْمُ الْأَرْبَعَاءِ يَوْمٌ نَحْنُ مُسْتَمِرُّونَ ۖ

بدھ کا دن مستقل غور سے کا دن ہے۔

اس حدیث کو صاف غالی اور ابن الجوزی نے موضوع بتایا ہے۔

سناو می کہتے ہیں کہ: بدھ کی فضیلت یا اس سے نفرت کی تمام حدیثیں لغویں۔ لوگوں کی خرافات میں سے یہ قول بھی ہے کہ: جو بدھ کو کسی مریض کی عیادت کرے گا اسے جموات کو اس کی زیارت کرنی ہوگی، یعنی قبرستان جا کر۔ خدا ہمیں جاہلوں میں داخل ہونے سے بچائے۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الطَّيْرَةُ شَرُّ لَكَ ۖ

بدھ کی شرک ہے۔

طبرانی نے عمران بن حصین سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کہتا ہوں کہ اسی طرح کی یہ حدیث بھی ہے: ”آخر اربعاء فی الشهر یوم نحن مستمرون“ اس کی تخریج ”الضعیفہ“ (۱۵۸۱) میں ہے۔ ہماری کتاب ”ضیف الجامع الصغیر و زیادہ“ میں یہ تیسری حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ ”صحیح الجامع الصغیر و زیادہ“ کے ساتھ اس کتاب کی طباعت کا سامان مہیا فرمائے۔

۷ صحیح حدیث ہے اس کی تخریج ”الحلال والحرام“ (۳۰۱) اور ”الصیغۃ“ (۴۲۹) میں موجود ہے۔

وہم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ وَلَا مَنْ تَطَيَّرَ لَهُ  
أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ تَكَلَّمَ لَهُ، أَوْ سَحَرَ  
أَوْ سُحِرَ لَهُ  
وہ شخص ہم سے نہیں جو بدفالی لے یا جس کے  
لئے بدفالی لی جائے۔ اور جو کہانت کرے  
یا جس کے لئے کہانت کی جائے، اور جو جادو کرے  
یا جس کے لئے جادو کیا جائے۔

امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَدَّتْهُ الطَّيْرَةُ عَنْ حَاجَتِهِ  
فَقَدْ أَشْرَكَ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ  
وَمَا كَفَّارَةُ ذَلِكَ؟ قَالَ يَقُولُ:  
اللَّهُمَّ لَا طَيْرَةَ إِلَّا طَيْرُكَ وَلَا  
خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ  
بدفالی جس کو کسی کام سے روک دے وہ  
مشک ہے، صحابہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ  
اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کہے:  
اے اللہ! سب خیر و شر سب تیرے ہاتھ میں  
ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوداؤد نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا عَدُوَّ وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ  
وَلَا صَفَرَ  
چھوت چھات، ہامہ، پھتر اور صفر کی  
کوئی حقیقت نہیں۔

اسے شیخین نے بھی مختصر روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

لَا عَدُوَّ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ  
چھوت چھات، ہامہ اور صفر کی کوئی

حادثہ ہے اس کی تخریج "الاحوال والحرام" (۵۸۷) میں موجود ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کی

تخریج "الصیغہ" (۱۰۶۵) میں ہے۔ اس کی تخریج ابوداؤد کتاب الطب میں ہے۔ اسے امام احمد نے المسند

(۲: ۲۹۷) میں بروایت علامہ ذکر کیا ہے اور یہ سند صحیح اور شرط مسلم کے مطابق ہے یہ حدیث صحیحین میں بھی

ہے لیکن اس میں "ولانوء" کا لفظ نہیں ہے، تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الصیغہ" (۷۸۳)۔

خَلَقَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ فَكَتَبَ حَيَاتَهَا وَمُصِيبَاتَهَا وَرِزْقَهَا۔  
 حقیقت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو پیدا کر کے اس کی زندگی، مصیبت اور رزق لکھ دیا ہے۔  
 قتادی ابن تیمیہ میں ہے:

سوال: ایام و لیالی کے بارے میں مثلاً بدھیا جمعرات یا منیجر کو سفر یا کپڑا کاٹنا اور سلنا، یا دھاگہ بٹنا مکروہ ہے، اور ان دنوں کی راتوں میں جماع مکروہ ہے اور لڑکے کے باپ میں ڈر ہے۔  
 جواب: یہ سب باطل اور بے بنیاد ہے۔ آدمی اگر کوئی مباح کام کرنا چاہے تو استخارہ کر کے اسے کسی وقت بھی کرنا چاہیے کسی بھی دن کپڑا کاٹنا، سلنا، دھاگہ بٹنا، یا کچھ اور کرنا مکروہ نہیں، نہ کسی رات میں جماع مکروہ ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی سے روکا ہے۔  
 جیسا کہ صحیح میں معاویہ بن حکم سلمیٰ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس نہ جاؤ، پھر کہا کہ ہم میں سے بعض بدفالی لیتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ چیز لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے لیکن اس سے غم کوئی کام نہ چھوڑو۔ ایسی صورت میں کسی دن یا رات میں کوئی کام کیسے ممنوع ہو سکتا ہے؟ ہاں جمعرات، منیجر اور پیر کو سفر ضرور مستحب ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے دنوں میں ممنوع ہے، البتہ جب جمعہ فوت ہونے کا ڈر ہو تو ایسی صورت میں سفر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

۱۔ اس کی تخریج احمد وغیرہ نے بھی صحیح سند سے کی ہے، ملاحظہ ہو سابقہ ماخذ۔

۲۔ صحیح مسلم مراد ہے، اس حدیث کی تخریج ”الارواء“ (۳۸۹) میں ہے۔

۳۔ میں کہتا ہوں کہ رائج قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن اس شخص کے لئے سفر جائز ہے جو جمعہ فوت کرنا نہ چاہتا ہو۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول ثابت ہے کہ: بکلو، جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔ اس دن سفر سے روکنے والی کوئی حدیث صحیح نہیں، ملاحظہ ہو ”الصعیفہ“ (۲۱۸، ۲۱۹)۔ ناصر الدین۔

یاجماع کا معاملہ تو یہ کسی بھی دن میں مکروہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن حجر مینشیؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے کہ کچھ دن ایسے ہیں جن میں مریض کی عیادت باعثِ نحوست ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مریض کا ایسا عقیدہ ہے تو اس کی عیادت اس دن میں نہیں کرنی چاہیے کیونکہ بدفالی کے خیالِ خام کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچے گی اور اس سے مرض میں شدت پیدا ہو جائیگی اور نقصان ہوگا، جبکہ حدیث میں وارد ہے کہ: لَا ضَرَّ وَلَا ضَرَّ اَرَّ۔ اور کبھی مسنون کام کو قوی عوارض کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیوں نہ سنت کے اعلان و اظہار اور خام خیالی کے خاتمہ کے لئے انھیں دلوں میں عیادت کی جائے جنہیں لوگ منحوس تصور کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جہالت و بدفالی کا لوگوں پر غلبہ نہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے، ورنہ لوگ عیادت میں جانے والے کے پیچھے پڑ جائیں گے اور اسے سخت تکلیف ہوگی۔ شریعت میں چونکہ نقصان کو روکنا نفع حاصل کرنے پر مقدم ہے اس لئے مذکورہ دلوں میں عیادت نہ کرنا ہی بہتر ہوگا۔

بعض مشائخ کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ بدھ کے دن عیادت کے لئے اپنے گھر کا دروازہ کھلوادیتے تھے اور گزرنے والوں کو عیادت کے لئے بلاتے تھے، تاکہ اس طرح بدعت کا خاتمہ ہو سکے۔

## ⑧ مساجد کے قصہ خواں

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں مساجد کی منکرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: منکرات میں سے قصہ خواں اور واعظین کا کلام بھی ہے جو بدعت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر کوئی قصہ خواں جھوٹے واقعات بیان کرے تو وہ فاسق ہے، اسے لوگوں کو فروری ہے، داعظ اگر بدعتی ہو تو

اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنا چاہیئے۔ انھوں نے ربّ کے باب میں لکھا ہے کہ: عالم کے تکبر کی آفات میں سے ایک آفت یہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کے لئے ان کو کھے علوم یاد کرے اور احادیث کے الفاظ و اسانید حفظ کر کے اپنا فضل ظاہر کرے۔ یہ عادت تکبر کی ہے اور علم و عمل پر غیر معمولی اعتماد سے پیدا ہوتی ہے۔ انتہی بعض علماء نے مساجد کے واعظین کے بارے میں لکھا ہے کہ: اگر واعظین کے حالات کو فصاحت و بلاغت سے بیان کرنے کی قدرت ہوتی تو میں ایسے عجائب کا ذکر کرتا جن سے دین کا کوئی تعلق نہیں، لیکن پھر بھی ادائے فرض کے خیال سے جو الہ کتاب و سنت میں کچھ عرض کروں گا کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ: تم میں سے جو شخص بُرائی دیکھے اُسے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے بُرا جانے، لیکن یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

یہ معلوم ہے کہ واعظین کی ذمہ داری چند امور میں منحصر ہے، اول یہ کہ عوام کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی بلند صفات، اس کے حق میں محال اور جائز امور اور انبیاء و رسل کے مرتبے سے آگاہ کریں۔

دوم یہ کہ دین کے ارکان مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی تعلیم دیں، ان کے آداب و احکام اور دنیوی و آخروی فائدوں کو بتائیں۔

سوم یہ کہ بھلائی کی دعوت دیں اور بُرائی سے روکیں اور دینی آداب و فضائل نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی پابندی پر ابھاریں۔

چہارم یہ کہ عمل پر آمادہ کریں اور یہ سمجھائیں کہ ہر شخص کو اس کے اچھے اور بُرے کاموں کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

پنجم یہ کہ شرعی امور میں تعاون کی ترغیب دیں، اولاد کی تربیت پر توجہ دلائیں ہر کام

کو صحیح طور پر انجام دینے کے لئے زور دیں۔ امانت کے تحفظ کی ضرورت واضح کریں اور اخوت کا احساس پیدا کریں کیونکہ یہی قوموں کی زندگی کا سرچشمہ اور دنیا و آخرت میں ان کی بہبود کا باعث ہے۔

ششم یہ کہ دلوں کو فاساد و اہام سے پاک کریں، کیونکہ ان کی وجہ سے باطل عقیدہ جنم لیتا ہے۔ اس طرح لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور عاجزی کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ  
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ خَائِفًا وَمَا  
أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام - ۷۹)

میں نے یکسو ہو کر اپنے چہرے کو آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف پھیر دیا ہے اور میں شرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ یہ کہیں:

إِنْ صَلَاتِي وَتُسْكِى وَمَحْيَاى  
وَمَمَاتِى لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ  
وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام - ۷۹)

میری نماز، عبادت، زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو دنیا والوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

انہوں نے آگے لکھا ہے کہ: اللہ جانتا ہے کہ واعظین نے اپنے ان واجبات کو ادا نہیں کیا بلکہ اہام و خرافات اور باطل موضوع احادیث و اقوال کا ہمارا لے کر اپنی محفلوں میں زیر گھونٹنے لگے اور نفسانی خواہشات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب غلط حدیثوں، اور حقائق سے بعید باتوں کو منسوب کیا۔ تنذیر و ترغیب میں تشدد، مبالغہ اور سہولت سے حب منشاء کام لیتے رہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ: اے واعظو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ سے تم کو انبیت ہو گئی



ہے، اور تم اسی کو حق کہتے ہو، حالانکہ یہ کھلا ہو اگناہ اور باتفاق مسلمان حرام ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جو قصد اچھ پر جھوٹ باندھے اسے جہنم میں اپنا ٹکھکانہ بنالینا چاہیے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ: موضوع حدیث کا علم یا ظن ہونے کے بعد اس کی روایت حرام ہے، جو جانتے ہوئے ایسا کرے گا وہ حدیث میں مذکور وعید کا مستحق ہوگا۔ اس کا کوئی لحاظ نہیں کہ جھوٹ کا تعلق احکام سے ہے یا ترغیب و ترہیب اور مواعظ سے، کیونکہ ہر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرنا حرام ہے۔ تمام دانشمندوں کا اتفاق ہے کہ کسی بھی شخص کی طرف جھوٹ بات کا انتساب حرام ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کسی بات کو غلط طور پر منسوب کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ ۹

واعظو! تم اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اولیاء و صلیاء کا وسیلہ مانتے ہو حالانکہ اس کی ذات سے زمین و آسمان کی کوئی چیز بعید و مخفی نہیں۔ اس توسط کو تم کفر نہیں سمجھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقائد کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ هُوَ كَلَّا شَفَعَا عِنْدَ اللَّهِ (یونس ۱۸)

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتے اور کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

تم بت پرستوں کے ہم عقیدہ ہو کیونکہ وہ بھی بتوں کو اسی خیال سے پوجتے تھے کہ ان سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر - ۳)

ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

سورہ فاتحہ میں جسے ہم متعدد بار روزانہ پڑھتے ہیں، صاف طور پر وارد ہے کہ:

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (سورہ فاتحہ - ۴)

ہم صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ کسی سے مدد چاہنا غلط ہے۔

اے واعظو! قرآن نے ہم کو بتا دیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارا جائے گا، اور نہ کسی کا قصد کیا جائے گا:

فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (الحج ۱۸)

تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

اور فرمایا کہ:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ  
(سورہ اخلاص ۲۰۱)

آپ کہہ دیجئے، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔

اور صمد اس ذات کو کہتے ہیں جس کا ضرورت کے وقت قصد کیا جائے اور بندے اچھے بُرے میں اسی سے مدد طلب کریں۔ اس آیت سے لغوی فاعلہ کی بنا پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا صمد نہیں ہو سکتا۔

قرآن نے اس جانب بھی رہنمائی کی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا قصد ہی واجب ہے چنانچہ ارشاد ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ، أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ  
إِذَا دَعَانِ - (البقرہ - ۱۸۶)

اور جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں

تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں، پکارنے

والے کی پکار کو سنتا ہوں۔

ایسی صورت میں اللہ کے لئے کسی اور کا وسیلہ نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ توسل کا مقصد اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش ہے، اور اس نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ وہ خود ہی ہم سے قریب ہے صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ استنفا کے موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ:

إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْتَقْبِلُنَا

ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تجھ

سے دعا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا،

وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ اب ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس

الْعَبَّاسَ فَأَسْقِنَا ۛ کو سید بناتے ہیں تو میں سیراب فرما۔

حضرت عمرؓ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جبکہ حضرت عباس ان کے پہلو میں اللہ سے دعا

کر رہے تھے، اور جب انبیاء اور صدیقین کا یہ حال ہے تو پھر اولیاء اور صلیما کے بارے

میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ ۹۔

واعظو! شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح اولیاء و صلیما کی تعظیم ہوگی، حالانکہ ان کی اصل

تعظیم و احترام یہ ہے کہ ان کے قول و عمل کی پیروی کی جائے، ان سے توسل کا یہی معنی ہے،

اسی طرح زندہ لوگوں سے توسل کا مطلب یہ ہے کہ ان سے دعا میں شرکت کی درخواست

کی جائے، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

واعظو! تین صدیوں کا نمونہ موجود ہونے ہوئے مذکورہ عقیدے پر تم کیسے قائم ہو ۹۔

اُس وقت اس طرح کا توسل قطعاً نہیں تھا، حدیث و تاریخ کی کتابوں سے اس کی تائید ہوتی

ہے۔ اُس دور کے بجا و افعال ایجاد ہوئے وہ یقیناً بدعت ہوں گے اور بدعت گمراہی اور

جہنم کا باعث ہے۔

واعظو! متنہ ہو جاؤ اور ان آیات کا مصداق بن جاؤ :

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ

إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ

سے امام بخاری نے استنصار کے بیان میں بروایت انس بن مالک ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہ

نے "التوسل والوسيلة" (ص ۶۴، ۱۰۴) میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو مخلوقات سے سوال

کے لئے اس حدیث سے اندلال کرتے ہیں۔

لوگ کامیاب ہیں۔ ان لوگوں کی طرح نہ  
 بنو جو متفرق ہو گئے اور نشانیوں کے بعد  
 اختلاف کر لیا، ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔  
 جس دن بہت سے چہرے سفید ،  
 اور بہت سے سیاہ ہوں گے، جن کے  
 چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائیگا  
 کہ ایمان کے بعد تم نے کفر کیا تھا۔  
 اب اپنے کفر کے سبب عذاب کا مزا  
 چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ  
 ہمیشہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔

هُمُ الْمَفْلُحُونَ ، وَلَا تَكُونُوا  
 كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا  
 مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ  
 وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
 يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ  
 فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ  
 أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا  
 الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ  
 وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ  
 فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

(آل عمران ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶)

ایک ازہری عالم کا یہ مضمون مصری اخبار ”الموید“ بابت ۷ شعبان ۱۳۲۲ھ شمارہ  
 نمبر ۴۳۹ میں موجود ہے :

## دوسری فصل

قراءت اور قاریوں کے بیان میں

قرارت کے وقت شور

①

در مختار اور اس کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ : نماز میں اور نماز کے باہر جب قرآن  
 پڑھا جائے تو اس کا سنا واجب ہے ، کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے ۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ  
وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔  
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنا  
کر و اور چپ رہا کرو تا کہ تم پر رحم ہو۔

(الاعراف - ۲۰۲)

اگرچہ نماز کے بارے میں وارد ہے۔ لیکن اس میں الفاظ کی عمومیت کا لحاظ کیا جائے۔  
شرح المنیۃ میں مذکور ہے کہ: قرآن کا احترام قاری کے لئے ضروری ہے، بایں طور کہ بازار  
یا عام مصروفیت کی جگہوں پر تلاوت نہ کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو خود اس کی عزت و  
توقیر کو ضائع کرنے والا تصور کیا جائے گا، اس کا گناہ بھی اسی کو ہوگا سا معین کو نہیں۔

## ⑤ قرأت سے لوگوں کا خلل

امام تاج الدین فزاری شافعی کے فتاویٰ میں یہ سوال درج ہے کہ: کچھ لوگ بلند آواز  
سے اس طرح قرآن پڑھتے ہیں کہ دوسروں کو خلل ہوتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟  
اس کا جواب دیتے ہوئے امام موصوف نے لکھا ہے کہ: ایسا نہ کرنا بہتر ہے، دوسروں  
کو روکنا چاہیے کہ کوئی ایسا نہ کرے، اسی سوال کا جواب شیخ زین الدین مالکی نے یہ دیا ہے  
کہ: ایسا کرنا جائز نہیں، ولی امر کو اس سے روکنا چاہیے، امام مالک سے مروی ہے  
کہ ایسا کرنے والے کو مسجد سے نکال دینا چاہیے۔ شیخ شمس الدین حنبلی اور قاضی حنفی نے  
بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے۔

## ③ مسجد میں قرا کا خلل

امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ: اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ کسی  
مسجد میں صبح و شام قرآن کی تلاوت و تعلیم ہو اور مسجد کے دروازے پر حاضرین اس طرح

بات چیت کریں کہ تلاوت کرنے والوں کو غفل ہو؟

جواب یہ ہے کہ مسجد میں جو لوگ نماز تلاوت، ذکر یا دعا کے لئے آتے ہیں ان کو تکلیف دینا جائز نہیں، اس لئے کسی شخص کو مسجد میں یا اس کے دروازے پر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے اس میں موجود لوگوں کو خلل یا تکلیف ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد تشریف لائے تو صحابہ جہری فرات سے نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ: تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اس لئے بعض کو بعض کے سامنے زور سے نہیں پڑھنا چاہیے۔ اور جب مصلیٰ کو بلند آواز سے پڑھنے سے روکا گیا ہے تو پھر دوسرے کو کیسے اجازت ہوگی۔ جو شخص بھی کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد کے لوگوں کو تنزیش ہو اسے اس سے روکنا ضروری ہے، واللہ اعلم۔

## ④ مسجد کی علمی مجلسوں سے اعراض کرنا

بہت سے بوڑھے عوام اس حلقہ میں بیٹھنے سے اعراض کرتے ہیں جس میں کوئی عالم و عظم و نصیحت کرتا ہے اور حکمت و دانائی کی باتیں بتاتا ہے، اس کے بجائے وہ لوگ حلقے بنا کر یہودہ باتوں کے ذریعہ وقت گزاری کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر وہ روایت صادق آتی ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے باب ”مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ مَجْلِسٌ وَمَنْ رَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا“ (اس شخص کا باب جو جہاں جگہ پائے بیٹھ جائے اور جو حلقہ میں کوئی خالی جگہ دیکھے وہاں بیٹھ جائے) میں ذکر کیا ہے، اس میں وارد ہے کہ: ابو واقد لثنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ ہوئے تھے، صحابہ بھی موجود تھے، اسی اثناء میں تین آدمی آئے، دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے اور ایک آدمی واپس ہو گیا، دونوں افراد میں سے ایک حلقہ کی



ایک خالی جگہ میں بیٹھ گیا اور دوسرا پیچھے بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں تینوں افراد کے بارے میں بتاتا ہوں، ایک نے اللہ سے جگہ مانگی تو اسے اللہ نے جگہ دیدی، دوسرے کو جیسا آگئی تو اللہ کو بھی اس سے جیسا معلوم ہوئی، اور تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔

فتح الباری میں مذکور ہے کہ: اس حدیث سے علمی مجلسوں کے حلقے کا استہباب ثابت ہوتا ہے اور یہی کہ علمی مجلسوں میں باادب رہنا چاہیئے اور جو خلا رہو اسے پُر کرنا چاہیئے، اسی طرح حدیث سے ان لوگوں کی تعریف نکلتی ہے جو بھلائی کی طلب میں دوسروں کے ساتھ نکلتے ہیں۔ یہ بھی نکلتا ہے کہ زجر و توبیخ کے لئے گنہگاروں کے حالات سے متعلق بتلایا جاسکتا ہے، اور یہ کہ جیسا کرنے والا قابلِ تعریف ہے۔ مجلس میں جہاں جگہ جہاں بٹھے جانا چاہیئے علمی حلقوں کی حاضری اور عالم کا مسجد میں بیٹھنا باعثِ فضیلت ہے۔ انتہی۔

یہ بات مخفی نہیں کہ علم کی اشاعت کے لئے عالم کا بیٹھنا عوام کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ ان کا فرض توبہ ہے کہ نفع بخش علم کے لئے دور دراز کا سفر کریں، لیکن اگر کوئی علم سکھانے والا ان کے پاس موجود ہو اور وہ علم سیکھنے سے منہ پھیریں توبہ بے حد سختی اور بدستی کی دلیل ہے۔ قرونِ اولیٰ میں لوگ ایک حدیث کو سیکھنے کے لئے مہینہ بھر تک سفر کرتے تھے، اور آج احادیث اور حکمت کی باتوں کا بازار سب سے زیادہ سونا پڑا ہے لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے وعظ و نصیحت سے پہلو ہتی کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

## ⑤ عید کا خطبہ سننے سے اعراض کرنا

عوام دین کے مقاصد سے ناواقف اور شریعت کے اسرار و رموز سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ عید کی نماز کے بعد اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور خطبہ سننے سے پہلو ہتی کرتے ہیں۔

حالانکہ خطبہ سنانا نماز کا متمم ہے۔ بلکہ اس کا نتیجہ و حاصل ہے۔ کیونکہ خطبہ میں زبانی نصیحت ہوتی ہے اور نماز میں قلبی۔ ایسے لوگ خطبہ سے اس لئے اعراض نہیں کرتے کہ امام خطبہ کے مقام و آداب سے ناواقف ہوتا ہے، نہ ان کا عذر ہے کہ وہ خطبوں کو سمجھ نہیں پاتے اور ان سے انھیں قانون قدرت کو سمجھنے میں مدد نہیں ملتی، بلکہ ان کے اعراض کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ جلد از جلد یہودگی و غفلت کی سابقہ حالت کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں، ورنہ خطبے عام طور پر مفید ہوتے ہیں، ان کے اندر آیتوں اور حدیثوں کی تلاوت ہوتی ہے جنہیں سنا یقیناً باعثِ ثواب ہے، ان سے انسان کے اندر خشوع اور انابت پیدا ہوتی ہے اس لئے عامی شخص کو چاہیے کہ وہ خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ سے ڈرے اور دینی علم و تقویٰ کے ذریعہ نجات طلب کرے، دین ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

## ⑥ مسجد کی علمی مجلسوں کو چھوڑ کر نفل نماز میں مصروف رہنا

سیوطی نے اپنی کتاب ”الامر بالاتباع والنہی عن الابتداع“ میں لکھا ہے کہ: لوزیاجد کاموں میں ایک کام یہ ہے کہ جہالت کے باوجود علمی مجلسوں کو چھوڑ کر نفل عبادت میں انسان مصروف رہے، یہ ایک ایسی غلطی ہے کہ جس سے بندہ بہت سی مخالف شریعت آفتوں کا شکار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طہ - ۱۱۴) آپ کہیے کہ اے رب! میرا علم زیادہ کر۔

اس آیت میں علم کی زیادتی کو طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ کا یہ قول منقول ہے کہ:

هَلْ أَتَبَعَكَ عَلَىٰ أَنْ تَعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رَسُولًا (سورہ کہف - ۶۶) کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ جو کچھ خدا نے آپ کو دیا ہے میں سے مجھ بھی سکھائیے۔

انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلیٰ قسم کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے لیکن اس کے بعد بھی انہیں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ مزید علم کی طلب رکھیں، اس کا سبب یہ ہے کہ علم کی کوئی انتہاء نہیں، ہر شخص مزید علم کا محتاج رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ  
مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُُوا فِي الْدِينِ  
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا  
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

پس کیوں نہ ہر ایک قوم سے چند آدمی نکلیں  
تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب اپنی  
قوم میں جائیں تو ان کو سمجھائیں تاکہ وہ  
بھی بچتے رہیں۔

(التوبہ :- ۱۲۲)

امام ترمذی نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو اشخاص کا ذکر ہوا، ایک عابد تھا اور دوسرا عالم، آپ نے فرمایا:

فَضَّلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي  
عَلَى أَدْنَاكُمْ

عابد پر عالم کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی  
مجھ پر ہمارے ادنیٰ شخص پر۔

صحیحین میں حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ يَتَرَدَّدُ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُقَيِّمُهُ  
فِي الدِّينِ۔

اللہ تعالیٰ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین  
کی سمجھ دیتا ہے۔

ترمذی نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ:

كَالْمَنَةِ الْحَقِّ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ

حق بات مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے، وہ

یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ میں نے "تخریج مشکوٰۃ" (۲۱۳) میں واضح کیا ہے۔

یہ ضعیف حدیث ہے خود امام ترمذی نے اسے ضعیف کہا ہے، اس کی سند بہت ضعیف ہے، ملاحظہ ہو سابقہ ماخذ، اور شاید صحت کا لفظ محض ہو کر حق ہو گیا ہے کیونکہ ترمذی میں "الکلمۃ الحکمۃ" ہے۔

فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهِيَ أَحَقُّ بِهَا۔ جہاں ملے اسی کا حق ہے۔

ایک شخص سہل بن عبد اللہ تستری کے پاس دوات و کتاب لے کر آیا اور سہل سے کہا کہ میں ایسی تحریر لکھنا چاہتا ہوں جس سے اللہ مجھے فائدہ پہنچائے۔ انھوں نے کہا کہ لکھو: اگر تم اس حال میں اللہ تعالیٰ سے مل سکو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات ہو تو ایسا ہی کرو۔ سہل ہی کا قول ہے کہ: میں نے جراح بن عبد اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اللہ تک پہنچنے کے علم سے افضل کوئی راستہ نہیں، اگر علم کی راہ سے قدم بھر بھٹکے تو چالیس دن تک جہالت کی راہ میں بھٹکنا پڑے گا۔ خلاصہ یہ کہ علم کی بنا فرض ہے، اور علم و علماء سے دوری جہالت کے تسلط کو مضبوط بناتی ہے۔

## ⑤ تلاوت قرآن میں عجلت

بعض مسجدوں میں ایسے حفاظ دیکھنے میں آتے ہیں جو آہستہ یا بلند آواز سے غیر معمولی تیزی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ انھیں آداب تلاوت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ امام غزالی نے اعیان العلوم کے باب المغرورین میں اس پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: کچھ لوگ تلاوت قرآن کے سلسلہ میں دھوکہ میں ہیں، بہت تیزی اور بے احتیاطی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں، با اوقات چوبیس گھنٹے میں ایک ختم کر لیتے ہیں، زبان پر قرآن کی آیتیں ہوتی ہیں لیکن دل خواہشات کی دادی میں بھٹکتا ہے، آیات پر غور و فکر کر کے تنبیہات پر متنبہ نہیں ہونے، مواظپ سے نصیحت نہیں حاصل کرتے، اوامر و نواہی پر غور نہیں کرتے اور عبرت آموز مقامات سے عبرت نہیں سیکھتے، یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن غفلت میں گنگناٹے کے لئے اتارا گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے اپنے غلام کو ایک تحریر لکھ کر دی اور یہ نصیحت کی کہ اس کے احکام پر عمل کرو اور نواہی سے پرہیز کرو، لیکن غلام نے

نہ تو اس کو سمجھانے اس پر عمل کیا بلکہ اس کو یاد کر لیا اور اچھی آواز سے روزانہ سو مرتبہ پڑھنے لگا، ظاہر ہے کہ ایسا غلام اپنے مالک کا نافرمان تصور کیا جائے گا اور سزا کا مستحق ہو گا خواہ اپنے تئیں وہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ مالک کے مدعا کو پورا کر رہا ہے۔ تلاوت قرآن کا مقصد اس کا حفظ ہے اور حفظ سے معنی مقصود ہے اور معنی سے عمل، تاکہ اس سے انسان کو فائدہ حاصل ہو سکے۔ اگر کسی کی آواز اچھی ہو اور تلاوت سے اسے اور سننے والوں کو لذت حاصل ہو اور یہ تصور ہو کہ یہ اللہ سے مناجات کی لذت ہے، تو یہ بھی دھوکہ ہے، یہ لذت اصل میں آواز کی ہے، ایسا شخص اگر کوئی شعر وغیرہ بھی پڑھے گا تو وہی لذت حاصل ہوگی۔ ایسا کر نیوالا فریب خوردہ ہے، اپنے دل کا جائزہ لے کر اس نے یہ نہیں سمجھنے کی کوشش کی کہ قرآن سے جو لذت اسے مل رہی ہے وہ اس کے نظم و معنی کے لحاظ سے مل رہی ہو یا کسی اور طرح؟ نہی

### ۵) مسجد میں غلط طور پر قرآن پڑھنے والے

امام غزالی نے احیاء العلوم میں منکرات مسجد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ایک منکر امر یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا غلط قرآن پڑھے۔ ایسے شخص کو غلطی سے روکنا چاہیے اور صحیح طور پڑھنے کا طریقہ بتانا چاہیے۔ اگر مسجد میں اعتکاف میں بیٹھنے والا شخص نفل نماز اور ذکر چھوڑ کر اپنا زیادہ تر وقت اس طرح کے کاموں میں صرف کرتا ہے تو اس کے لئے یہ بہتر ہے کیونکہ یہ فرض ہے اور اس کا فائدہ دوسرے شخص کو بھی پہنچے گا۔ اس لئے اگر قرأت کی نصیح میں اتنا وقت لگ جائے کہ معتکف اپنی روزی کا سامان نہ کر سکے اور اس کو کہیں سے کھانے پینے کا سامان نہ مل سکے تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہمہ وقت قرأت کی نصیح میں لگا رہے، لیکن اگر کھانے پینے کا انتظام ممکن ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرأت کی نصیح کرے اور ثواب کا مستحق بنے۔

تلاوت میں غلطی کرنے والا شخص اگر سیکھنے پر قادر ہو اور اس سے پہلے قرأت سے مرک جائے تو وہ گنہگار ہوگا، اگر قرأت میں زبان اس کا ساتھ نہ دے سکے اور غلطی زیادہ ہوتی ہو تو اسے قرأت چھوڑ کر صحیح سورہ فاتحہ سیکھ لینا چاہیئے۔ اور اگر زیادہ تر صحیح تلاوت کرتا ہو اور مکمل اصلاح نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے قرأت میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے آہستہ پڑھنا چاہیئے تاکہ دوسرے نہ سن سکیں۔ امام غزالی نے آگے لکھا ہے کہ: واعظوں کے سامنے کھینچ کر کھن سے اس طرح قرآن پڑھنا کہ اس کا نظم بدل جائے اور ترتیل کی حد سے تجاوز ہو جائے انتہائی مکروہ و منکر ہے، اسے علماء سلف کی ایک جماعت نے ناپسند کیا ہے۔ انتہی۔

## ⑨ سال کی پہلی اور آخری رات کی دُعا

بعض مجددوں میں عوام اپنے امّہ سے سال کی پہلی اور آخری رات کی دُعا پڑھنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ دُعا میں گھڑت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ یا تابعین سے منقول نہیں اور نہ کسی حدیث کی کتاب میں مروی ہے۔ اسے بعض جعلی شیخ و فقیر نے ایجاد کیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض خطیبوں نے اسے خطبات کی کتاب میں شامل کر دیا ہے، نا اہل خطیبوں میں سے جو کبھی اسے پڑھتا ہے سمجھتا ہے کہ یہ صحیح میں مروی ہے۔ اس دُعا کے موجد کا اللہ اور رسول پر عظیم ہتھان ہے کہ شیطان اس دُعا کے پڑھنے والے کے بارے میں افوس سے بہکتا ہے کہ اس شخص کے پیچھے ہم پورے سال تھکتے رہے لیکن اس نے ایک گھڑی میں ہماری پوری محنت کو رائیگاں کر دیا۔ یہ بھلا فوساک بات ہے، فریب دہی اور گناہ کی جرأت پیدا کرنے کی اس بڑی جرأت اور کیا ہوگی؟ جو لوگ خیر سمجھ کر اس دُعا کو قبول کر لیتے ہیں ان پر اور زیادہ تعجب ہونا ہے۔ ایسے لوگوں کو العز بن عبد السلام کا وہ قول پڑھنا چاہیئے جس کو ابوشامہ نے نقل کیا ہے۔ (اس بحث کا منتمہ ابوشامہ کی کتاب ”الباعث“ میں ملاحظہ ہو)



# تیسری فصل

## مؤذنوں کے بیان میں

### ① اذان و اقامت کے آداب

بعض مسجدوں میں اذان و اقامت کے آداب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، حالانکہ نماز میں ان کی اہمیت مخفی نہیں، اکثر ائمہ کے مطابق یہ دونوں چیزیں فرض کفایہ ہیں۔ اس لئے ان کے آداب کی معرفت ضروری ہے اس سے اذان و اقامت کہنے والے کو بصیرت حاصل ہو جائے گی۔ اقتناع، اس کی شرح اور درختا میں درج ذیل توضیح ہے۔

### ○ اذان کے آداب

- ۱۔ مؤذن کو بلند آواز ہونا چاہیئے، اس سے سب کو بخوبی اطلاع ہو سکے گی۔
- ۲۔ اس کی آواز اچھی ہونا کہ سننے والے متاثر ہوں۔
- ۳۔ امانت دار ہو، کیونکہ نماز جیسی اہم عبادت میں اس پر اعتماد کرنا ہوگا۔
- ۴۔ اوقات نماز کو جانتا ہو، تاکہ اول وقت میں اذان دے سکے۔
- ۵۔ اذان کے الفاظ کو ترتیل کے ساتھ ادا کرے اور ہر جملے پر ٹھہرے، کیونکہ ابن رشد کے مطابق سلف اور خلف سے وقف کی مخالفت ثابت نہیں۔

- ۶۔ بلند جگہ پر کھڑا ہو کر اذان دے تاکہ سب لوگ سن لیں لے  
 ۷۔ حدث اصغر اور اکبر دونوں سے پاک ہو، کیونکہ جنبی اور محدث کی اذان مکروہ ہے۔  
 ۸۔ اس کا بدن اور کپڑا نجاست سے پاک ہو۔

## ○ اقامت کے آداب

- ۱۔ سنون یہ ہے کہ اقامت جلدی جلدی کہے۔  
 ۲۔ اذان کی طرح ہر جملے پر وقف بھی کرے۔  
 ۳۔ جو اذان دے وہی اقامت بھی کہے لے

## ② اذان کے کچھ فروعی مسائل

- ۱۔ کوئی بھی باشعور شخص اذان دے سکتا ہے۔  
 ۲۔ مقررہ مؤذن کے علاوہ دوسرے کا بغیر اجازت اذان دینا حرام ہے، البتہ اگر اذان کا وقت نکل رہا ہو تو امام وغیرہ اذان دے سکتے ہیں۔  
 ۳۔ اذان کے اول یا آخر میں کسی حرف، حرکت یا مد وغیرہ کا اضافہ کر کے نغمہ پیدا کرنا لے میرا قول ہے کہ یہی سنت بھی ہے جیسا کہ انصاری کی حدیث میں مذکور ہے جنھوں نے خواب میں اذان کے کلمات سکھانے والے کو دیکھا کہ وہ اونچی جگہ پر کھڑا ہے، آج کل لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے لوگ اونچی جگہ کھڑے نہیں ہوتے، لیکن یہ سنت کے خلاف ہے، مناسب یہ ہے کہ اونچی جگہ سے اذان دیں تاکہ ان کی شکل ظاہر ہو، اگر لاؤڈ اسپیکر ہو تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (ناصر الدین)  
 لے میں کہتا ہوں کہ لیکن ”مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يَقِيْمٌ“ والی حدیث ضعیف الاسناد ہے، جیسا کہ میں نے ”الضعیفۃ“ (۳۵) میں بیان کیا ہے۔

یا آواز کو کاٹنا اور کپکپانا جائز نہیں۔

۴۔ اذان و اقامت کے دوران طویل خاموشی، جائز بات چیت، یا سب و شتم سے وہ دونوں باطل ہو جاتی ہیں۔

۵۔ وقت سے پہلے ہونے والی اذان کافی نہیں، البتہ فجر کی اذان آدھی رات کے بعد صحیح ہے۔

۶۔ اقامت کے لئے مؤذن کو اپنا انتظار کرنا چاہیے کہ روزانہ کے پابند مصلیٰ پہنچ جائیں۔

”البحر الرائق“ میں مذکور ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان چالیس آیت پڑھنے کی مقدار وقفہ ہونا چاہیے۔

۷۔ مؤذن کا جواب دینا منون ہے، ہر کلمہ کے جواب میں وہی کلمہ کہا جائے گا، البتہ حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کہا جائے گا۔

۸۔ اذان سے فراغت کے بعد مؤذن اور سامع دونوں کو یہ دُعا پڑھنا چاہیے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَامَّةِ اَنْتَ مُحَمَّدٌ الْوَسِيْلَةُ وَالْفَضِيْلَةُ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَهُ۔ ۱۷

۹۔ جس پر نماز فرض ہو اس کا اذان کے بعد مسجد سے جانا حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو یا فوراً ہی واپس آنا ہو تو جاسکتا ہے۔

۱۰۔ البخیرمی نے ”الافتاح“ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: ان غلیطوں سے بچنا چاہیے جو اذان کو باطل کر دیتی ہیں اور بعض کو قصدِ اکبر کے لئے کفر لازم آتا ہے مثلاً ”اکبر کے

۱۷ بخاری وغیرہ کی حدیث میں اسی طرح وارد ہے، اس میں ”الدرجنۃ الرفیعة“ اور آخر میں ”اِنَّكَ لَا تُخَلِّفُ الْمِيْعَادَ“ کا اضافہ بدعت ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو مذکورہ حدیث کی ہماری تحریک ”التوسل والوسیلة“ اور فضل الصلوة علی النبی“ میں۔

بیاہمزہ کو ”اشہد“ کے ہمزہ کو یا ”اللہ“ کے الف کو حد سے زیادہ کھینچنا، ”الصَّلَاة“ کے بار کا تلفظ نہ کرنا۔ اگر اس طرح کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی ہو جائے یا کسی ممنوع صورت کا وہم پیدا ہو تو یہ حرام ہے۔ انتہی۔

امام ابن زورق نے اپنی کتاب ”عمدة المرید فی البدع“ میں مؤذّنوں کی غلطیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ایک غلطی یہ ہے کہ مؤذّن ”الصَّلَاة“ کی ہمارا اور ”الفلاح“ کی حار کو حذف کر دیتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خوش الحانی اور طرب پیدا کریں، حالانکہ اس سے اذان کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ خطیب کے سامنے دو اذانیں بدعت ہیں، بعض مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ ایک مؤذّن منبر کے سامنے اور دوسرا بلند منبر پر کھڑا ہوتا ہے، پہلا شخص اذان کے الفاظ کو آہستہ آہستہ اور دوسرا بلند آواز سے کہتا ہے۔ خطیب کے سامنے صرف ایک اذان کا ثبوت ہے، مؤذّن یا تو منبر کے سامنے کھڑا ہو یا اس اونچی جگہ پر جو اذان کے لئے بنائی گئی ہے۔

۱۲۔ جنازہ کی اذان نہیں ہے۔ یہ کام بھی بہت غلط ہے کہ جنازہ کی نماز کے وقت اشعار پڑھے جائیں اور مصنوعی اوصاف و محاسن کا ذکر کیا جائے۔ انتہی۔

۱۳۔ دُور کے مقتدیوں تک آواز پہنچانے کے لئے اجتماعی طور پر تکبیر کہنا بدعت ہے۔ امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، بعض لوگوں کی بیچ سے خشوع و خضوع اور وقار و سکون ختم ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ مؤذّن کے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کے وقت شہادت کی انگلیوں سے دونوں آنکھوں کو چھونے کی جو حدیث مسند الفردوس میں دہلی نے حضرت ابو بکرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اس کے بارے میں ابن طاہر نے تذکرہ میں لکھا

ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے، یہی ”الفوائد المجموعۃ“ میں بھی مذکور ہے۔

### ۳) مغرب و عشاء میں مناروں کی اذان کے علاوہ مسجد کے اندر اذان

بعض اماموں کا خیال ہے کہ بڑی مسجدوں کے مناروں پر جماعت کی اذان سے سنت نہیں ادا ہوتی، کیونکہ یہ بدعت ہے، وہ مغرب و عشاء میں اقامت سے پہلے اذان کا حکم دیتے ہیں معلوم نہیں نظر و عصر میں ایسا کیوں نہیں کرتے؟ میرے خیال میں اذان کا مقصد چونکہ آگاہی ہے، اس لئے کسی بڑے محلہ میں اگر دو مؤذنوں کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں، یہ اذان صحیح ہوگی اور اعلان و اطلاع کی سنت اس سے ادا ہو جائیگی الاقناع میں مذکور ہے کہ: اگر ایک شخص کی اذان سے اطلاع کا مقصد حاصل نہ ہو تو ضرورت کے مطابق اضافہ ہو سکتا ہے، ہر ایک دوسرے کے پہلو میں ہو یا ایک ہی جگہ سے سب ایک دفعہ اذان دیں۔ انتہی۔

ہاں کسی کی آواز سن کر شروع کرنا، جو حصہ چھوٹ گیا ہے اسے چھوڑ دینا بعض کا آدھ کلمہ سے اذان دینا اور اللہ کے لفظ کو کاٹ دینا فن ادائیگی سے ناواقفیت ہے، ابن الحاج وغیرہ نے اسی لئے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ اس لئے مؤذن کو چاہیے کہ وہ مسنون طریقہ کیجیے لے یا سننے والے اسے بتا دیں۔ مغرب و عشاء سے پہلے کسی مؤذن کی ضرورت نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ منارہ کی اذان سے فراغت کے بعد نماز شروع کی جائے۔ امام ابن الحاج نے ”المدخل“ میں مسجد کے اندر کی اذان کو درج ذیل وجوہ سے مکروہ بتایا ہے:

اول یہ کہ گذشتہ قابل اتباع لوگوں نے اسے نہیں کیا ہے۔

دوم یہ کہ اذان لوگوں کو مسجد میں بلانے کے لئے دی جاتی ہے۔ اور جو لوگ اس

لے مزید ملاحظہ ہو ”سلسلة الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ“ (۷۳)۔ ناصر الدین۔

میں موجود ہوں اُن کو بلانا صحیح نہیں، اور اس اذان کو گھروالے نہیں سن سکتے۔

سوم یہ کہ اس اذان سے نفل پڑھنے اور ذکر کرنے والوں کو خلل ہوتا ہے۔ اس بدعت سے دوسری بدعتیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ دیکھئے مسجدوں میں اذان کی ایجاد سے یہ ہوتا ہے کہ عوام اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ جس کی سمجھ میں آتا ہے وہ کھڑا ہو کر اپنی جگہ میں اذان دینے لگتا ہے۔

## ۴۷) شرعی اذان میں اضافہ اور تنغیم کی بدعت

حنبل مذہب کی کتاب ”شرح العمدة“ میں لکھا ہے کہ: اذان سے قبل مؤذن کا قَوْلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (الاسراء: ۱۱۱) کوئی اولاد نہیں بنائی۔

کہنا مکروہ ہے، اسی طرح اس کے ساتھ کوئی اور ذکر ملنا بدعت ہے۔ اقامت سے پہلے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہنا مکروہ ہے۔ الاقناع اور اس کی تشریح میں مذکور ہے کہ: فجر سے پہلے اذان کے علاوہ تسبیح، ترانہ، اور بلند آواز سے دُعا وغیرہ سنون نہیں ہے۔

کسی عالم نے بھی ان چیزوں کو مستحب نہیں کہا ہے بلکہ مکروہ بدعتوں میں شمار کیا ہے کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں ان کا وجود نہ تھا، اس دور کی کسی اصل کی جانب ان

چیزوں کو نہیں لوٹایا جاسکتا، اس لئے کسی کو ان کا حکم دینا یا ان کے ترک پر ملامت کرنا

جائز نہیں۔ عبدالرحمن بن الجوزی نے اپنی کتاب ”تلبیس ابلیس“ میں لکھا ہے کہ: میں نے

بعض لوگوں کو دیکھا کہ مسجد کے منارہ پر رات کو کھڑے ہو کر بلند آواز سے وعظ اور ذکر و تلاوت

کرتے ہیں جس سے سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اور تہجد پڑھنے والوں کو خلل ہوتا ہے،

یہ سب ناپسندیدہ فعل ہے۔ ابن الحاج نے ”المدخل“ میں لکھا ہے کہ: مؤذنون نے رات



کے وقت کی جو تسبیح ایجاد کی ہے اس سے انھیں روکنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کا ذکر بلاشبہ بہتر ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات پر ذکر سے روکنا نہیں ہے وہیں سختن ہوگا۔ ہر موقع پر نہیں۔ ابن الحاج نے آگے لکھا ہے کہ: رات کی تسبیح اذان کے مقصد تشریع کی مخالف ہے کیونکہ اذان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو وقت کی اطلاع دی جائے۔ انھوں نے مزید کہا کہ: مؤذنوں نے جمعہ کے دن جو ذکر ایجاد کیا ہے اس سے بھی انھیں روکنا چاہیئے کیونکہ اسے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے نہ سلف میں کسی نے اسے کیا ہے اسے قریب میں بعض حکام نے ایجاد کیا ہے، اذان میں غنار بھی انہی کی ایجاد ہے۔ امام ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رُود و سلام کی بدعت مؤذنوں نے ایجاد کی ہے۔ پھر انھوں نے اس کے وجود کی تاریخ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جس کیفیت سے یہ کام کرنے میں وہ بدعت ہے۔ مورخین نے ۲۵۳ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ مزاحم بن خاقان کے داروغہ اجوز نے جمعہ کے دن مسجد کے پچھلے حصہ میں اذان کا حکم دیا تھا، اسی طرح حلقہ والوں کو نماز کی اقامت سے پہلے اس نے قبلہ کی طرف متوجہ ہونے اور بلند آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ: اس طرح بعض مسجدوں میں تنعیم کی بدعت پائی جاتی ہے یعنی عصر کے وقت سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے مسجد کے منارہ یا صحن سے بعض مؤذن بلند آواز کے ساتھ ”نعم“ کہتے ہیں، عین کو پوری قوت سے سانس بھر کھینچتے ہیں۔ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے کا مقصد یہ ہے کہ ظہر کی نماز سے غافل لوگوں کو یہ بتادیا جائے کہ عصر کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس عادت سے بدعت کے علاوہ یہ خرابی ہے کہ اسی کے انتظار میں بہت سے لوگ ظہر کی نماز مؤخر کر دیتے ہیں۔ بھلا اللہ بعض مسجدوں سے یہ بدعت ختم ہو گئی ہے، لیکن ابھی بعض کے اندر موجود ہے۔

## ۵) فجر سے پہلے رمضان میں سحری میں حلدی کیلئے دوسری اذان

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ”تعمیل الافطار“ کے باب میں لکھا ہے کہ: اس زمانہ کی منکر بدعتوں میں سے یہ بدعت ہے کہ رمضان میں فجر سے تقریباً بیس منٹ پہلے دوسری اذان دی جائے اور ان روشنیوں کو گل کر دیا جائے جو روزہ رکھنے والوں کے لئے کھانے پینے سے رکنے کے لئے بطور علامت روشن کی جاتی ہیں۔ ایسا لوگ احتیاط کے خیال سے کرتے ہیں، اسی طرح افطار کے لئے غروب کے کچھ بعد اذان دیتے ہیں، اس سے سنت کی مخالفت اور افطار میں تاخیر ہو جاتی ہے، ان لوگوں میں اسی وجہ سے خیر کی کمی اور شر کی زیادتی ہو گئی ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ: اسی کے مثل دمشق میں لوگوں کا یہ عمل ہے کہ سحری کی اذان کو کھینچے ہیں آواز کو تفرقہ خزانے ہیں اور حملوں کے مابین دیر تک خاموش رہتے ہیں تاکہ مؤذن دیر تک اذان میں لگا رہے۔

چونکہ عام طور پر سحری کے لئے لوگوں کو دف بجا کر، دروازہ کھٹکھا کر یا توپ اور بندوق داغ کر متنبہ کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں مذکورہ اذان دینے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، صبح صادق کے بعد ایک اذان ہونی چاہیئے، میں نے بعلبک میں دیکھا کہ لوگ رمضان اور غیر رمضان میں بھی ایک اذان دیتے ہیں، سلفیت سے بھی قریب تر ماہ رمضان کی ایک دوسری بدعت یہ ہے کہ مؤذن جب سحری کی اذان سے فارغ ہوتا ہے تو صبح صادق میں تقریباً پندرہ منٹ باقی رہتا ہے، مؤذن منارہ سے اُتر کر مصلیٰ کی آخری صف میں کسی سیڑھی یا منبر وغیرہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور مخصوص لئے کے ساتھ نظم یا نثر میں ”اُمّۃ خیر الانام“ والا جملہ پڑھتا ہے، اس عبارت میں لوگوں کو رمضان کی راتوں کے

غنیمت شمار کرنے کی ترغیب اور سحر کے وقت قیام کرنے والوں کی کامیابی کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ فعل بدعت ہے خصوصاً ان لوگوں کی موجودگی میں جو فجر کی نماز کے انتظار میں تہجد، ذکر اور تلاوت قرآن سے فراغت کے بعد بیٹھے رہتے ہیں جن مسجدوں میں مؤذن کو مذکورہ عبارت یاد نہیں رہتی وہ درود وغیرہ پڑھتا ہے اور اس سے خلل پیدا ہوتا ہے۔ میں نے مختلف مسجدوں سے اس بدعت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم نہیں پچھلے دور میں با اثر علماء نے ان بدعتوں کو مٹانے کی کوشش کیوں نہیں کی، ممکن ہے ان بدعتوں کے رواج کے وقت علماء کو اختیار نہ حاصل رہا ہو اور جو باختیار اشخاص رہے ہوں ان کے اندر ان بدعتوں کی قباحت کو جاننے کے لئے بصیرت مفقود رہی ہو۔

## ۶) بعض مسجدوں میں وقت بتانے والے

دشمن کی اکثر بڑی مسجدوں میں وقت بتانے والے مقرر ہیں، واقف کی شرط کے مطابق ان کا کام یہ ہے کہ وقت کا فنی وسائل کی مدد سے جائزہ لیتے رہیں، اور وقت سے پہلے مسجد میں آجائیں، جب اذان کا وقت ہو جائے تو منارہ پر مؤذن کو اشارہ کر دیں تاکہ وہ اذان شروع کرے۔ ان کے کام کی حقیقت صرت اتنی ہی ہے پچھلے دور میں جامع اموی میں یہی ہوتا تھا، وہاں پر جو لوگ مقرر تھے انھیں فلکیات کے فن سے واقفیت تھی اور وہ پوری مہارت سے وقت پہچان کرتے تھے، لیکن اب یہ منصب محض رسماً باقی ہے، جو لوگ اس پر مقرر ہوتے ہیں انھیں اوقات شناسی سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا، مسجد کی تنخواہ سے وہ اپنا پیٹ پالتے ہیں، حالانکہ یہ ان کے حق میں بے حد ضرر ہے۔ اسی طرح مسجد میں تدریس کے لئے بھی کچھ ایسے لوگ مقرر ہو جاتے ہیں جن کے اندر اس کی صلاحیت نہیں ہوتی، اثر و رسوخ سے یا وراثتاً ان کا تقرر ہوتا ہے، ایسی روزی حرام ہے، جو لوگ اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا

نہیں کرتے انھیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرنا چاہیے اور عمل میں ایمان داری و اخلاص پیدا کرنا چاہیے۔

## ⑥ مؤذن کی اقامت

فقہار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مؤذن ہی اقامت کہے، اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اقامت اذان کا مکملہ ہے، اس لئے وہ مؤذن ہی کا حق ہے، ممکن ہے کسی دوسرے کے اقامت کہنے سے اسے تکلیف ہو۔ اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ اس طرح آنے والوں کا انتظار ہو جاتا ہے اور جماعت مکمل ہو جاتی ہے، ورنہ اگر مؤذن کے منارہ سے اُترنے سے پہلے ہی کوئی دوسرا شخص اقامت کہہ دے اور جماعت شروع ہو جائے تو بہت سے لوگوں کی پہنلی یا اور بھی کوئی رکعت فوت ہو جائے گی۔ مزید برآں دوسرے کی اقامت سے عجلت کا ثبوت ملتا ہے۔

بہت سی مسجدوں میں مغرب اور غرار کے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ منارہ کی اذان ختم ہوتے ہی حاضرین میں سے کوئی محراب کے سامنے اذان اور اقامت کہہ دیتا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ جن مسجدوں میں ایک ہی مؤذن ہوتا ہے ان میں کبھی کبھی مؤذن کا انتظار کے بغیر دوسرا شخص اقامت کہہ دیتا ہے۔ لیکن بہتر اور سنون یہ ہے کہ مؤذن کے منارہ سے اُترنے کا انتظار کیا جائے اور وہ یا مؤذنین میں سے کوئی ایک اقامت کہے، اس میں اطمینان و مہلت بھی ہے اور اس طرح کاروبار میں مصروف لوگوں کے انتظار کا موقع بھی مل جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا تھا کہ: اے بلال! اذان و اقامت کے درمیان اتنا وقف رکھو کہ وضو کرنے والا آسانی کے ساتھ وضو کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۳۲ھ میں میں نے جامع سنائیہ سے مغرب و عشاء میں محراب والی اذان کو ختم کرا دیا، اب مؤذن منارہ سے اذان دے کر اُترتا ہے تو اطمینان کے

کے ساتھ لوگوں کے آجینے کے بعد اقامت شروع کرتا ہے۔

## ۵) اقامت کے الفاظ میں ”سیدنا“ کا اضافہ

بیت المقدس کے سفر کے دوران میں نے دیکھا کہ اقامت کہنے والا جو کبھی کبھی امامت بھی کرتا ہے، سیدنا کا لفظ بڑھا کر ”اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰهِ“ کہتا ہے۔ میں نے نماز کے بعد کہا کہ اقامت کے اندر یہ لفظ مشروع نہیں، اسے آپ کیوں بڑھاتے ہیں؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ: اس لفظ کے بارے میں بیت المقدس اور یافا کے علماء کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا تھا، یعنی اسے کسی بدعتی نے ایجاد کیا تھا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اذان و اقامت کے جو الفاظ وارد ہیں۔ انھی پر اکتفا مناسب ہے، اضافہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ”سیدنا“ کا لفظ بڑھا لینا مستحب ہے۔ پھر یہ اختلاف شدید ہو گیا اور رسالہ بازی ہوئی، معاملہ تقریباً حد سے تجاوز کر چکا تھا، اب ہم مستحب کہنے والوں کی پیروی میں اس لفظ کو اقامت میں بڑھا لیتے ہیں تاکہ مزید نیل و قال ختم ہو جائے۔

میں نے کہا کہ: میرے بھائی، اذان و اقامت کے الفاظ ماثور اور ذریعہ عبادت ہیں، انھیں خلف نے سلف سے تو اتر کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ جملہ کتب حدیث میں موجود ہے، کسی صحابی، تابعی یا فقیہ سے مذکورہ لفظ کی زیادتی کا مستحب ہونا ثابت نہیں، فقہار کی کتابیں تمہارے سامنے موجود ہیں اور تم انھیں کے مقلد ہو، پھر یہ بدعت کیسی؟ مشروع کلمات میں چند الفاظ کا بڑھانا جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثبوت نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ہر مقام کے لئے ایک مخصوص کلام ہونا ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا سیدنا اور ابن سیدنا کہہ کر مخاطب کرنے سے منع بھی فرمایا ہے، چنانچہ امام نسائی نے بسند جید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے،



کچھ لوگوں نے کہا: یَا رَسُولَ اللَّهِ، يَا خَيْرَ نَاوِ ابْنِ خَيْرٍ نَاوِ سَيِّدِ نَاوِ ابْنِ سَيِّدِنَا  
اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا الْقَوْلَ الْبَرَّ وَلَا يَسْتَهْوِ بِكُمْ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أُنْزِلَنِي اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔  
لوگو! تم اپنی بات کہو، شیطان تمہیں بہکا نہ سکے۔ میں محمد، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو اس مرتبہ سے اوپر اٹھاؤ جس پر اللہ عزوجل نے رکھا ہے۔

ابوداؤد نے بندہ جید عبد اللہ بن شخیر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بتایا کہ میں بنی عامر کے وفد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو ہم نے آپ کو کہا:

أَنْتَ سَيِّدُنَا (آپ ہمارے مالک ہیں) تو آپ نے فرمایا: اَلْسَيِّدُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی (مالک اللہ تعالیٰ ہے) ۱۷

اس کے باوجود ظاہریہ کی طرح ہم اس لفظ کے استعمال کو ممنوع نہیں سمجھتے۔ بدائع الفوائد کے مطابق امام مالک سے منقول ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کے بارے میں فرمایا کہ:

إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ میرا یہ نواسہ سید ہے۔ ۱۸

۱۷ صحیح حدیث ہے، اسے احمد (۳: ۱۵۳، ۲۴۱، ۲۴۹) نے سلم کی شرط کے مطابق بند صحیح اس سے روایت کیا ہے۔ ۱۸ یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابوداؤد نے کتاب الادب میں، احمد نے مند (۴: ۲۴)

(۲۵) میں ابن انس نے "عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" (۳۸۱) میں اور ضیاء الدین نے "المختارة" (۵۸: ۲۱۸۱) میں عبد اللہ بن شخیر سے فروغاً روایت کیا ہے، اس کی اسناد صحیح اور صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔

۱۹ صحیح حدیث ہے، اسے بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "الاروار" (۱۵۹۶)۔



جب سعد بن معاذ آئے تو آپ نے انہار سے کہا کہ:

قَتُولُوا السَّيِّدَ كُمْ اپنے سرزار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نویدِ اسادات (سر داروں کے سردار) اور خیر البشر ہیں۔ رہی شروع الفاظ

کی بحث تو مجھے معلوم نہیں کہ کوئی اس کے استنباب کا قائل ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ حافظ ابن حجر

کا ایک فتویٰ ہے جس میں سوال کیا گیا ہے کہ درودِ ابراہیمی میں ”سیدنا“ کا لفظ بڑھا سکتے

ہیں یا نہیں؟ انھوں نے جواب میں لکھا ہے کہ ماثورہ کلمات میں اضافہ جائز نہیں، غیر ماثورہ میں

اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس فتویٰ کو میں نے اربعینِ جلدونیہ کی شرح میں ذکر کیا ہے، اسے

ملاحظہ کریں۔

خلاصہ یہ کہ اتباعِ بدعت نکالنے سے بہتر ہے۔ بعض نقلی فقیہوں کا یہ قول تعجب انگیز

ہے کہ چونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اس لئے اس کو ذکر کرنا چاہیے۔ ہمارا سوال

ہے کہ کیا تم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم حضرت ابوبکر و عمر، عثمان و علی وغیرہ سے زیادہ کرتے

ہو؟ ان کی اذان کے الفاظ کو بے شمار راویوں نے نقل کیا ہے، کسی میں سیدنا کا اضافہ

نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ تعظیم کے معنی نہیں سمجھتے۔ آپ کی تعظیم کا مطلب یہ ہے

کہ آپ کے طریقہ کی پیروی بلا کسی کمی، زیادتی، یا بلا بدعت و انحراف کی جائے۔ القاب و

آداب کا اضافہ چونکہ عجیوں کا دستور تھا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے

تھے، خدا ہمیں جہالتِ مذہبی اور سنتِ نبوی کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔

لے متاخرین کے یہاں اسی طرح مشہور ہے، اور انھوں نے اس سے آئینا لے کر خاطر قیام پر اتار لال کیا ہے۔

لیکن اس کی کوئی اصل نہیں، حدیث کے محفوظ الفاظ اس طرح ہیں ”اِنَّ سَيِّدَ كُمْ“ جیسا کہ بخاری

وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ”الاحادیث الصمیمہ“ (۶۷)

۷ مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب ”صفة صلوٰۃ النبی“ ص ۱۵۸، ۱۶۲ (ناصر الدین)

⑨ نمازوں کے بعد بلند آواز سے آمین کہنا اور ماثور ورد کو

## چھوڑ کر درود کمالی پڑھنا

بعض مسجدوں میں جب امام عصر کی نماز کا سلام پھیرتا ہے تو مؤذن چلا کر آمین کہتا ہے اور دعا پڑھتا ہے۔ اور بعض مسجدوں میں جب امام سلام پھیرتا ہے تو مقتدی بلند آواز سے درود کمالی پڑھتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے کیونکہ مسنون یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہر شخص آہستہ آہستہ ماثور اور ادھر پڑھے، اسی طرح دعا کے آداب میں ہے کہ آہستہ دعا رک جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (الاعراف ۵۵) اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی کیساتھ پکارو۔

لیکن یہ لوگ تضرع و آہستگی کے بجائے شور و شغب کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، جب فی سکو مال، امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو نواوان سمجھ لیا جائے، دین کے علاوہ دوسرے مقصد کے لئے علم سیکھا جائے، مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور مال کی نافرمانی کرے، باپ کو دُور کر دے اور دوست کو قریب رکھے، مسجدوں میں آواز بلند ہو، فاسد آدمی قبیلہ کا سردار اور ذلیل آدمی قوم کا زعمیم بن جائے، شر کے دُرسے مرد کی تعظیم کی جائے، لونڈیوں اور گانے بجانے کا ہنور ہو جائے، شراب پی جائے اور امت کے پھلے لوگ اگلوں پر لعنت بھیجیں، تو ایسے وقت میں سرخ آندھی، زلزلے، زمین میں دھنسانے، مسخ کرنے اور سنگسار کرنے کا انتظار کرو اور ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے ہار ٹوٹنے پر موتی گرتے ہیں اے خدا کا بے پناہ شکر ہے کہ ۳۲۲ھ میں جامع منانہ سے عصر کے سلام کے بعد آمین کی

۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے، ملاحظہ ہو "الضعیفہ" (۱۷۷) اور "المشکوٰۃ" (۵۴۵)۔

بدعت کو دور کرنے میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی، ایک مصلیٰ نے مجھے نماز کے بعد بتایا کہ جب ایک شخص نے چلا کر آئین پکارا تو وہ سجدہ میں جانے لگا اور رکوع بھول گیا، ایک دن پہلے میرے پاس بیروت کے ایک عالم آئے تھے، عصر کی نماز کے بعد اس آئین سے انھیں گھرا ہٹ ہوئی، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے بڑے مؤذن سے بات کی اور کہا کہ مسجد کے امام اور مؤذنین کو شریعت کی مخالف چیزوں کو ختم کر کے ملامت سے بچنا چاہیئے، یہاں پر سب کے سب ایک عضو کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے مفید امور میں تعاون ہونا چاہیئے۔ بلند آواز سے آئین بولنے کی اکثر نے شکایت کی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ پھر ہم آہستہ آہستہ بولیں، میں نے کہا کہ اس چیز کو یکدم ختم کر دینا بہتر ہو یہ سن کر وہ مان گیا اور سب کو آئین چھوڑ دینے کا حکم دیدیا، پھر میں نے ان کو اس اظہار کی فضیلت بتائی اور کہا کہ جس چیز کا ممنوع ہونا ثابت ہو جائے اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔

## ① خطبہ جمعہ سے پہلے شعر خوانی

مسجدوں میں منبر کے مقابل چوتھے پر مؤذن اکٹھا ہو کر حلقہ بنا لیتے ہیں اور خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے چیخ چیخ کر درود پڑھتے ہیں، اور خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد تین درود پڑھتے ہیں اور ”وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ“ کے جملہ پر بے حد زور سے چیختے ہیں۔ بیروت کی بعض مسجدوں میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی آواز اچھی ہو، لغت پڑھتا ہے، یہ بے سود عمل ہے، سنت یہ ہے کہ امام کے منبر کی جانب جانے کے وقت کوئی شور و شغب نہ ہو، جب وہ منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن کھڑا ہو کر اذان دے۔  
کاش کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو ان جاہل مؤذنین کو ایسی حرکتوں سے روکے۔

## ⑪ اجتماعی طور پر موزنون کا تکبیر پکارنا

امام ابن الحاج نے ”المدخل“ میں اس بدعت کی منوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس سے ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ اذان دینے والے تکبیر میں دوسروں پر بھروسہ کر لیتے ہیں اسے کاٹتے اور جوڑتے ہیں، مثلاً ایک شخص اذان شروع کرتا ہے، پھر دوسرا شخص لفظ کے درمیان سے اپنی آواز ملا کر اسے بہت زیادہ اونچی کرتا ہے، اس طرح تکبیر جمع طور پر ادا نہیں ہوتی۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ ان کی چیخ و پکار سے خشوع و خضوع اور وقار و سکون ختم ہو جاتا ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ امام کو ان کا انتظا کرنا پڑتا ہے، مثلاً امام رکوع کے لئے تکبیر کرتا ہے اور رکوع میں چلا جاتا ہے، اس کے بعد مکرر تکبیر کہتے ہوئے اپنی آواز بلند کرتے ہیں اب یا نواں کی تکبیر ختم ہونے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے یا پھر ان کے تکبیر ختم کرنے کا انتظا کرے، دونوں صورتوں میں امام مقتدیوں کا تابع بن جاتا ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ عمل سنت کے مخالف ہے، کیونکہ مسجدوں میں اتنا بڑا مجمع نہیں ہوتا کہ ایک شخص کی آواز ان تک نہ پہنچ سکے، اگر کوئی اسے تسلیم نہ کرے تو اسے ضد پر محمول کیا جائے گا۔ انتہی۔

## ⑫ مخصوص نغموں سے تکبیر

تکبیر کا مقصد یہ ہے کہ امام کے پیچھے والے آواز سن لیں، اس کی اجازت اس لئے دی جاتی ہے کہ مصلیوں کی زیادتی کے وقت میں ہر شخص تک آواز نہیں پہنچ پاتی، ایسی صورت میں مکرر کو چاہیے کہ اپنی فطری آواز سے بلا تکلف تکبیر کہے اور آواز کو نہ تو کھینچے نہ

اس میں کسی طرح کا نغمہ پیدا کرنے کی کوشش کرے، وشن کی بعض بڑی مسجدوں میں مکبروں نے ہر رات کے لئے ایک مخصوص نغمہ متعین کر لیا ہے، یکشنبہ کے لئے صبا کا نغمہ، دو شنبہ کے لئے بیات کا، سہ شنبہ کے لئے نوبی کا، چہار شنبہ کے لئے سیکاہ کا، پنج شنبہ کے لئے عراق کا، جمعہ کے لئے حجاز کا، اور شنبہ کے لئے راست کا۔ ان کی عادت ہے کہ ابتدائی دو کھنوں کے لئے ہمیشہ راست کا نغمہ اختیار کرتے ہیں۔ اور آخری دو کھنوں کے لئے مذکورہ ترتیب کے مطابق نغمہ اختیار کرتے ہیں، تراویح کے لئے عراق کا نغمہ اور وتر کے لئے عموماً بیات کا نغمہ ہوتا ہے۔ نئے مکبر اگر ان نغموں کو صحیح طور پر مقررہ دونوں کے لحاظ سے کہہ نہیں پاتے تو ان پر ڈانٹ پڑتی ہے۔ تکبیر کا یہ بے حد نامانوس طریقہ ہے، ان نغموں کو بہ تکلف ادا کرنے سے تکبیر کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور خدا کی تعظیم و تقدیس کے کلمات شعر و نغمہ کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔

### ۱۳ بلا ضرورت تکبیر

دُورِ مختار کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ: بلا ضرورت آواز بلند کرنا جس طرح امام کے لئے مکروہ ہے اسی طرح مکبر کے لئے بھی مکروہ ہے۔ ابو السعد کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ: امام کی آواز اگر پہونچتی ہو تو ایسی صورت میں تکبیر مکروہ ہے۔ ائیمۃ الحلبیہ میں مذکور ہے کہ ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ بغیر ضرورت تکبیر بدعت اور مکروہ ہے لیکن اگر ضرورت ہو تو مستحب ہے۔ ”الفتح“ میں ہے کہ: ہمارے زمانہ میں جو تکبیر رائج ہے اس کا فاد ظاہر ہے، اس لئے کہ تکبیر میں بہت زیادہ شور کیا جاتا ہے اور نغمہ سرائی کے فن کا اظہار ہوتا ہے عبادت کی حیثیت ملحوظ نہیں رہتی۔ اکثر مسجدوں میں امام کی آواز کافی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود مکبر کی آواز سے خلل پیدا کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر علماء کی



راتے جاننے کے بعد مکبروں کو شہوری یا غیر شہوری طور پر عبادت خراب کرنے سے بچنا چاہیے

### ⑭ موزنوں کا کسی مخصوص ورد یا شعر کو نور سے پڑھنا

گذشتہ سطور میں جو ممانعت مذکور ہے اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ ادب کا تقاضہ ہے کہ آواز پست رہے۔ اشعار و قصائد کو مخصوص راتوں میں جو لوگ مسجدوں میں پڑھتے ہیں وہ اور زیادہ معیوب ہے، انا اللہ۔

### ⑮ مناروں پر غزلیات پڑھنا

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا کہ جو موزن منارہ پر چڑھ کر ایسے اشعار پڑھتا ہے جن میں احباب کی جدائی اور دُوری کا ذکر ہوتا ہے اسے اگر کوئی شخص روکے اور یہ حکم دے کہ تسبیح و تحمید اور مذہبی اشعار پڑھا کر دے، اس کا کیا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ: ہاں نوحہ، مرثیہ اور غزل پڑھنے والے کو روکنا چاہیے۔ اس لئے کہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں اور یہ مشروع ذکر نہیں، البتہ ایسے اشعار میں کوئی حرج نہیں جن میں آیات و اخبار اور توبہ و استغفار کے مضامین درج ہوں، واللہ اعلم۔

**فائدہ:** سیوطی نے "الاوائل" میں لکھا ہے کہ: مصر کے منارے پر سب سے پہلے اذان کے لئے چڑھنے والے شرجیل بن عامر ہیں۔ سلمہ نے معاویہ کے حکم سے اذان کے لئے منارے بنوائے تھے، اس سے پہلے ان کا وجود نہ تھا۔ ابن سعد نے ام زید بن ثابت سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ: میرا گھر مسجد سے متصل گھروں میں سب سے طویل تھا موزن اول حضرت بلالؓ اسی پر سے اذان دیتے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کرائی

(اسلامیہ حدیث جن ہے، ۱۰ سے میں نے "صحیح السنن" (۵۳۲) مع تخریج ذکر کیا ہے۔



تو بلال مسجد کی ایک اونچی جگہ سے اذان دینے لگے۔

## ①۶ رمضان کے الوداعی اشعار

اکثر مسجدوں میں یہ قبیح عادت موجود ہے، رمضان کی جب پانچ یا تین راتیں باقی رہ جاتی ہیں تو مؤذن اور نفل خواں اپنے ساتھیوں کو جمع کر لیتے ہیں، جب امام رمضان کے وتر کا سلام پھیر کر فارغ ہوتا ہے تو یہ لوگ مسنون تسبیح چھوڑ کر ایسے منظوم قطعات پڑھنا شروع کرتے ہیں جن میں رمضان کے گزرنے پر انوس کا اظہار ہوتا ہے، ایک قطعہ ایک شخص بلند آواز سے پڑھ لیتا ہے تو اس کے تمام ساتھی اس کو دہراتے ہیں، یہ لوگ اس قدر شور کرتے ہیں کہ کان پھٹنے لگتا ہے، دوسرے مصلی بھی ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں چونکہ لوگوں کو معلوم رہتا ہے کہ یہ الوداعی راتیں ہیں، اس لئے مسجد کے اطراف، اس کے دروازوں، چبوتروں اور صحن میں مرد، عورت، بچے اور جوان سب اس طرح جمع رہتے ہیں کہ انھیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس بدعت سے کئی اور بدعتیں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً مسجد میں شور مچاتا ہے جو سخت مکروہ ہے، اور ذکر و عبادت کے مقامات پر نغمہ و طرب کا ماحول قائم ہو جاتا ہے اور عورتیں و بچے نماز ختم ہونے کے بعد تفریح و سماع کے لئے مسجد آتے ہیں، اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، اور مسجد گندی ہوتی ہے جس سے اس کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ سلف کے زمانے میں اگر یہ بدعتیں رونما ہوتیں تو وہ بدعتیوں کا ہاتھ پکڑ لیتے اور پوری توت سے ان کا مقابلہ کرتے، اللہ ہمارے حال کی اصلاح فرمائے۔

ایک عجوبہ یہ بھی ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کو خطیب رمضان کی جدائی پر ربیع کا اظہار کرتے ہوئے مختلف قسم کے جملے کہتا ہے، مثلاً:

لَا أَوْحَشَ إِلَهُكَ يَا شَهْرَ الْمَعَاتِيحِ لَبَّ بَارَكْتَ مِينَ اللّٰهِ تَبَرَّيْ طَرَبْ وَحَشْتَ زَبِيدَا كَرَبْ

لَا اَوْحَشَ اللّٰهُ مِنْكَ يَا شَهْرَ الْمَعَاتِيْمِ اے بابرکت مہینہ اللہ تیری طرف سے وحشت نہ پیدا کرے  
 غور کا مقام ہے کہ رمضان جیسے با عظمت مہینہ کے آخری جمعہ کو اس طرح کی لایعنی چیزوں  
 میں گزار دیا جاتا ہے، جبکہ لوگوں کو ضرورت راتنی ہے کہ انہیں صدقہ فطر، فقراء کی غم خواری  
 اور رمضان کے روزوں سے پیدا ہونے والے کمالات کے تحفظ کے بارے میں بتایا جائے  
 اور ان مسائل کی تشریح کی جائے جن کا عید الفطر سے تعلق ہے۔ ذیل میں ایک قابل تقلید خطبہ کا  
 ترجمہ ہم درج کرتے ہیں، یہ دونوں کی طہارت کے لئے بہترین نصیحتوں پر مشتمل ہے :  
 ” اے شخص ! نصیحتوں کو حضور قلب سے سُنو تو فائدہ ہوگا، جب دریا بہہ رہا  
 ہو اور تم اپنے کھیت کے لئے نالی نہ کھودو تو پانی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔  
 امن کی کشتی میں سونے والے ! اپنے سکون کو نہ دیکھو، تمہیں چلایا جا رہا ہے  
 لیکن تم محسوس نہیں کر پا رہے ہو۔ اللہ کے بندو ! اس کی نعمت کا شکر کرو کہ اس  
 نے تمہیں رمضان کے روزے میسر کئے اور ایمان کی دولت بخشی، اس کا حکم تمہیں  
 اُس ذات نے دیا ہے جس کی روشنی سے لوگ راہ پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا  
 ارشاد ہے :

وَلْتَكْمِلُوا الْعِدَّةَ عَلَى مَا  
 هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ  
 تاکہ تم گنتی پوری کر سکو اور مبتلائے  
 ہوئے طریق پر خدا کی بڑائی بیان کرو  
 (البقرہ - ۱۸۵) تاکہ تم شکر یہ کرو۔

ماہ رمضان کو اوداع کہتے ہوئے کوتاہی پر بکثرت استغفار کرو اور مسلسل جدوجہد  
 کا عزم کرو۔ رمضان کا مہینہ متقیوں کے لئے چمن اور تفریح ہے اور غافلوں کے  
 لئے بیڑی اور قید ہے۔ نیکوں کے لئے اس میں دل چسپی ہے اور بُروں کیلئے  
 پابندی۔ گناہ پر اصرار کی گرہ جو اس مہینہ میں کھول دے اور محتاجی کی منزل میں

تقویٰ کے چین کے اندر اتر پڑے اُس کے لئے خوش خبری ہے :

”اللہ کے بندو! کون سا مہینہ ہم سے رخصت ہو کر جا رہا ہے! اگر ہم سمجھ سکیں تو اس کی جدائی پر ہمیں خون کے آنور و ناچا بیٹے، غفلت میں جو مہینہ گزر گیا اس پر ماتم کیوں نہ روئیں؟ جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہماری عبادت مقبول ہوئی یا مردود؟ کاش ہمیں یہ معلوم ہو سکے کون محروم و مردود ہے، اور کس کے روزے مقبول ہوئے تاکہ اسے ہم مبارکباد دیں،

یہ مہینہ ہمارے لئے نور و جمال کا مہینہ ہے۔

اے اللہ! اس کا انجام بھی نور و جمال بنا دے“

بقیہ مہینہ تم بھی کوشش کرو، اور جو تقصیر ہوئی ہے اس کی تلافی کی کوشش کرو۔ بہت سے یوم الفطر کی تیاری کرنے والے عید کے دن قبر میں پہنچ جاتے ہیں، بھائی بند، اور دوست و یا سب چھوٹ جاتے ہیں بہت سے لوگ جو رمضان کی رعایت، ثواب اور شیریں خواب کی طرح کرتے ہیں، اس مہینہ میں گمراہیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور نیکیوں کی راہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگ اسے خواہشات کے حصول اور بیکاری کا مہینہ سمجھتے ہیں، کچھ لوگ توبہ و استغفار میں کوتاہی کرتے ہیں اور قبولیت سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو رمضان میں دُہرا گناہ ہوتا ہے، یہ خارے پر خارہ اٹھاتے ہیں اور آخرت کا کوئی سامان نہیں کر پاتے۔

①۷ جامع اموی میں بدعتوں کے وجود اور متقدمین کی اس پر

خاموشی کا کوئی اعتبار نہیں

دُشمن کے بعض لوگ جامع اموی میں (جسے شام کی مسجدوں کا سردار مانا جاتا ہے) ان بدعتوں کے وجود اور علماء کی ان پر خاموشی سے بہ استدلال کرتے ہیں کہ وہ بدعتیں مستحسن ہیں یہ دلیل

اُن بہت سے اُمور میں پیش کی جاتی ہے جو علماء کے تساہل سے رواج پا جاتے ہیں، کسی عامی شخص کو جب کسی بدعت پر ملامت کی جاتی ہے اور صحیح راہ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے تو وہ اپنے شیخ یا کسی عالم کے فعل یا کسی جگہ کے رواج سے استدلال کرتا ہے اور اسی بنا پر اس بدعت کو مشروع یا محسن سمجھتا ہے، حالانکہ یہ دھوکہ ہے، کیونکہ مناجح کا فعل یا ان کی رضامندی شرعی دلیل نہیں۔ شریعت عبارت ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول معصوم کی سنت سے، آپ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کا فعل دین کیلئے حجت ہوتا تو اس سے شریعت میں بڑی خرابی پیدا ہوتی، کیونکہ کوئی بھی شخص جب کسی چیز کو اچھی سمجھتا اور اسے کرتا، یا کسی چیز کو بُری سمجھتا اور اسے چھوڑتا تو دوسرے لوگ اس کی اقتدا کرتے اور اس طرح دین منسوخ ہو جاتا، نفوذ باللہ۔ حالانکہ شریعت قرآن و سنت کے مطابق ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ کوئی شخص اگر شریعت کے خلاف کوئی کام کرے گا تو اسے رد کر دیا جائے گا، اسی طرح شریعت کے خلاف کسی بھی قول و فعل کی پیروی نہیں کی جائے گی، نہ کسی جگہ کو احکام کی تشریع میں کوئی اہمیت دی جائے گی، خواہ وہ کتنی ہی برتر جگہ کیوں نہ ہو۔ پھر ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ بدعات پر علماء کی خاموشی کا سبب بھول چوک تھی یا سہو و عدم تفکر یا کمزوری یا جاہلوں کا ڈر۔ ہاں ارباب اقتدار کا کوئی عذر البتہ مقبول نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں طاقت ہے اور انھیں سنت کا علم بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دمشق کی جامع اموی اور اس طرح کی بڑی مسجدوں میں حالات کی اصلاح ہو جائے تو تمام مسجدوں کی اصلاح ہو جائے گی، اصلاح کرنے والوں کو اس کے لئے برابر کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا۔



# باب چہارم

خاص وعام اسباق کے بیان میں

## ① بعض مدرسین کا تعصب

مسجدوں میں بہت سے علماء، طلباء کو درس دیتے ہیں، ان مدرسین میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جن میں تعصب نہ ہو، اسی وجہ سے جن مسجدوں میں مدرسین زیادہ ہوتے ہیں ان میں علمی منہگامے ہوتے رہتے ہیں، ان منہگاموں کا اصل سبب تعصب ہوتا ہے۔ مثلاً فقہ کامدرس جس میں دانائی کم ہوتی ہے جب فقہ کا درس دیتا ہے تو مخالف مذہب کی حق تلفی کرتا ہے، اسے کچھ سمجھنا نہیں۔ اس رویت کی بنا پر جب طلباء اس کے درس سے نکلنے ہیں تو ان کے اندر بھی غیر معمولی جوش و تعصب رہتا ہے، وہ اپنے مسلکی مخالفین کو باطل پرست تصور کرتے ہیں اور ان کی اقتدار کو ناجائز بتاتے ہیں، حالانکہ اسلاف کرام سے ایسا کوئی فعل ثابت نہیں۔ اسی طرح مضبوط دلیل کے مقابلہ میں کمزور دلیل کی حمایت میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں، مرسل حدیث کو مسند کے مقابلہ میں اور شیخین کی روایت پر دیگر محدثین کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ یہ انصاف سے بعید ہے۔ اس لئے فقہ کے مدرس کا فرض ہے کہ وہ دلائل پر قوی نظر رکھتے ہوئے طلباء کو فروغی مسائل کی تعلیم دے، ان کے دلوں میں تمام ائمہ و مجتہدین کی محبت و احترام پیدا کرے، پھر یہ بتائے کہ وہ جس فقہ کو پڑھا رہا ہے وہ فلاں مذہب کی ہے اور وہ اسے اس لئے پڑھا رہا ہے کہ اسی مذہب پر اس کی نشوونما ہوئی ہے

لیکن ساتھ ہی یہ اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ دوسرے مذہب کے پیرو بھی خیر و ہدایت اور تقویٰ کے مستحق ہیں، سب ایک دین اور ایک کتاب کے پیرو ہیں، اسی دین کی برکت سے ہم بھائی بھائی ہیں۔ دوسرے مسلک والوں کی اقتدار و اتباع کے جواز کا بھی یقین رکھنا چاہیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دلوں کو جوڑنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا توڑنے کے لئے نہیں۔ اس طرح درس سے طلباء کے دلوں میں ائمہ و تابعین کی محبت پیدا ہوگی اور وہ فقہ کو لڑائی کا محرک بنانے کے بجائے دوسروں کے دلائل کو سمجھنے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں گے، ”وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُولِ اللَّهِ مَلْمُوسٌ“ والے جملہ کا یہی مفہوم ہے کہ ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث کے مدرس کو چاہیے کہ وہ نصب کو ختم کرے اور دلوں کو جوڑنے کی تدبیر کرے۔ اکثر دانشوروں کو فقہ میں حدیث سے تعصب کا شکوہ ہوتا ہے جس سے فقہاء کے تعصب کے مقابلہ میں زیادہ بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں، جب ایک مدرس حدیث جس میں مصلحت بینی کا جوہر نہیں ہوتا، حدیث کا درس دیتا ہے اور کسی مختلف فیہ مسئلہ میں استدلال کرتا ہے تو اپنی مؤید حدیثوں کی خوب خوش ہو کر تشریح کرتا ہے، درس میں اگر کوئی محدود فکر کا متقلد رہتا ہے جس کے امام اس حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے تو اس کے منہ پر رنج و غم کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر مجلس میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور مسلکاً وہ باہم مختلف ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں بحث و مباحثہ اور حیلہ و تعقّف کا سلسلہ طویل ہو جاتا ہے، مدرس بھی کسی ایک فریق کے ساتھ ہو جاتا ہے اور حدیث کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دل شق ہونے لگتا ہے۔ ان اختلافات کو ختم کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ مدرس لوگوں پر اپنا رعب قائم رکھے اور وقار و دانشمندی کے ساتھ درس دے، اگر درس میں کوئی ایسی حدیث ہو جس پر کسی امام کا عمل نہ ہو بلکہ وہ دوسری حدیث کو مانتا ہو تو اس وقت میں مدرس



کو یہ کہنا چاہیے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم ہے اور اسی کو فلاں امام نے اختیار کیا ہے، اور ان کے علاوہ دوسرے امام نے دوسری حدیث پر عمل کیا ہے، کیونکہ پہلی حدیث یا تو انھیں مل نہیں سکی، یا دوسری حدیث کو انھوں نے زیادہ قوی سمجھا۔ ائمہ کی نگاہ میں وقت پسندی ہوتی ہے، صحیح حدیث محض صحیح ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے استدلال کی دوسری شرطیں بھی ہیں جن کا ذکر اصول حدیث میں موجود ہے۔

اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ ائمہ کا مقصد دین کی مدافعت و حفاظت ہے، اس لئے مذکور طریقہ پر عمل کرنے والے سمجھی ہدایت و دلیل کی راہ پر مانے جاتیں گے، اس کے بعد یہ بنانا چاہیے کہ مختلف آرام کے ماہین ترجیح کا کام وقت نظر کا طالب ہے، مختلف اسباب کی وجہ سے ایک امام کسی رائے کو ترجیح دیتا ہے اور دوسرا دوسری رائے کو، مگر یہ اختلاف طاعت کا موجب نہیں۔ یہ بات البتہ قابل انفس ہے کہ کسی دلیل کی قوت کا علم ہونے کے بعد بھی تاویل کی جائے اور اسے تسلیم نہ کیا جائے۔ عقل و فہم قدرت کا بہت عظیم عطیہ ہے، اسے ہر معاملہ میں استعمال کرنا چاہیے، جب کسی دلیل کی قوت ظاہر ہو جائے تو اسے حق ہونے کی وجہ سے مان لینا چاہیے، اس لئے نہیں کہ وہ کسی خاص مذہب کے موافق ہے، کیونکہ لوگ حق سے پہچانے جاتے ہیں حق لوگوں سے نہیں پہچانا جاتا۔ اس طرح نرمی اور دانائی سے دلوں میں محبت کا جذبہ اور ذہن و فکر میں صحیح استدلال کا ڈھنگ پیدا کرنا چاہیے، جو لوگ تعصب اور جماعت بندی پر جمے رہتے ہیں، صحیح اور قوی مسلک سے کوئی محبت نہیں رکھتے اور اس بارے میں غور و فکر کی زحمت نہیں اٹھانا چاہتے ان کے لئے حدیث پڑھنا حرام ہے، ایسے لوگ حدیث سے کھیل کریں گے اور اس کی تقدس کو ٹھیس پہنچائیں

لہٰذا میں کہتا ہوں کہ یہ تحریر محل نظر ہے، اس قاعدہ کو عام کرنے سے لازم آئے گا کہ ایسے متعصبین کے لئے قرآن کی تلاوت بھی حرام ہو، حالانکہ یہ صحیح نہیں، صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے کو حدیث پڑھنے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے گا اور حدیث کے معاملہ میں تعصب اور تاویل سے باز رہنے کی تلقین کی جائے گی (ناصر الدین)

گے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی سودا ایسے آدمی کے سامنے پیش کیا جائے جو اسے لینا نہ چاہتا ہو، اس پیش کش کا نتیجہ کیا ہوگا، سب جانتے ہیں۔

مدرس حدیث کے بارے میں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر اس نے صحیحین پڑھی ہے، اور ان کے علاوہ کسی کتاب میں کوئی ایسی بات اسے ملی جو صحیحین کی مخالف ہے تو وہ دونوں کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ دوسری روایت صحیحین کی شرط پر نہیں ہے اس لئے اسے اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں، تطبیق کی بات تو دور کی ہے۔ یہ کبھی دوسری روایت ضعیف یا منکر ہوتی ہے، اور اس کے اسباب سے حید علماء باخبر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اس روایت کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کسی شارح نے اسے ذکر کیا ہو تو یہ دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ شارحین جو کچھ ذکر کرتے ہیں اس کی پیروی ضروری نہیں۔ معاملہ سے متعلق شخص کو فقہ کے ساتھ دوسرے علوم کا جاننا بھی ضروری ہے مثلاً تاریخ، طب، اصول اور حکمت وغیرہ، مزید یہ کہ اس کے اندر اسرار شریعت کو سمجھنے کا ذوق ہو، ورنہ تاریکی میں بھٹکتا رہے گا۔

نقلی علوم میں تعصب کی طرح عقلی علوم میں بھی مدرسین کے تعصب کی داستان افسوسناک ہے۔ اکثر مدرسین نحو میں بصری مذہب کی تائید اور کوئی مذہب کی تردید کرتے ہیں، شواہد و دلائل کی انھیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی، حالانکہ دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ تاویل کو چھوڑ کر دلیل کی پیروی کی جائے۔ ابو حیان نے بہت عمدہ بات کہی ہے کہ: بصری یا کوئی مذہب کی اتباع

سہ میں کہتا ہوں کہ یہ اصطلاح حدیث کے قاعدہ کے خلاف ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ دو متعارض حدیثیں اگر از قسم مقبول ہوں تو ان کے مابین تطبیق ضروری ہے، اور مقبول میں صحیح اور حسن دونوں داخل ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے شرح مغربہ میں واضح کیا ہے، خصوصاً جبکہ سنن وغیرہ کی بعض حدیثیں صحت میں صحیحین کی بعض حدیثوں کے مائل یا کبھی اس سے اعلیٰ ہوتی ہیں۔ (ناصر الدین)

میں خدا کی عبادت کا سوال نہیں، صرف قوی دلیل کی پیروی ہونی چاہیے۔

اسی طرح اصول کا طالب علم بھی غور و فکر کے بغیر کتاب میں مصنف کے رویت کی طرف داری کرتا ہے، حالانکہ یہ دانش مندی کے منافی ہے۔ مدرس کا فرض صرف یہ ہے کہ وہ صحیح طور پر غور و فکر کرے، اور لعن طعن کے بغیر مسائل کی چھان بین کرے، اسی کے ساتھ اپنے مصاحبین پر بھی نظر رکھے اور ان کے دلوں میں الفت و محبت کا بیج بونے اور اللہ کا تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

## ② عام اسباق میں بعض مدرسین کا تساہل

عقول کو جلا دینے اور اخلاق کو مہذب بنانے میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، اسی بنا پر ضروری ہے کہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے والا دانش مندی، وسعت معلومات، فروعی مسائل سے واقفیت اور شریعت میں ملحوظ آسانی کے علم سے متصف ہو۔ معلم کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ تعلیم کے لئے ایسی کتابوں کا انتخاب کرے جن میں عبادات، معاملات اور اخلاق کے موضوعات پر مضامین موجود ہوں، اور ان میں وہی نیا ہی باتیں، کمزور روایات، فرضی مسائل اور فضول چٹکلے نہ ہوں۔ کیونکہ ضعیف حدیثوں کی روایت کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ایسی روایتیں بیان کرنا ممنوع ہے، جو بیان کرے وہ دھوکہ باز اور گمراہ ہے۔ قرآن کی حکم آیات اور حدیث کی صحیح روایتوں کی موجودگی میں ایسی چیزوں کی کوئی حاجت نہیں۔ ترغیب و ترہیب کا کام ان مہمل روایتوں کے بغیر بخوبی پورا ہوگا، قرآن نے کسی ضروری چیز کو بیان کرنے میں بغل نہیں کیا ہے۔ اصول حدیث کے علمائے نے یہ بھی کہا ہے کہ ضعیف حدیث کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ خرافات قسم کی ایسی حکایتیں جنہیں عقل سلیم قبول نہ کرے اور صحیح علم جن کی تردید کر رہا

ہوا انھیں تفریح طبع یا انوکھے پن کے خیال سے عوام کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیئے، اس سلسلہ میں بعض لوگ یہ سہارا لیتے ہیں کہ فلاں مصنف نے انھیں اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، لیکن یہ سہارا قابل توجہ نہیں کیونکہ ہر کتاب میں صرف صحیح باتیں ہی مذکور نہیں، بلکہ تفسیر، سیرت اور وعظ و نصیحت کی اکثر کتابوں میں موضوع قصے، من گھڑت حکایتیں اور فرضی مسائل بکثرت مذکور ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ مدرس ان میں صحیح باتوں کو منتخب کرے اور غلط باتوں کو نظر انداز کر دے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ناقابل معافی گناہ کا مرتکب ہے۔

رہے فرضی مسائل تو ان میں قیمتی وقت ضائع کرنا فضول ہے، ایسے مسائل کی تخلیق وسعت علم کی بات نہیں جیسا کہ نادانوں کا خیال ہے، بلکہ یہ علم کی پیشانی کا داغ ہے۔ وسعت علم، دین کے اصول و اسرار اور قرآنی آیتوں کے اشارات کو جاننے سے پیدا ہوتی ہے، اسی پہلو پر توجہ دینی چاہیئے اور اس کے ثمرات کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

فضولیات کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک فن کی تعلیم کے وقت دوسرے فن کا کوئی مسئلہ

سید علوی ستاف کی کتاب ”مختصر الفوائد المکیہ“ کے خاتمہ میں ”المشروع الروی“ کے حوالے سے بعض ان کتابوں، حدیثوں، اور حکایتوں کی نشاندہی ہے کہ جن کو ہاتھ لگانا ناجائز و مناسب نہیں سمجھیں ایمبار کے ان قصوں کو بھی سننا یا سنانا غلط ہے جنہیں فتوح الشام وغیرہ میں مؤرخین نے ذکر کیا ہے، کیونکہ ان میں سے اکثر موضوع یا غیر معتبر افراد سے منقول ہیں، ستاف نے مزید کہا کہ ”نزمۃ المجالس“ وغیرہ کتب کا جن میں حتی و باطل دونوں گڈ مڈ ہیں، پڑھنا حرام ہے۔ محدث و شوق امام برہان الدین نے ان کے پڑھنے والوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور ان میں سے چند روایتوں کو امام بیوطی کے سامنے پیش کر کے ان سے فتویٰ طلب کیا ہے بیوطی نے جواب میں کہا کہ ان میں سے بعض مقبول احادیث ہیں اور بعض میں کلام ہے، انھوں نے ایسی چابیش حدیثیں شمار کی ہیں اور کہا ہے کہ ان کے علاوہ سوال میں وارد تمام حدیثیں قطعاً باطل ہیں۔



اس میں بیان کیا جائے۔ اس سے عوام کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا، البتہ لوگ یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ مدرس علم کا سمندر ہے۔ اس سے ریار کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جو مسائل کسی مخصوص دور یا جگہ کے ساتھ مربوط تھے اور اب ان کا وجود نہیں، انھیں بھی عوام کے سامنے ذکر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے وقت ضائع ہوگا اور کسی کو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے احتیاط برتیں اور اپنے دور کے دانشوروں کی تنقید کے سامنے ڈھیر نہ ہو جائیں، اپنی عزت و وقار، اور افادیت کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنا چاہیے۔ امام مالکؒ نے کتنی عمدہ بات کہی ہے کہ:

اَلْعَالِمُ الْبَصِيصُ بِرَمَانِهِ - عالم اپنے دور سے واقف رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی امور صحیح طور پر بحال لانے کی توفیق دے۔ آمین۔

### ③ نا اہل شخص کو مدرس بنانا

ہر شخص کو معلوم ہے کہ عام و خاص تدریس جس کے ذمہ کی جاتی ہے وہ اس کام کے لئے مختار اور علم و فضل میں معروف ہوتا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ امت کے اخلاق کی نگرانی کرے اور اسے صحیح علم، سنت نبوی، دینی شعور، آیات کی شان نزول اور مسائل کے استنباط سے آگاہ کرے۔ لیکن انوس کہ بعد کے لوگوں نے اس باب میں سلف کی روایات کو باقی نہیں رکھا اسلاف آسمان علم و فضل اور تقویٰ و دھارت کے چمکتے ستارے تھے، لیکن بعد کے لوگوں نے علمی میدان میں کسی ترقی کے بجائے بیکار کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنا شروع کر دیا، شب بیداری کی محفلوں میں بیٹھ کر چائے پینے، نفات سننے، بالاسری بجانے، لطیفے ننانے اور بیکار باتوں میں وقت ضائع کرنے سے انھیں دل چسپی پیدا ہو گئی۔ اب یہ علمی ادارے اپنی اصل روح سے خالی ہو چکے ہیں اور یہاں پر صلاحیت و قابلیت کے بجائے موروثی طور پر تقرر ہوتے

ہیں۔ جاہل لوگ بڑے بڑے عہدوں پر قدم جما چکے ہیں اور شریف و باصلاحیت افراد اپنا دامن بچانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔

## ④ نااہل شخص کو مدرس یا متولی بنانا اور نخواستہ دنیا جاتز نہیں

بعض علماء نے <sup>۱</sup> ”درسین و طلباء“ کے زیر عنوان ایک مقالہ لکھا ہے جس میں مذکور ہے کہ: میں اکثر عام لوگوں سے درسین و داعظین کی جہالت کی شکایتیں سنتا رہتا ہوں چونکہ امتحان کی تاخیر سے علمی و دینی نقصان ہو رہا ہے اس لئے میں اس مقالے کے ذریعہ عام لوگوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں اور بنیادی قانون کی دفعہ (۱۱) کے مطابق جو کمیٹی مقرر ہوئی ہے اس کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ وہ نااہل مدرسین سے چھٹکارا حاصل کرے۔ نااہل لوگوں کے تقرر سے نااہل طلباء کا بڑا نقصان ہوتا ہے اور حصول علم کی آرزوؤں پر پانی پھر جاتا ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ مال و مناع کی طرح علمی مناصب کی تقسیم بھی بطور وراثت ہوتی ہے اور مستحق افراد محروم ہو جاتے ہیں۔

دمشق جیسے شہر میں ابن عاکر، ابن تیمیہ اور ابن عابدین وغیرہ چوٹی کے علماء پیدا ہوئے، لیکن آج یہ شہر علمی اجارہ داری کی بنا پر باصلاحیت علماء سے محروم ہے، نااہلوں کو علمی مناصب پر مقرر کرنے والوں کو شاید یہ علم نہیں کہ قوم جب خواب غفلت سے بیدار ہوگی تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرے گی اور متقدمین فقہاء کے اقوال کی مدد سے ان نااہلوں سے چھٹکارا حاصل کرے گی جنہوں نے دین کی عظمت کو خاک میں ملانے کی کوشش کی ہے اور اسلام و مسلمین کے لئے باعثِ عار بن گئے ہیں۔

علم کے جھوٹے مدعیوں کو ابن عابدین (ج ۲ ص ۳۵۲) کا بیان ملاحظہ کرنا چاہیے:

”لہ دمشق کے میگزین“ المقتبس ”شمارہ ۴۵ میں۔



اشباہ میں مذکور ہے کہ: حاکم اگر نااہل مدرس کا تقرر کرنے تو اس کا تقرر صحیح نہ ہوگا، کیونکہ تدریس کا مقصد طلباء کا مفاد ہے اور نااہل شخص انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اسی طرح اگر وہ کسی اہلیت والے مدرس کو معزول کرے گا تو وہ معزول نہ ہوگا۔ ”معبدا النعم و معبدا النقم“ میں مذکور ہے کہ: اگر مدرس تدریس کے لائق نہ ہو تو اسے تنخواہ لینا جائز نہیں۔ آگے لکھا ہے کہ: اگر کوئی امام یا مدرس فوت ہو جائے تو اس کا منصب اس کے چھوٹے لڑکے کے حوالے کرنا درست نہیں۔ انتہی..... لیکن بعض علماء نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ مرنے والے کے چھوٹے لڑکوں کو اس کے منصب پر برقرار رکھنا چاہیے تاکہ ان کی مدد ہو سکے اور وہ بھی علم سے اپنا تعلق استوار کر سکیں۔ ابن عابدینؑ لکھتے ہیں کہ: اس صورت میں ہم یہ شرط لگائیں کہ بیٹا علم سے اپنا تعلق استوار رکھے۔ لیکن اگر اس نے علمی مشغلہ ترک کر دیا ہو تو پھر اسے اس منصب سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی صورت میں اصل مقصد فوت ہو جائیگا۔ انتہی ان وضاحتوں کے بعد جاہل ائمہ و مدرسین کو ان کے منصب پر برقرار رکھنا اور تنخواہوں سے نوازنا درست نہیں، تنخواہ میں انھیں جو رقم دی جاتی ہے اسے بچا کر عوام کے فائدے والے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے تاکہ وقف کرنے والوں کا اصل مقصد حاصل ہو۔

## اہل خیر کی عہدوں سے بے نیازی

تاریخ و تراجم کی کتابوں میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ تدریس و امامت پر مقرر علماء نے اپنے عہدوں سے دستبردار ہو کر بہتر لوگوں کا ان پر تقرر کر دیا۔ اس سلسلہ میں اہل شام کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں، گذشتہ صدی کے شروع میں ”بنی مرادی“ کے ایک مفتی نے جو تکیہ سلیمانیہ میں رجب اور شعبان کے مہینوں میں ہر جمعرات کو حنفی فقہ کی کتاب ”ہدایہ“ کا درس دیا کرتے تھے، مشہور محدث شیخ احمد عطار کے لئے اپنا منصب چھوڑ دیا اور

انہوں نے ہدایہ کی جگہ بخاری شریف کا درس شروع کر دیا کیونکہ وہ مسلک اشاعی تھے۔ مفتی موصوف کا یہ اقدام ان کی عقل و دانائی کا واضح ثبوت ہے کیونکہ شیخ موصوف درس و تدریس کے لئے وقف تھے۔

اسی طرح سید محمد عطار نے قبة نسریں بخاری شریف کے درس کی ذمہ داری شیخ یوسف معروف بہ ابن شمس کے حوالے کر دی جو وفات تک درس دیتے رہے۔ قبة نسریں میں احمد آفندی مینینی نے حدیث کی تدریس شیخ سعید حلبی کے حوالے کر دی پھر ان کے لڑکے شیخ عبداللہ حلبی اس ذمہ داری کو انجام دینے لگے۔

حسنی آفندی کی وفات کے بعد مفتی دمشق کا منصب ان کے لڑکے ابو سعود آفندی کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن انہوں نے سختی سے معذرت کی تو اس منصب پر طہار آفندی آمدی کو شام کا مفتی مقرر کیا گیا۔

ہمارے اسلاف نے احساسِ فرض اور قناعت و بے نیازی کی جو اعلیٰ مثال قائم کی تھی اس کے مقابلہ میں آج کے لوگوں کی عہدوں کے لئے حرص و ہوس کو دیکھ کر تعجب و انوس ہوتا ہے۔ آج نا اہلوں کو جو لوگ منصب سونپ رہے ہیں ان کی نکتہ چینی اور اصلاح کے لئے زبانیں گنگ ہیں، لیکن تاریخ و سنت آنے پر خاموش نہیں رہ سکتی، ہر چھوٹا بڑا واقعہ اس کے احاطہ تحریر میں آچکا ہے اور وہ عبرت کے لئے محفوظ رہے گا۔

# باب پنجم

## پہلی فصل

میت سے متعلق مسجد میں ہونیوالی بدعتوں کا بیان

① اذان کے مقام سے موت کا اعلان اور جنازہ کیلئے پکارنا

ابن تیم نے لکھا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ میت کی موت کا اعلان نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دو رجالیہ کا فعل ہے لہ حضرت حذیفہؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اُن کی موت کے بعد اُن کے گھر والے لوگوں کو خبر دیں، وہ کہتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ ”نعی“ میں داخل ہو جائے گا۔ قاضی ابوالولید بن شد نے ”البيان والتحصيل“ میں لکھا ہے کہ: جنازہ کے لئے مسجد کے اندر آواز لگانا باتفاق ناجائز ہے کیونکہ مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے، علم کے سلسلہ میں بھی یہ مکروہ ہے۔ مسجد کے دروازہ پر جنازہ کے لئے پکارنا کو امام مالکؒ نے مکروہ بتایا ہے اور ان کے خیال میں یہ نعٰی میں داخل ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضعیف ہے ثابت نہیں، صرف موت کے اعلان سے منع ثابت ہے، اور اس کی تخریج میری کتاب ”احکام الجنائز و بدعہا“ ص ۳۰، ۳۱ میں موجود ہے۔

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِيَّاكُمْ وَالنَّعْيَ، وَإِنَّ النَّعْيَ مِنْ عَمَلٍ  
الْجَاهِلِيَّةِ - ۱۷  
نہی سے بچو، کیونکہ یہ جاہلیت کے زمانے  
کی عادت ہے۔

اور ان کے یہاں نہی کی صورت یہ تھی کہ لوگوں میں ان الفاظ سے پکارتے تھے:  
أَلَا إِنَّ فُلَانًا قَدْ مَاتَ فَاشْهَدُوا  
جَنَازَتَهُ -  
نہاں شخص مر گیا ہے اس کے جنازے  
میں حاضری دو۔

ہاں پکار کے بغیر موت سے لوگوں کو آگاہ کرنا باتفاق جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے مسجد میں جھاڑو دینے والی عورت کی رات میں وفات کے بعد فرمایا تھا:  
أَفْلا أَدْنُتُمْوَنِي بِهَا ۱۸

ہنایہ میں ہے کہ: نَعَى الْمَيِّتَ يَنْعَاهُ لَعْنًا وَنَعِيًّا، اس وقت بولتے ہیں جب موت  
کی خبر کو شہر کیا جائے اور میت پر رویا جائے اور اس کی خوبیاں گنائی جائیں۔

## ② مسجد میں داخلہ کے موقع پر میت کے آگے بلند آواز سے شعر خوانی

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ: مسجد میں میت کو لے آنے کے بعد سے جنازہ کی نماز تک  
قرار، فقیر اور مرید جو کچھ کرتے ہیں بدعت ہے، اس سے روکنا چاہیے، یہ کام مسجد سے باہر بھی  
بدعت ہے پھر اندر کیسے نہ ہوگا، کیونکہ اس سے نفل پڑھنے والوں، تلاوت اور ذکر و فکر کرنے  
۱۷ ضعیف حدیث ہے، ۱۸ سے ترمذی (۱: ۱۸۴) نے مرفوعاً و موقوفاً بہ سند عن ابی حمزۃ عن ابراہیم  
عن علقمۃ عن عبد اللہ بن مسعود روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ موقوف زیادہ صحیح ہے۔ ابو حمزہ  
سے میمون الاعور مراد ہے جو محدثین کے یہاں توہمی نہیں۔

۱۹ صحیح حدیث ہے، اسے شیخین وغیرہ نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اسکی تخریج سابقہ ماخذ میں موجود ہے



والوں کو خلل ہوتا ہے۔ امام نووی سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ :  
 دمشق میں بعض جاہل مختلف طرح کی آواز سے جنازوں پر جو کچھ پڑھتے ہیں وہ باتفاق حرام ہے  
 اور بے حد مذموم ہے۔ اس بارے میں ماوردی وغیرہ نے علما کا اجماع نقل کیا ہے۔ میت  
 کے ولی کو چاہیے کہ ان پڑھنے والوں کو منع کرے، نہ مانیں تو سزا دے اور توبہ کرائے، اسی  
 طرح ہر شخص کو اس سے روکنا چاہیے۔ انتہی۔

میت کے دفن کے وقت اذان کے بارے میں ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ:  
 یہ عمل بدعت ہے کیونکہ اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں، اور اس طرح کا عمل نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی تعلیم و توقیف کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی مصیبت یا موت  
 کے وقت اذان سنت ہے اور یہ قیاس کرتے ہیں کہ پیدائش کے وقت اذان مستحب ہے تو  
 خاتمہ پر بھی مستحب ہونا چاہیے، ان کا خیال صحیح نہیں، دونوں مسکوں کے مابین کوئی ربط نہیں،  
 ایک فعل ابتداء میں ہو تو اس کا انتہاء میں ہونا ضروری نہیں، یہ ضعیف قیاس ہے جسے آسانی  
 سے روکا جاسکتا ہے۔ انتہی۔

### ۳) مسجد میں میت کا مرتبہ اور نسب نامہ پڑھنا

حنبلی مذہب کی کتاب ”الفصول“ میں مذکور ہے کہ: آہ و بکا، خوبیوں کا شمار، یا گھبراہٹ  
 کا اظہار حرام ہے، کیونکہ یہ ظالم کے ظلم کے بعد فریاد کے مشابہ ہے، حالانکہ موت اللہ تعالیٰ کا برحق  
 فیصلہ ہے۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کا قول ہے کہ: جو وعظ یا شعر مصیبت کو تازہ کرے وہ نوحہ  
 میں شمار ہوگا (یعنی حرام ہوگا) اسے شرح اقتناع میں نقل کیا ہے۔

ابن الحاج کا قول ہے کہ: تزکیہ و تعظیم کے الفاظ کے ساتھ پکارنے کی جو بدعت مؤذنون نے  
 ایجاد کی ہے اس سے انھیں روکنا چاہیے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَا تَزَكُّوْا عَلٰی اللّٰهِ اَحَدًا ۝ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی پاکی نہ جتاؤ۔  
 میت تو دعاء کی محتاج ہوتی ہے، اور پاکی جتلانے کا معنی یہ ہے کہ وہ دعاء کی محتاج نہیں  
 اس لئے ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے اسے عذاب ہو اور اس سے بطور توبیخ پوچھا جائے کہ کیا  
 تم ایسے ہی تھے؟

ابن حجر کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ: جو مرثیہ نوحہ پر آمادہ اور غم کو تازہ کریں (جیسا کہ دنیا  
 کی عظیم ہمتیوں کے بارے میں شہر کر تے ہیں اور ان کے مرثیہ محلوں میں منائے جاتے ہیں) وہ  
 بلاشبہ حرام ہیں، اذری نے اسے نقل کیا ہے۔

ابن عبد السلام کا قول ہے کہ: بعض مرثیہ نوحہ کی طرح حرام ہیں، کیونکہ ان میں خدائی  
 فیصلہ پر دل برداشتگی کا اظہار ہوتا ہے، ہاں اگر کسی عالم یا نیکو کا شخص کی خوبیاں اس لئے ذکر  
 کی جائیں کہ لوگ ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں اور ان کی پیروی کریں تو یہ جائز ہوگا۔ انتہی۔

## ④ میت کے دفن میں تاخیر کرنا

حدیث میں وارد ہے کہ میت پر نماز پڑھنے اور اس کو دفن کرنے میں جلدی کرنی چاہئے  
 اس میں اس کی تکریم ہے۔ ابن الحاج نے لکھا ہے کہ: جب جنازہ کی نماز کا ارادہ ہو تو فرض  
 نماز کی جماعت یا جمعہ کی وجہ سے تاخیر نہیں کرنا چاہیئے۔ سنت کے پابند بعض علماء کا دستور تھا  
 کہ جب لوگ مسجد میں جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جنازہ لے کر آتے تو وہ خطبہ سے پہلے ہی  
 جنازہ کی نماز پڑھا دیتے تھے، اور جنازہ کی نماز پڑھ کر ان سے کہتے کہ جاؤ دفن کر آؤ،  
 اور انہیں یہ بتا دیتے کہ دفن کے بعد اگر جمعہ نہ مل سکے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسی صورت میں  
 وہ تم سے ساقط ہے۔ ابن الحاج کہتے ہیں کہ: سنت کی اس محافظت اور بدعت سے روکنے

سہ یہ صحیح حدیث ہے، اسے بخاری (۱۰: ۳۹۷) اور مسلم (۸: ۲۲۷) نے ابویکوفہ سے روایت کیا ہے (حدیث

طویل ہے)۔



پر اللہ انھیں جزائے خیر دے، اگر تمام علماء یہی روش اختیار کر لیں تو موجودہ خرابی دور ہو سکتی ہے۔ بدعات کو دیکھ کر خاموش رہنے سے ان میں زیادتی ہوتی ہے۔

## ⑤ مسجد میں تعزیت کے لئے بیٹھنا

افشاء اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ: کسی جگہ بیٹھ کر مصیبت زدہ شخص کو تسلی دینا مکروہ ہے کیونکہ اس سے غم تازہ ہوتا رہے گا۔ احمد نے ابو داؤد کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ: مجھے یہ پسند نہیں کہ میت کے گھر والے مسجد میں بیٹھیں اور لوگ ان کی تعزیت کریں، مجھے ڈر ہے کہ اس سے میت کی تعظیم کا پہلو بچلے گا۔

ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ میت کے گھر والوں کو تسلی دیتے تھے لیکن تعزیت کے لئے جمع ہونا یا قبر وغیرہ کے پاس قرآن پڑھنا آپ کی سنت نہیں، بلکہ یہ مکروہ بدعت ہے، آپ کی سنت یہ بھی ہے کہ قضاۃ الیٰ پر سکون و رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے ”الْحَمْدُ لِلّٰہِ“ اور ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھا جائے۔

مسجد میں تعزیت کے قطعی مکروہ ہونے کی بات اور ائمہ حنفیہ میں سے ”المنیۃ“ کے شارح، ”البحر“ اور ”الفتح“ کے مصنفوں نے بھی لکھی ہے۔ امام نووی نے ”الروضۃ“ میں لکھا ہے کہ: تعزیت سنت ہے، لیکن اس کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔ تعزیت کا معنی یہ ہے کہ: مصیبت زدہ لوگوں کو صبر کا حکم دیا جائے، اجر کی خاطر اس پر آمادہ کیا جائے، اور بے صبری پر گناہ سے ڈرایا جائے، میت کے لئے مغفرت طلب کی جائے اور مصیبت زدہ کے لئے تلافی کی دُعا کی جائے۔ پھر نووی نے لکھا ہے کہ: صاحب شامل کا قول ہے کہ: میت کے گھر والوں کا کھانا بنانا اور لوگوں کو جمع کرنا بدعت اور غیر مستحب ہے، سنت یہ

ہے کہ میت کے قرابتدار اور پڑوسی اس کے گھر والوں کے لئے کھانا بنائیں کیونکہ انھیں مصیبت میں اس کا موقع نہیں، انتہی۔

ابن الحاج کا قول ہے کہ: میت کی طرف سے محتاجوں اور مجبوروں پر صدقہ کے لئے کھانا بنانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ لوگوں کو جمع کرنا مقصود نہ ہو، لیکن اسے بھی قابل تقلید شعار نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ عبادت وہی افضل ہے جسے پوشیدہ طور پر کیا جائے۔ انتہی۔

## ⑥ میت کو مسجد میں دفن کرنا یا اس کی قبر پر مسجد بنانا

امام نوویؒ کے فتاویٰ میں درج ذیل سوال و جواب مذکور ہے: مسلمانوں کے ایسے مقبرہ میں جو راہِ خدا میں وقف ہو اگر کوئی مسلمان تعمیر کرے اور محراب بنائے تو کیا یہ جائز ہے، یا اس کا گرا دینا واجب ہے؟ ایسی تعمیر جائز نہیں، اس کا گرانا ضروری ہے، انتہی۔

ابن حجرؒ نے ”الزواجر“ میں لکھا ہے کہ: کبیرہ گناہوں میں درج ذیل گناہ بھی ہیں: ”قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، ان پر چراغ جلانا، انھیں مٹیوں کی حیثیت دینا، ان کا طواف کرنا، ان کو چومنا اور ان کی طرف رخ کرنا پڑھنا، انھوں نے اس سلسلہ میں حدیثیں بھی ذکر کی ہیں ملاحظہ ہو ان کی یہ کتاب لہ

علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ: نیکی اور عبادت کے علاوہ کسی اور غرض کے لئے وقف صحیح نہیں، جیسا کہ مسجد ضرار کا وقف صحیح نہیں مانا گیا، (اسے منافقوں نے مسلمانوں میں تفریق اور ان کی ایذا رسانی کے لئے تعمیر کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گرا دی گئی) اس بنا پر قبر پر بنائی جانے والی مسجد گرا دی جائے گی اور مردہ اگر مسجد میں دفن

لہ میں کہتا ہوں کہ اس موضوع پر مزید ملاحظہ کیجئے میری کتاب ”احکام الجنائز و بدعایا، کی فصل ”ما یجوز عند القبور“ (ص ۲۰۳ - ۲۳۳) اور میری مستقل کتاب ”تذییر الساجدین اتحاد القبور مساجد“ (ناصر الدین)

ہو تو اسے کھود دیا جائے گا، اس کی صراحت امام احمد وغیرہ نے کی ہے۔ دین اسلام میں مسجد اور قبر اکٹھا نہیں ہو سکتی، جو بعد میں بنے گی اسے ہٹا دیا جائیگا، اور اگر دونوں ایک ساتھ تعمیر ہوں تو جائز نہ ہوگا، نہ وقف صبح ہوگا اور نہ مسجد میں نماز درست ہوگی، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو قبر کو مسجد بنا لیتے ہیں یا اس پر چراغ جلاتے ہیں۔ یہ ہے دین اسلام، جسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آج یہ لوگوں میں اجنبی بنا ہوا ہے، انتہی۔

ابن القیمؒ نے مسجد ضرار کا ذکر غزوہ تبوک کے فوائد کی بحث کے ضمن میں کیا ہے، لکھتے ہیں کہ: معصیت کے وہ مقامات جہاں اللہ اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہو انھیں جلا دینا یا گرا دینا چاہیے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کو جلا دیا اور گرا دینے کا حکم دیا، اس مسجد میں بھی نماز پڑھی جاتی تھی اور خدا کا ذکر ہوتا تھا، لیکن اس کی تعمیر کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی جائے، ان میں پھوٹ ڈالی جائے اور منافقوں کو اس میں پناہ دی جائے۔ ایسی جو جگہ بھی ہو، امام کا فرض ہے کہ اسے گرا دے، جلا دے یا بیکار بنا دے جب مسجد گرائی جاسکتی ہے تو پھر آج کے شرک کے اڈے جن کے مجاورین مدفون لوگوں کو خدا کے مقام پر سمجھنے کی تلقین و دعوت دیتے ہیں، کیسے نہ گرائے جائیں گے؟، انتہی۔

## ⑤ عاشورار کے جمعہ کو منبر پر حضرت حسینؑ کی موت کا اعلان

خطیبوں کی طرف سے بعض ایسے ناپسندیدہ امور صادر ہوتے ہیں کہ ان کا بیان شکل ہے ان کی ایک قبیح عادت یہ ہے کہ محرم کے جمعہ میں تمام مسلمانوں کے سامنے حضرت حسینؑ کی موت کا اعلان کرتے ہیں۔ اللہ میں کربلا کے میدان میں ان کی شہادت اور مسلمانوں کے مصائب کا ذکر دہراتے ہیں، اس کو سن کر بہت سے مسلمان رونے لگتے ہیں اور ان کے دلوں میں رنج و غم



کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، اور اس کا کوئی فائدہ انھیں نہیں ملتا، اس کی ممانعت کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، یہ بیماری مسلمانوں میں رافضی لوگوں کی جانب سے آئی ہے۔ صاحب "المجالس" نے لکھا ہے کہ: شہادت حسینؑ کی مصیبت پر اظہار غم کے سلسلہ میں رافضہ نے غلو سے کام لیا، عاشورا کے دن وہ حضرت حسینؑ کا ماتم کرتے ہیں، مجلس عزاء منعقد کرتے ہیں، نوحہ و بکا کر کے دالوں کو لاتے ہیں، رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں اور دوسرے نامناسب کام کرتے ہیں، انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان معلوم نہیں کہ:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَوَصَّيْنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ أَنْ تُحَدِّثَ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ  
ثَلَاثِ الْأَعْلَى الزَّوْجِ، أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ  
وَعَشْرًا۔

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والی  
کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ کسی مرنے  
والے کا تین دن سے زیادہ غم منائے ہاں شوہر کا  
چار مہینے دس دن غم منانے کی اجازت ہے۔

پھر آگے لکھا ہے کہ: غالی ناصبی، رافضہ کو چڑھانے کے لئے عاشورا کے دن مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے، سرمہ لگاتے، عمدہ کپڑے پہنتے، اچھے کھانے کھاتے ہیں۔ انھوں نے اس سے متعلق غلط حدیث کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کیا ہے جس میں شب بیداری، نماز، غسل، سرمہ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث جھوٹ ہے خدا اس کے وضع کرنے والے کا بُرا کرے، اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا ہے۔ انتہی۔

امام تقی الدین ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں ان دونوں بدعتوں کی مفصل تردید کی ہے، لکھتے ہیں کہ: شیطان نے شہادت حسینؑ کے سبب لوگوں میں دو بدعتیں پیدا کی ہیں  
۱۔ صحیح حدیث ہے شیخین وغیرہ نے ام حبیبہؓ و ام عطیہؓ سے اسے روایت کیا ہے اسکی شاہد البیاضی کی حدیث  
ہے جسے مالک (۱: ۸۰: ۲۹) اور احمد (۲: ۳۲۴) نے ذکر کیا ہے، احمد نے ابن عمرؓ کی روایت بھی ذکر کی ہے اور  
یہ محمد بن خزمیہ (۱: ۲۲۷) میں بھی ہے بطرانی نے ابویوسفؒ اور عائشہؓ سے ذکر کیا ہے جیسا کہ الفقیہ الکبیر میں ہے

ایک تو عاشرامہ کے دن نوحہ و مانگ کرنا، چیخ و پکار کرنا، طمانچہ مارنا، سریشہ پڑھنا اور سلف کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا۔ اس موقع پر شہادتِ حسین کے واقعات بھی پڑھے جاتے ہیں جن کا اکثر حصہ جھوٹ پر مشتمل ہے جنہوں نے ان بدعات کی بنیاد ڈالی ہے ان کا مقصد امت میں تفریق ڈالنا اور فتنہ کا دروازہ کھولنا تھا، کیونکہ باتفاقِ مسلمین مذکورہ کام واجب یا مستحب نہیں بلکہ سخت حرام ہے۔

دوسری بدعت مسرت و شادمانی کے اظہار کی ہے، کوفہ میں کچھ لوگ شیعہ تھے جو حضرت حسینؑ کی حمایت کا دم بھرتے تھے، ان کا سربراہ المختار بن عبید کذاب تھا، اور وہاں کچھ لوگ ناصبی تھے جو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے بغض رکھتے تھے، ان میں حجاج بن یوسف ثقفی بھی تھا صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قبیلہ ثقف میں ایک جھوٹا اور ایک سفاک ہوگا۔ جھوٹا تو شیعہ یعنی مختار ہوا، اور سفاک ناصبی یعنی حجاج۔ پہلے نے غم کی بدعت ایجاد کی اور دوسرے نے خوشی کی۔ انہوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عاشرامہ کے دن جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ وسعت کا معاملہ کر لے گا اسے اللہ تعالیٰ پورے سال وسعت میں رکھے گا۔ حرب کرمانی کا قول ہے کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ: عاشرامہ کے دن سرمہ لگانے سے پورے سال آنکھ خراب نہ ہوگی اور عاشرامہ کے دن غسل کرنے سے پورے سال بیماری نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے کچھ لوگ عاشرامہ کے دن سرمہ لگانا، غسل کرنا، اہل و عیال پر وسعت کرنا اور غیر معمولی کھانا کھانا مستحب سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ حضرت حسینؑ کے مخالفین کی پھیلائی ہوئی بدعت ہے، اور ہر بدعت مگر اہی ہے۔ ائمہؑ یعنی محدثین، ورنہ اسے طرائق اور مہتقی وغیرہ نے البوسید وغیرہ سے روایت کیا ہے، لیکن اس باب میں کوئی حدیث ثابت نہیں، بیہقی نے اسکی تضعیف کی ہے، ملاحظہ ہو "المشکوٰۃ" (۱۹۲۶، ۱۹۲۷)۔

اربعویں سے کسی نے ان امور میں سے کسی ایک کو بھی منتخب نہیں مانا ہے۔ ان کے استجاب کی کوئی شرعی دلیل بھی نہیں، البتہ جمہور علماء کے نزدیک عاشورار کے دن کا روزہ منتخب ہے۔ ابن تیمیہؒ نے مزید لکھا ہے کہ: بلاشبہ حضرت حُجینؓ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے، لیکن یہ انبیاء اور سابقین اولین (پہلے پہل مسلمان ہونے والے)، جنگِ میلہ، شہداءِ احد، شہداءِ بدر، معونہ حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کے قتل سے بڑا نہیں۔ مصیبت کے وقت صبر کرنا اور اللہ پر ٹھننا چاہیے، یہی اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک نوٹھ کرنے والی عورت پیش ہوئی تو آپؐ نے اسے مارنے کا حکم دیا، لوگوں نے کہا کہ یا امیر المومنینؓ اس کے بال کھل گئے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اس کا کوئی احترام نہیں، یہ صبر سے روکتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، اور یہ جزعِ فریع کا حکم دیتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، زندہ کوفتہ میں ڈالتی ہے، مردہ کو تکلیف دیتی ہے، اپنے آنسو فروخت کرتی ہے، دوسرے کے غم میں روتی ہے، یہ تمہارے مردوں پر نہیں روتی ہے بلکہ تمہارے پیسے لینے کے لئے روتی ہے۔

## دوسری فصل

چند قابلِ توجہ امور کے بیان میں

① مقررین کے درجات تک پہنچنے کیلئے مسجد میں بیٹھنا

امام غزالیؒ نے نیت سے متعلق اعمال کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جاننا چاہیے کہ اعمال کی اگرچہ بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں مثلاً قولی، فعلی، حرکتی، سکونی، حصولی، مدافعتی، فکری اور ذکر وغیرہ، لیکن ان تمام کو تین قسموں میں مندرج کیا جاسکتا ہے:



طاعت، معصیت اور مباح : آگے لکھا ہے کہ : دوسری قسم طاعات کی ہے، اپنی اصل صحت اور فضیلت میں اضافہ کے لئے یہ نیت سے مربوط ہے۔ بہر حال اصل تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال سے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کی جائے۔ اگر ریاکار کی نیت ہوگی تو یہ اعمال معصیت میں داخل ہو جائیں گے۔ رہا فضیلت میں اضافہ تو یہ اچھی نیت کی کثرت سے ہوتا ہے، ایک ہی طاعت سے بہت سی نیکیوں کی نیت ہو سکتی ہے۔ اور ہر نیت کے بدلہ میں ثواب ملے گا، کیونکہ ہر نیت نیکی ہے، پھر ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوگا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ اس کی مثال مسجد میں بیٹھنا ہے، یہ طاعت ہے، اس کے اندر بہت سی نیکیاں کی جاسکتی ہیں جس سے متقیوں کے عمل کی فضیلت اور مقربین کے درجات تک یہ عمل پہنچ سکتا ہے۔ اول یہ کہ مسجد کو اللہ کا گھر سمجھا جائے اور اس میں داخل ہونے والے کو اللہ کا رازگوار جو اپنے مولیٰ سے ملاقات کے لئے مسجد میں آیا ہے اور اس وعدہ کا امیدوار ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے :

مَنْ تَعَدَّ فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ زَارَ  
اللَّهَ تَعَالَى، وَحَقَّ عَلَى الْمَرْءِ  
إِكْرَامُ زَائِرِهِ

مسجد میں بیٹھنے والا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والا ہے۔ اور جس کی زیارت کی جاتی ہے اس پر زائر کے اکرام کا حق ہے۔

دوم یہ کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرے، اس طرح پورے وقت میں نماز کا ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ کے قول ”وَرَبَطُوا“ کا یہی معنی ہے۔

سلہ حافظ عراقی نے ”تخریج الاحیاء“ (۴ : ۳۱۷) میں کہا ہے کہ : اسے ابن حبان نے ضعف میں سلمان کی حدیث سے روایت کیا ہے، اس کے شل بیہقی نے شب الایمان میں صحابہ کی ایک جماعت سے ان کا نام لئے بغیر یہ سند صحیح روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث میرے نزدیک حسن ہے، اس کی بعض اسنادوں کو المنذری نے التزیغ (۱ : ۱۳۰) میں جید کہا ہے۔

سوم یہ کہ آنکھ، کان اور جملہ اعضاء کو حرکت اور اضطراب سے روک کر گوشہ نشینی کی نیت کر لے، کیونکہ اعتکاف کا معنی رکنا ہی ہے، اور یہی روزہ میں بھی ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی گوشہ نشینی ہے، حدیث میں ہے کہ:

رَهْبَانِيَّةٌ اُمَّتِي الْقَعُودُ فِي الْمَسْجِدِ - میں بیٹھنا ہے۔

چہارم یہ کہ اللہ کو مقصود ٹھہرانے، آخرت پر غور و فکر کے لئے خاموشی اختیار کر لے اور اس سے غافل کرنے والی چیزوں کو مسجد میں بیٹھ کر دور کرے۔

پنجم یہ کہ اللہ کا ذکر کرنے، اسے سننے اور اُسے یاد کرنے کے لئے یکسو ہو جائے۔

ششم یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ علم کا فائدہ پہنچانے کی نیت کرے کیونکہ مسجد میں ایسے لوگ آتے رہتے ہیں جو صحیح طور پر نماز نہیں پڑھتے اور دوسرے حرام کام کا ارتکاب کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دے اور دین کی طرف رہنمائی کرے، اس طرح وہ خیر میں اس کا شریک ہو جائے گا اور نیکی و چند ہو جائے گی۔

ہفتم یہ کہ اللہ کے لئے لوگوں کو بھائی بنائے، یہ چیز غنیمت اور آخرت کے لئے ذخیرہ ہوگی مسجد دیندار لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو اللہ کے لئے اور اسی کی راہ میں محبت کرتے ہیں۔

ہشتم یہ کہ اللہ تعالیٰ سے شرم اور اس کے گھر کی بے حرمتی کی شرم سے گناہوں کو چھوڑ دے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: جو شخص برابر مسجد میں جاتا رہے گا اسے اللہ تعالیٰ سات

چیزوں میں سے کوئی ایک چیز دے گا: اللہ کی راہ میں کوئی بھائی اسے ملے گا، یا رحمت نازل ہوگی یا علم ملے گا، یا رہنمائی والی بات ملے گی، یا ہلاکت دور ہوگی، یا ڈر سے گناہ چھوڑ دے گا، یا جبار پیدا ہوگی نیت کو بڑھانے کا یہ طریقہ ہے، بقیہ طاعات اور مباح

لہ عراقی نے "تخریج الاجابہ" (۴: ۳۱۷) میں کہا ہے کہ مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی۔

چیزوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے، اس لئے کہ ہر طاعت میں بہت نیتیں ہو سکتی ہیں ہون کے دل میں بھلائی کی جتنی طلب اور اس کے لئے جدوجہد اور غور و فکر کا جذبہ ہوگا اسی لحاظ سے اس میں نیتیں پائی جائیں گی، اس کے اعمال سقرے ہوں گے اور نیکیاں بڑھیں گی۔

## ② تحفظ نفس کیلئے مسجد میں گوشہ نشین ہونا

امام ابن قیمؒ نے ”اغاثۃ اللہفان“ میں لکھا ہے کہ: شیطان کے دھوکے اور چال کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ آدمی کو کسی مسجد، فقروں کے مسکن، خانقاہ یا سنان مقام پر گوشہ نشینی کا حکم دیتا ہے، وہاں اسے روکتا ہے اور نکلنے سے منع کرتا ہے، یہ کہتا ہے کہ اگر باہر نکلو گے تو لوگوں کے سامنے بے وقعت ہو جاؤ گے، دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائیگی۔ اور بے اوقات تم اپنے راستہ میں بُرائی دیکھو گے جس میں شیطان کے کچھ مقاصد پوشیدہ ہوں گے، مثلاً تکبر، لوگوں کو حقارت سے دیکھنا، ناموس کا تحفظ اور سرداری کا قیام، اور لوگوں کے ساتھ اخلاط میں یہ چیز ختم ہو جائے گی۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے پاس آئیں اور وہ کہیں نہ جائے، لوگ اس کا قصد کریں اور وہ کسی کا قصد نہ کرے، اُمرا اس کے پاس آئیں، لوگ جمع ہوں اور ہاتھ کو بوسہ دیں، اس سے اسے خوشی ہوتی ہے۔ واجبات، مستحبات اور تقرب خداوندی کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر ایسی چیزیں اختیار کر لیتا ہے جو لوگوں کو اس سے قریب کر دے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے جاتے تھے بعض حفاظ حدیث کے مطابق آپؐ اپنی ضرورت کی چیز خریدنے تھے اور اسے خود لے کر لے

لے شاید مصنف کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوہریرہؓ کے ساتھ بازار تشریف لیگے اور پاجا خریدا اور ابوہریرہؓ کو یہ کہہ کر اسکے اٹھانے سے روک دیا کہ: جس کی چیز ہو اُسی کو اٹھانا چاہیئے۔ اگر مصنف کی مراد یہ ہو تو واضح ہو کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ میں نے ”الضعیفہ“ (۸۹) میں بیان کیا ہے، اور اگر کچھ اور مراد ہو تو مجھے اس کا

علم نہیں۔



آتے تھے، اسے ابو الفرج ابن الجوزی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ابو بکرؓ پکڑے اٹھا کر بازار لے جاتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ عبداللہ بن سلام اس حال میں گزرے کہ ان کے سر پر لکڑی کا گٹھن تھا، لوگوں نے کہا کہ آپ کو اللہ نے بے نیاز بنایا ہے، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس طرح تکبر دور کرتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانے ہوئے سنا کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَبْدٌ فِي قَلْبِهِ  
مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْكِبَرِ  
ایسا بندہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے  
دل میں ذرہ برابر تکبر ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ جب مدینہ کے گورنر تھے اس وقت بھی لکڑیاں اور دوسری ضرورت کی چیزیں اٹھا کر لاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ: اپنے امیر کو راستہ دو، اپنے امیر کو راستہ دو۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں کسی ضرورت سے پیدل نکلے، آپ کو تھکن محسوس ہوئی، ایک غلام کو گدھے پر سوار دیکھا تو اس سے کہا کہ میں تھک گیا ہوں مجھے سوار کرلو، غلام سواری سے اتر گیا اور کہا کہ امیر المؤمنین آپ سوار ہو جائیے، آپ نے فرمایا کہ تم سوار ہو جاؤ، میں تمہارے پیچھے بیٹھوں گا، پھر آپ غلام کے پیچھے بیٹھے اور اسی طرح مدینہ میں داخل ہوئے، لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔

اسے صحیح حدیث ہے، اسے طبرانی نے معجم کبیر (۲۱۶: ۶۴) میں دو طریق سے عکرمہ بن عمار سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ محمد بن قاسم نے بیان کیا کہ عبداللہ بن حنظلہؓ راہب کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سلام بازار سے اس حال میں گزرے کہ ان کے سر پر لکڑی کا گٹھن تھا۔ میں کہتا ہوں کہ: یہ حسن اسناد ہے جیسا کہ بیہقی (۹۹: ۱) نے کہا ہے، اور اس کی مرفوع روایت کے ان کے یہاں بہت سے ثواب ہیں، اسے مسلم (۱: ۷۵) اور ابو داؤد (۲: ۱۸۱) اور ترمذی (۲۶۰: ۱) نے ذکر کیا ہے ترمذی نے اسکی تصحیح کی ہے، اسے ابن خزیمہ نے التوحید (۲۴۷) میں اور احمد (۱: ۴۵۱) نے اور ابن سعد (۷: ۷۵) نے ابن مسعودؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

### ۳) کسبِ معاش چھوڑ کر مسجد میں سکونت پذیر ہونا

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کے "باب المغرورین" میں لکھا ہے کہ: ایک جماعت مال سے بے نیاز اور معمولی لباس و خوراک پر قانع ہے، یہ مسجدوں میں رہتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ وہ زہد کے مقام پر فائز ہے، حالانکہ ساتھ ہی اسے جاہ، علم، وعظ، یا زہد کے ذریعہ سرداری کی بھی خواہش رہتی ہے۔ ایسا شخص آسان چیز چھوڑ کر مشکل چیز اختیار کر رہا ہے، اسے دھوکہ لگتا ہے، سمجھتا ہے کہ میں زاہد ہوں۔ اسے دنیا کا معنی معلوم نہیں، اور یہ بھی نہیں سمجھتا کہ اس کی آخری لذت سرداری ہے، اور اسے چاہئے والا یقیناً نافی، حاسد، متکبر، ریاکار اور جملہ اخلاقی خرابیوں سے منصف ہوتا ہے۔ جب کبھی سرداری چھوڑ کر تنہائی و گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے اُس وقت بھی فریب میں رہتا ہے، اس لئے کہ ایسے وقت میں مالداروں کے سامنے بڑائی کا اظہار کرتا ہے، سخت کلامی کرتا ہے، ان کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اپنے لئے ان سے زیادہ کی امید رکھتا ہے۔ اپنے عمل پر خوش ہوتا ہے، مال دیا جاتا ہے تو اس ڈر سے نہیں لیتا کہ لوگ کہیں گے کہ اس کا زہد ٹوٹ گیا۔ اگر اس سے یہ کہا جائے کہ یہ مال حلال ہے، ظاہر میں لے لو اور خفیہ طور پر واپس کر دو تو اس کی طبیعت اسے گوارا نہیں کرتی، اس ڈر سے کہ لوگ مذمت کریں گے، اسے اصل میں لوگوں کی تعریف درکار ہوتی ہے جو دنیا کی لذیذ ترین چیز ہے، وہ اپنے کو زاہد سمجھتا ہے لیکن یہ دھوکہ ہے، کیونکہ خود مالداروں کی عزت کرتا ہے اور غریبوں پر انہیں فوقیت دیتا ہے، اپنے مریدوں اور تعریف کرنے والوں کی جانب مائل رہتا ہے اور دوسروں سے نفرت کرتا ہے، یہ سب شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، اللہ ہمیں پناہ میں رکھے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جہانی عمل کے لئے اپنے اوپر سختی کرتے ہیں مثلاً رات دن میں ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں، قرآن ختم کرتے ہیں، حالانکہ دل پر نظر نہیں



رکھتے، نہ اسے ریاء و تکبر اور خود پسندی سے پاک کرتے ہیں۔ اپنے کو بخشا بخشایا جانتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ دل کی حالتوں پر ان کا مواخذہ نہیں ہوگا، ظاہری عبادتوں کی وجہ سے اپنا پلہ بھاری سمجھتے ہیں، حالانکہ متقی کا ایک ذرہ اور دانش مند کا ایک اخلاقی عمل ان جسمانی اعمال سے اچھا ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں میں بد خلقی و سخت کلامی کے ساتھ ساتھ ریاء کا اور تعریف پسندی کا جذبہ بھی ہوتا ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ اولیاء و قطب اور اللہ کے محبوب ہیں تو اسے سچ سمجھتے ہیں، خوش ہوتے، مزید غرور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی تعریف و تزکیہ اللہ کی رضامندی کی دلیل ہے۔ انھیں یہ معلوم نہیں کہ لوگ ان کی تعریف اس لئے کرتے ہیں کہ انھیں ان کے باطنی خبیث کا حال معلوم نہیں۔ انتہی۔

### ④ مساجد و مدارس میں گوشہ نشینی اور اس کے منافع

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے عقل و گویائی سے نوازا تاکہ معاشرہ میں دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور زندگی کے میدان میں جدوجہد کے ذریعہ خود بھی فائدہ اٹھائے لیکن انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تخلیق کے فلسفہ سے غافل ہیں اور وحشیوں کی طرح الگ تھلگ خاموش زندگی کو بہتر سمجھتے ہیں، پھینکی پڑی یا صدقہ کی چیزوں پر راضی ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھے حال میں ہیں۔ حالانکہ ان کا وجود ملک و قوم کے لئے آفت سے کم نہیں۔

یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ اسلاف میں جن لوگوں نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی وہ ایسے ہی لوگ تھے، کیونکہ ان کی گوشہ نشینی کا سبب یا تو ایسی معاملہ ہوتا تھا یا اپنے اجتہاد کی بنا پر وہ ایسا کرتے تھے اگرچہ اپنے مقصد میں معصوم عن الخطا نہیں تھے، یا اپنی افتاد طبع سے ایسا کرتے تھے، یا کسی علمی کام کے لئے تنہائی پسند کرتے تھے، یا اسی طرح کا کوئی اور مقصد ہوتا تھا۔ ہمارے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سیرت موجود ہے، ان

میں سے کوئی بھی مسجد میں گوشہ نشین نہیں ہوا، نہ یہ پسند کیا کہ معاش کے معاملہ میں دوسروں پر بوجھینے اور امت سے متعلق اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے۔

گوشہ نشینی سے جو نقصانات ہوتے ہیں ان کی تلافی اخلاط و اجتماع سے ہو سکتی ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ: اخلاط کے محرکات مندرجہ ذیل ہیں، مثلاً تعلیم و تعلم، نفع و منفاع، تادیب و تادیب، مانوس ہونا اور مانوس کرنا، ثواب حاصل کرنا اور پہنچانا، تاکہ حقوق ادا کئے جاسکیں، تواضع کی عادت پڑے اور حالات کو دیکھ کر تحریر اور عبرت حاصل ہو سکے آگے انھوں نے تفصیل کی ہے اور اخلاط کے چھٹے فائدے کے ضمن میں بعض ناماتی صلیحہ کی گوشہ نشینی کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: بہت سے لوگ گھر میں گوشہ نشینی اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ان میں تکبر ہوتا ہے، مجلس میں اگر جائیں تو وہاں توقیر نہیں ہوتی اور آگے نہیں بڑھائے جاتے۔ یا پھر یہ سوچ کر لوگوں سے اخلاط انہیں رکھنے کہ اس طرح مرتبہ اوجہار ہے گا اور لوگوں میں ہمیشہ ذکر مہارتا رہے گا، یا اس خیال سے علیدگی اختیار کرتے ہیں کہ اس طرح برائیاں چھپی رہیں گی، اگر لوگوں سے ملنے رہے تو پھر زہد و عبادت کی حقیقت کھل جائیگی۔ ایسے لوگ گھر کو اپنی برائیاں چھپانے کے لئے پردہ بناتے ہیں اور لوگوں پر اپنے زہد و تعبد کا رعب ڈالے رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کی آمد کو پسند کرتے ہیں لیکن خود کسی نہاں نہیں جاتے، عوام اور سلاطین جب ان کے پاس آتے ہیں تو انھیں خوشی ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو گھروں میں اس مقصد سے روکے رکھتے ہیں تاکہ عوام ان کے بارے میں اچھا عقیدہ رکھیں اور ذکر خیر کریں تو ایسے لوگ دنیا میں مشقت اٹھاتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو اور بڑا ہے، کاش یہ لوگ سمجھیں۔ انتہی۔

⑤ مساجد سے انسیت رکھنے والے بینا اور پاکدامن لوگ

بہت سے بینا حفاظ مسجدوں میں حلقہ بنا لیتے ہیں تاکہ لوگ انھیں دیکھ لیں اور ان کے

ساتھ احسان کریں۔ لیکن اکثر لوگ ان سے غافل رہتے ہیں اور شادی و غمی کے علاوہ کسی اور موقع پر انہیں نہیں بلاتے، لیکن یہ مواقع بہت کم آتے ہیں، اور ان میں جو کچھ ملتا ہے اس سے ان کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے بال بچے ہوتے ہیں، مکان کا کرایہ دینا ہوتا ہے، اور اسی طرح کے دوسرے مسائل رہتے ہیں، یہ لوگ بہت زیادہ توجہ اور احسان کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ جب میں کسی مینا شخص کو دیکھتا ہوں تو میرا دل اس کے حال پر افسوس سے پھٹنے لگتا ہے، خصوصاً جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ تلاوت قرآن کے ذریعہ لوگوں سے سوال کرتا ہے، حسب اللہ و نعم الوکیل۔ کہاں ہیں مالدار؟ کہاں ہیں اہل خیر؟ اور کہاں ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھیں:

لَنْ تَنَالُوا السَّبْرَ حَتَّى تَنْفِقُوا مِمَّا  
تُحِبُّونَ۔  
تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک  
اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔

ان فقیروں کا حال بڑا قابل رحم ہوتا ہے خصوصاً جو ان میں سے مینا ہوتے ہیں۔ مالداروں کو غور کرنا چاہیے کہ بہت سے ملکوں میں ایسے مفلسوں پر غیر معمولی توجہ دی جاتی ہے، ان کے لئے اقامت گاہ بنا کر ان میں لکھے پڑھنے اور دوسرے کام سکھانے کا انتظام ہوتا ہے معلوم نہیں ہم لوگ کب ان چیزوں پر توجہ دیں گے اور ایسے نیک کاموں کو رواج دیں گے؟ مفلس حافظ قرآن دوسروں کے مقابلہ میں توجہ کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس میں افلاس کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کی صفت موجود ہے، یہی چیز مسجد کے خدام، مؤذن اور حاضر باش لوگوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ مسجد میں کچھ لوگ ایسے بھی رہتے ہیں جو سوال سے پرہیز کرتے ہیں، یہ اچھے خاندان و گھرانے کے ہوتے ہیں بعض کا صوفیاں و صلحا کے گھرانوں سے تعلق ہوتا ہے، لیکن وقت بگڑ جانے سے اور کرب معاش کے لئے محنت نہ کر سکنے کی بنا پر مفلسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ احسان و سلوک کے زیادہ مستحق ہیں، بے نیازی اور شرم سے



یہ خاموش رہتے ہیں لیکن ایمان کی فراست رکھنے والے انہیں پہچانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ  
وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ - لِلْفُقَرَاءِ  
الَّذِينَ أَحْصَوْا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
لَا يَسْتَطِيعُونَ صَرْبًا فِي الْأَرْضِ  
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ  
التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ،  
لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا  
تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ  
عَلِيمٌ - (البقرہ - ۲۷۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

لَيْسَ الْمُسْكِينُ الَّذِي يَطْوِفُ  
عَلَى النَّاسِ فِتْرَدَا اللَّقْمَةَ وَالْقَمْتَا  
وَالْتَمَرَةَ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَكِنَّ  
الْمُسْكِينَ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى  
يُغْنِيهِ وَلَا يَفْطِنُ لَهُ فَيُصَدَّقَ  
عَلَيْهِ، وَلَا يَقُومُ نِسْأَلُ النَّاسِ لَهُ

(اسے امام مالک، احمد، شیخین نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔)

اسے صحیح حدیث ہے، اس کی تحریج ”مشکلۃ الفقہ“ (۷۷) میں موجود ہے۔

جو مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ پورا ملیگا۔  
اور ہمارا کچھ نقصان نہ ہوگا، ان محتاجوں  
کو جو اللہ کی راہ میں بند ہو رہے ہیں،  
زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ تاہذا فقہ لوگ  
ان کو نہ مانگتے کی وجہ سے مالدار سمجھتے ہیں  
مگر تو ان کے چہروں سے ان کو پہچان لیتا ہو  
وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، اور تم  
جو مال خرچ کرو گے تو اللہ اس کو جانتا  
ہے۔

مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کا چکر لگائے  
اور لقمہ، دو لقمہ، یا کھجور دو کھجور لے کر واپس  
ہو جائے، بلکہ مسکین وہ ہے جس کے  
پاس نہ تو مال ہو نہ لوگ اس کی غربت کو  
سمجھ سکیں کہ اس کو صدقہ دیں اور نہ تو وہ خود  
اٹھ کر لوگوں سے سوال کرے۔

مصری شاعر حافظ ابراہیم نے کیا خوب کہا ہے:

إِيَّهَا الْمُصْلِحُونَ ضَاقَ بِنَا الْعَيْدُ - - - شَوْكُمُ تُحَسِّنُوا عَلَيْهِ الْقِيَامَا

اے مصلحین! ہماری زندگی تنگ ہو چکی ہے اور تم اس کی صحیح نگرانی نہیں کر رہے ہو۔

عَزَّتِ السَّلْعَةُ الدَّلِيلِيَّةُ حَتَّى بَاتَ مَسْحُ الْحِذَاءِ خُطْبًا جَسَامًا

معمولی سامان اہم ہو گئے ہیں یہاں تک کہ جوتا صاف کرنا بڑا کام مانا جاتا ہے

وَعَدَا الْقَوْتُ فِي يَدِ النَّاسِ كَالْيَا قَوْتُ حَتَّى نَوَى الْفَقِيرُ الصِّيَامَا

روزی یا قوت کی طرح نایاب ہے جس کی وجہ سے فقیر روزہ رکھنے کی سوچ رہے ہیں

يَقْطَعُ الْيَوْمَ طَائِدِيًا وَلَدَيْهِ دُونَ رِيحِ الْفِتَارِ رِيحُ الْخِزَامِي

پورے دن خالی شکم رہتا ہے، اس کے پاس سے گوشت کے بجائے گھاس کی ہلک آتی ہو

وَيُظَنُّ اللَّحْمُ صَيْدًا حَرَامًا وَيَخَالُ الرَّغِيفُ فِي الْبُعْدِ بَدْرًا

اور روٹی کو چاند کی برابر در سمجھا ہے اور گوشت کو حرام شکار تصور کرتا ہے

إِنْ أَصَابَ الرَّغِيفُ مِنْ بَعْدِ كَدِّ صَاحٍ مَنِ لِي بِأَنْ أَصِيبَ الْإِدَامَا

اگر شکل سے روٹی مل بھی جاتی ہے تو پھر سالن کے لئے پیچھا پھرتا ہے

إِيَّهَا الْمُصْلِحُونَ أَصْلَحْتُمُ الْآرَ ضَ وَبِئْسَ عَنِ النَّفْسِ مَنِ نِيَامَا

اے مصلحین! تم نے زمین کی اصلاح کی لیکن انسانی نفوس سے غافل رہے

أَصْلَحُوا النَّفْسَ أَضْرَبَهَا الْفَقْ - - - رَوْ أَحْيَا بِمَوْتِهَا الْآشَامَا

ان جانوروں کی اصلاح کرو جن کو محتاجی نے تکلیف پہنچائی ہے اور انکی موت سے گناہوں کو زبردہ کیا

لَيْسَ فِي طَوْقِهَا الرَّحِيلُ وَلَا الْجِدَّ وَلَا أَنْ تَوَاصِلَ الْأَقْدَامَا

ان کے بس میں نہ تو سفر ہے اور نہ کوشش ہے اور نہ اقدام

إِيَّهَا الْمُصْلِحُونَ رَفَقُوا بِقَوْمٍ قَيْدَ الْعِجْزِ شَيْخَهُمُ وَالْغُلَامَا

اے مصلحین! ان لوگوں پر رحم کرو جن کے بوڑھوں اور بچوں کو عاجزی نے مقید کر دیا ہے



وَأَعِثُّوا مَنَ الْفَلَاحِ نَفُوسًا قَدْ تَمَنَّتْ مَعَ الْفَلَاحِ الْحَمَامَا  
گرانی میں ان لوگوں کی مدد کرو جو موت کی منتا کر رہے ہیں۔  
ایک شعر میں ہے:

قَدْ شَقِيقُنَا وَنَحْنُ كَرَمْنَا اللَّهُ بَعْصَرِيكَرْمُ الْأَلْفَامَا  
ہم بدبختی میں پڑے ہیں، حالانکہ خدانے ہمیں عزت دی ہے ہم اسے زمانہ میں ہیں جس میں جائز بھی مغز میں  
مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک المحدث (سلفی) نے فقہار کے اس عمل کے  
بارے میں سوال کیا تھا کہ نماز کے کفارہ میں فقیر کو درہموں کی پھیلی دی جاتی ہے، پھر اسے اس  
سے واپس لے لیتے ہیں، ایسا چنبدار کرنے کے بعد اسے تھوڑے سے درہم دیدیتے ہیں کیا  
یہ ماثور ہے؟ اگر ماثور نہیں تو کیا بدعت سے بچنے کے لئے اسے چھوڑنا بہتر نہیں؟

میں نے اس کا جواب دیا تھا کہ یہ کیفیت ماثور نہیں بعض ائمہ نے روزے، قسم اوزنہ  
کے کفاروں پر قیاس کرتے ہوئے اسے جائز بتایا ہے۔ چونکہ اس سے فقرا کو فائدہ ہوتا  
ہے، اور صدقہ ایک مستحب کام ہے، اس لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہ لیکن بعض  
مالدار اشخاص کا فقہار کے بنانے سے بھری ہوئی پھیلی کو مہرہ کرنا اور پھر اسے واپس لے  
لینا فقرا کے حق کو ختم کرنے کا جیلہ ہے اور اصل مسئلہ کے ساتھ کھیل۔ واضح رہے کہ جس جیلہ

اس میں کہتا ہوں کہ یہ مصنف کی رائے ہے لیکن ہم اسے درست نہیں سمجھتے، یہ سلف سے منقول نہیں  
اور بھلائی ان ہی کی پیروی میں ہے، اس لئے سلفی کے قول کے مطابق اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے بلکہ  
واجب ہے، اس لئے غیر مشروع فعل سے خدا کا تقرب بہت بڑی گراہی ہے بعض فقیر کے نفع کے خیال  
سے اسے مستحسن قرار دینا مولف جیسے سلفی عالم کا بہت تعجب انگیز خیال ہے، ایسے علماء سے مخفی نہیں کہ مقصد  
ذریعہ کو جائز نہیں جانتا۔ مجھے لگتا ہے کہ مصنف محتاجوں پر نرمی و مروت کے جذبہ سے مجبور ہونے کی  
وجہ سے مذکورہ رائے کی غلطی کو نہیں سمجھ سکے، بہر صورت انھیں اجر ملیگا۔ واللہ المستعان۔ (ناصر الدین)۔

سے کوئی واجب ساقط ہوگا اس کو عمل میں لانے والا اللہ کے یہاں بری نہیں ہو سکتا، جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا ہے اور ابن قیم نے اغاثۃ اللہ فان میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ لیکن میرا قول یہ ہے کہ نقرار پر ظلم کے باوجود بغیر مکروہ نہیں، اگر اسے مکروہ کہا جائے تو ڈر ہے کہ جو کچھ نقرار کو ملتا ہے وہ بھی بند ہو جائے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ ہاں مالدار لوگ البتہ قابل ملامت ہیں کہ کثیر مال و جائداد اس طرح سمیٹے رہتے ہیں کہ گویا سب کچھ ابھی کیلئے بنا ہے اور ان کے مال میں کسی اور کا حق نہیں۔ فقہاء جو مالداروں کو یہ حیلے بتاتے ہیں اور امت کے رؤساء و قائدین جو محتاجوں کے بارے میں کبھی سوچتے نہیں، یہ سب لوگ بھی قابل ملامت ہیں، اگر سب مل کر اصلاح کی کوشش کریں اور ہر طبقہ میں علم کی روشنی پھیل جائے تو یقیناً یہ بدعتیں ختم ہو جائیں گی اور ان کے بادل چھٹ جائیں گے، کیونکہ جہالت، علم کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی، اور حق باطل کو دبا کر رہتا ہے :

بَلْ لَقَدْ فَتِنَ الْإِنسَانُ عَلَىٰ الْبَاطِلِ  
فَبَدَّلَ مَعَهُ فَاذًا هُوَ زَاهِقٌ -  
(الانبیاء - ۱۸)

بلکہ ہم تو سوچ کو (پیچھے کی طرح) جھوٹ پر  
ڈالتے ہیں، پھر وہ اس کو کچل ڈالتا ہے پس  
وہ جھوٹ اسی وقت بلیا میٹ ہو جاتا ہے۔

## ⑥ مساجد کو خانقاہ کے طور پر استعمال کرنا

گذشتہ حکام نے صوفیاء کے لئے خانقاہیں تعمیر کی تھیں، جہاں مقیم رہ کر وہ اپنے اذکار و اوراد اور مخصوص حرکات و رسوم ادا کرتے تھے، صاحب "الدارس" نے متعدد خانقاہوں کے نام گنائے ہیں لیکن سابقہ حکام سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے صوفیاء کے مسجد میں ٹھہرنے اور اپنی رسوم کو ادا کرنے کا انتظام کیا ہو۔ کیونکہ آباد مساجد کو نماز جمعہ اور جماعت کے لئے تعمیر کیا جاتا ہے، اگر ان میں اس طرح کے کاموں کی اجازت دیدی جائے تو مصلیوں کو عبادت میں خلل ہوگا۔

اور بہت سے لوگ مسجدیں چھوڑ کر چلے جائیں گے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ صوفیاء کے لئے  
 نیکی اور خالص بنیادی جائیں اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں اکٹھا ہو کر روم ادا کر لیں  
 لیکن بعد کے ادوار میں بعض صوفیوں نے اپنے اتاد کے مشورے سے بعض مسجدوں  
 کو نیکہ بنانے کی کوشش کی اور وہاں پر روم و اوراد کا سلسلہ شروع کیا، جس سے مصلیوں کو  
 تکلیف ہونے لگی۔ ارباب طریقت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسرے طریقہ والوں  
 کو اپنے حلقہ ذکر میں داخل نہیں ہونے دینا چاہتے، اس لئے جب ان کے ذکر کا وقت ہو جاتا  
 ہے اور مسجد میں بعض مصلی یا معتکف ابھی موجود رہتے ہیں تو یہ لوگ انھیں نکلنے پر مجبور کرتے ہیں  
 اس سے یا تو زبانی کہہ دیتے ہیں یا پھر مسجد کے دروازے کی زنجیر بار بار بجاتے ہیں جس کی  
 وجہ سے وہ مجبوراً چلا جاتا ہے۔ حالانکہ کبھی کبھی سردی کی وجہ سے کوئی شخص مسجد میں آتا ہے  
 کہ وہاں ٹھنڈک سے محفوظ رہ کر تھوڑا وقت گزارے اور اللہ کی یاد کرے، لیکن اسے مجبوراً  
 باہر جانا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارا خیال ہے کہ تقویٰ اور نیکی کا کام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو  
 مخصوص مقامات متعین کر کے وہیں بٹھا دینا چاہیے۔ ۷

## ⑤ مسجد کو مکتب یا چوکیداروں کی قیامگاہ بنانا

بعض لوگوں کی خواہش یا مشورہ ہوتا ہے کہ محلہ کی مسجد کو بچوں کا مکتب بنا لیا جائے  
 جس میں وہ قرآن، خط اور ابتدائی امور سیکھیں۔ مخفی نہ رہے کہ اس کی اجازت صرف اسی صورت  
 میں مل سکتی ہے کہ یہ نو ایجاد کاموں میں سے ہے اور ہر نو ایجاد کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی  
 اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ (ناصر الدین)  
 ۷ میں کہتا ہوں کہ: ہرگز نہیں، نیکی اور تقویٰ کا کام یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی مسجدوں کی طرف  
 رجوع کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کی سنتوں کی پابندی کریں۔ (ناصر الدین)



میں ہے جبکہ کوئی مسجد غیر آباد ہو اور پڑوس کا کوئی شخص اس میں نماز و عبادت کے لئے نہ جاتا ہو، ورنہ مکتب بنانے کی صورت میں مسجد کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ لیکن مسجد کو چوکیداروں کی قیام گاہ بنانا تو ناقابل معافی جرم ہے، البتہ اگر مسجد کے علاوہ کوئی اور جگہ نہ ہو اور علاقہ کے لوگوں کو حفاظت کے لئے چوکیداروں کی شدید ضرورت ہو تو اجازت دی جاسکتی ہے ورنہ قطعاً نہیں۔ بعض مسجدوں کے بارے میں مجھ سے بتایا گیا کہ وہاں اہل محلہ کی حفاظت کے لئے بعض پولیس والوں کو متعین کیا گیا جو مسجد میں قیام کرتے تھے، اس سے مسجد کے پڑوسیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، وہاں دوسری ایسی جگہ بھی موجود تھی جہاں پولیس والوں کو بٹھرایا جاسکتا تھا، لیکن چونکہ اس جگہ کرایہ کا سوال تھا اس لئے مسجد کو اختیار کیا گیا۔ مجھ سے یہ بھی بتایا گیا کہ بعض پولیس والوں کی طرف سے انتہائی نامعقول حرکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ چیز شرعی و عقلی کسی لحاظ سے بھی گوارا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر مسجد کو حکومت اپنی کسی ضرورت کے لئے استعمال کرے مثلاً فوجیوں کی عمر وغیرہ کی تحقیقات وغیرہ تو یہ بھی درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے ذکر و عبادت کے کاموں میں یقیناً رکاوٹ پیدا ہوگی اور ممنوع باتوں کا ارتکاب ہوگا، اس لئے اس طرح کے کام کرنے اور ایسے کاموں میں مدد دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

## ۸) مسجد میں کمزوری کا اظہار کرنا، سر جھکانا اور پشت خم کرنا

امام ابو شامہ نے "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں لکھا ہے کہ: جاہل عوام کے دلوں کو مائل کرنے کیلئے جو بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں ان میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ چلنے اور بات کرنے میں کمزوری ظاہر کی جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ آدمی بہت پرہیزگار و عبادت گذار ہے۔ لیکن اسلام اس کا مخالف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل اس سے مختلف تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و شمائل سے متعلق احادیث میں یہ وضاحت موجود ہے کہ جب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے تو بیروں کو باقاعدہ زمین سے اوپر اٹھا کر مضبوطی کے ساتھ چلتے تھے لہ

مہرونے "الکامل" میں روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی کو مردہ سا دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ قاری و فقیہ ہیں، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تو قاری تھے لیکن جب چلتے تھے تو تیز چلتے تھے، بولتے تھے تو سنا کر بولتے تھے، مارتے تھے تو سخت مارتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عبادت کا اظہار کرتا ہے اور کمزوری مبتلا ہے، آپ نے اسے دُور سے آہستہ مارا اور کہا کہ ہمارے دین کو ہم پر مُردہ نہ بناؤ، خدا تمہیں مُردہ نہ بنائے۔ امام احمد نے ابوالدرداء سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: منافقانہ خشوع سے اللہ کی پناہ مانگو۔ لوگوں نے پوچھا کہ منافقانہ خشوع کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جسم سے خشوع ظاہر ہو اور دل میں خشوع نہ ہو۔

مدائنی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کے پاس لکھا کہ: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی مجلس میں روتے ہیں، لیکن اب جب مجلس میں بیٹھو تو سب لوگوں کی طرح رہو اور رویانہ کرو۔

ابن عساکر نے ابن مبارک سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادلم کم کبھی تسبیح یا خیر کا کوئی اور کام ظاہر کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جب وہ لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سے بعد میں ختم کرتے تھے۔ انھیں سے مروی ہے کہ: مجھے ایسے قاری پسند ہیں جو نشاہ رُو، اور منس مکھ ہوں۔ لیکن ایسے قراہن سے تم منس کر ملو اور وہ ترش روئی سے ملیں گویا تم پر اپنے علم کا احسان جبار ہے میں، تو خدا ان کی تعداد نہ بڑھائے۔

لہ یہ صحیح حدیث ہے، اسے ابن سعد نے طبقات (۱: ۴۱۰، ۴۱۱) میں دو طریق سے حضرت علی سے روایت کیا ہے لفظ بن صبو کی ایک صحیح الاسناد حدیث کی شاہد بھی ہے جس کی تخریج "صحیح السنن" (۱۳۱) میں موجود ہے۔



ابو شامہ کہتے ہیں کہ: انھوں نے جس کثادہ روئی کی طرف اشارہ کیا ہے وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء امت کا امتیاز تھی۔ ائمہ میں سعید بن مسیب، شعبی، ابن سیرین اور اعمی، لیت بن سعد اور شافعی وغیرہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ کثادہ روئی کا معاملہ کرتے تھے، البتہ دین کے معاملہ میں کبھی نرمی سے کام نہیں لیتے تھے۔

## ⑨ گاؤں کے بعض ائمہ کی جہالت

۳۲۳ھ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر میں غوطہ کے ایک گاؤں میں تھا، طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد ہم وہاں کی مسجد میں عید کی نماز کے لئے گئے، امام کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھایا گیا، اتفاق سے امام نے بھول کر دوسری رکعت سے پہلے کی زائد تکبیریں چھوڑ دیں پھر ان کو بعد میں کہا اور سجدہ سہو کیا۔ حالانکہ ایسی صورت میں نہ تو سجدہ سہو کی ضرورت تھی نہ تکبیروں کو دہرانے کی۔ امام شافعیؒ نے ”الائم“ میں لکھا ہے کہ امام اگر عید کی گُل یا بعض تکبیریں بھول جائے اور قمرات شروع کر دے پھر قمرات روک کر تکبیر کہے اور قمرات شروع کرے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ قمرات شروع کر لینے کے بعد اسے بیچ سے قمرات کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور نہ یہ کہ قمرات سے فارغ ہو کر تکبیر کہے۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی بھولی ہوئی تکبیریں کہنے کا بھی حکم نہیں دیا جائے گا، کیونکہ تکبیر ذکر ہے اور ذکر جب اپنی جگہ پر نہ ہو سکے تو اس کی قضا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر رکوع یا سجدہ کی حالت میں تسبیح چھوڑ دے تو قیام کی حالت میں تسبیح کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر ساتوں اور پانچوں تکبیریں قصد آیا بھول کر چھوڑ دے تو اسے دہرانے یا سجدہ سہو کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ ذکر ہے اور ذکر کے چھوڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، یہ ایسا کام نہیں جس سے سجدہ سہو ضروری ہو۔ انھوں نے مزید کہا کہ: اگر تکبیر چھوڑ دے یا پھر یاد آئے پر کہے تو میں یہ پسند کروں گا، کہ

دوبارہ پلٹ کر قرارت کرے، اگر ایسا نہ کیا ہو تو پلٹنا ضروری نہیں، اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اگر تکبیر میں کمی یا زیادتی ہو جائے تو دہرائیا یا سجدہ سہو کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام شافعی نے ماقبل میں بسند حضرت ابو بکر، عمر، علی، ابو ایوب، زید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ سب لوگ پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہتے تھے۔ انتہی۔ یہاں میں نے امام شافعی کے کلام سے اس لئے استدلال کیا ہے کہ غوط کے اکثر باشندے شافعی ہیں، ان کے امام کی بات ان کی نظر میں یقیناً زیادہ معتبر ہوگی۔

مخفی نہیں کہ گاؤں کے اماموں کے لئے بھی دین کی سمجھ اور سنت سے واقفیت لازمی ہے۔ یہ لوگ اس سلسلہ میں کوتاہی کرنے میں حالانکہ کوئی عذر نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ممکن ہو کہ کسی کو بھیج کر ان ائمہ کو تعلیم دی جائے یا خود ان میں سے بعض کو مجبور کیا جائے کہ وہ دین سیکھنے سمجھنے کے لئے نکلیں تو یہ حکم الہی کی عین فرمانبرداری ہوگی۔

### ① مسجدوں کی تعمیر و صفائی کے سلسلہ میں گاؤں کے اکابر کی کوتاہی

کسی بھی گاؤں کی مسجد میں چلے جائیے تو وہاں آپ کو ضرورت کی تمام چیزیں نظر نہیں آئیں گی۔ زمین متفنن رہتی ہے، پٹائی یا پچھو نے وغیرہ لٹے اور ایسے نہیں ہوتے کہ مصلیٰ کو ٹھنڈک سے بچا سکیں، تعمیر بھی صحیح ڈھنگ کی نہیں ہوتی، روشنی کی کمی رہتی ہے، بیت الخلا استعمال کے قابل نہیں رہتے۔ اگر پوچھا جائے کہ اس خستہ حالی کا سبب کیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ اوقات کی رقم کھائی جاتی ہے، یا مسجد کے بڑے بڑے پڑوسیوں کو اس کی تعمیر و صفائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بیت المقدس کے سفر کے موقع پر عمان میں جرکسیوں کے فقیہ سے میں نے پوچھا کہ عمان کے مالدار لوگ یہاں کی عظیم اٹان مسجد کی مرمت و صفائی کیوں نہیں کراتے، جو منارے گرنے کے قریب ہیں انھیں تعمیر کیوں نہیں کراتے؟ فقیہ نے جواب دیا کہ: مالدار لوگ دنیا

کی تعمیر میں مصروف ہیں، آخرت کی تعمیر کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے۔ یہی حال بہت سی مسجدوں کا ہے، اللہ تعالیٰ باحیثیت لوگوں کو مساجد کی تعمیر و صفائی اور آباد کاری کی توفیق بخشے۔

## ⑪ تعمیر کے وقت مسجد میں ننگے پاؤں داخل ہونے والوں کا مبالغہ

بعض مسجدوں میں تعمیر یا مرمت کے وقت صحن وغیرہ میں مٹی و پتھر وغیرہ سے گرد و غبار پھیل جاتا ہے، پھر مسجد کے صحن میں بغیر جوتے کے داخل ہونے سے پیر میلہ ہو جاتا ہے اور مسجد کے دوسرے حصے بھی میلے ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر جو تاپہن کر کوئی صحن میں جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس سے مسجد کی بچہ رستی مقصود نہیں، کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن کچھ غلو پسند لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ تعمیر کی حالت میں بھی مسجد میں ننگے پاؤں ہی یا غیر مستعمل جوتے پہن کر داخل ہوتے ہیں۔ اس غلو و مبالغہ کا حکم شریعت نے نہیں دیا ہے، بلکہ حدیث میں اس کے خلاف مذکور ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں جوتے پہن کر بھی داخل ہو جاتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، انھیں معلوم ہوتا تھا کہ جوتوں میں نجاست کا لگنا ممکن ہے، لیکن چونکہ زمین پر رگڑ سے ان کی طہارت ہو جاتی ہے اس لئے وہ ایسا کرتے تھے۔ ابن قیمؒ نے ”اغاثۃ اللہقان“ میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مسجد کو اس وقت میں جوتوں سے بچانا چاہیے، کیونکہ اُس میں اچھے قسم کے فرش او قابین بچھ رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا تعلق ایک مخصوص حالت یعنی تعمیر کے وقت سے ہے۔

## ⑫ مساجد ثلاثہ کے علاوہ فضیلت کی بنا پر کسی مسجد اُنیث

امام ابو ثناء نے ”الباعث“ میں لکھا ہے کہ: محمد بن مسلمہ کہتے تھے کہ: تین مسجدوں



(مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ) کے بعد مسجد قبار کے علاوہ کسی اور مسجد میں فضیلت کے خیال سے جانا نہیں چاہیے۔ کسی مسجد میں جانے کے لئے کوئی مخصوص دن بھی متعین کرنا بدعت ہے۔ ممکن ہے کہ وقت گزرنے کے بعد لوگ اس دن کو تہوار بنالیں۔ یا مسجد کی اس دن زیارت کو فرض سمجھ لیں۔ البتہ کسی مسجد میں بغیر تعیین وقت جانے میں کوئی حرج نہیں، انتہی۔۔۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ ہر منیجر کو مسجد قبار تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر ہفتہ مسجد قبار تشریف لے جاتے تھے۔ حدیث میں ”سبت“ (منیجر) کے لفظ سے ہفتہ کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ جمعہ کا لفظ بول کر ہفتہ مراد لیتے ہیں، اس کی مثال صحیحین کی وہ حدیث ہے جسے حضرت انسؓ بن مالک نے روایت کیا ہے، جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لئے جو دعاء فرمائی تھی اس کے ذکر کے بعد حضرت انسؓ نے کہا کہ :

فَلَا وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ الشَّمْسَ  
سَبْتًا  
بمدا پھر ہم نے ہفتہ بھر سورج نہیں  
دیکھا۔

### ⑬ مسجد میں جوتوں کے محافظ

بعض مسجدوں میں ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو مسجد میں آنے والوں کے جوتے لے کر ان کی حفاظت کرتے ہیں، اس کے لئے وہ مسجد کی کسی جگہ پر قبضہ کئے رہتے ہیں، جب لوگ نماز سے فارغ ہو کر جانے لگتے ہیں تو ان کے جوتے حوالے کرتے ہیں اور حفاظت کے عوض کچھ پیسے لیتے ہیں۔ جوتوں کے ان محافظین کو اس کام سے روکنا چاہیے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو آنے جانے میں تنگی ہوتی ہے اور مسجد کی جگہ کچھ پھنسی رہتی ہے۔ جوتوں کی حفاظت سے متفق علیہ حدیث ہے۔ لہٰذا اس کی تخریج ”الارواء“ میں موجود ہے۔

کے بہانے یہ لوگ نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح مسجد کے دروازوں پر جو جوتوں کی حفاظت کے لئے بیٹھتے ہیں وہ بھی جمعہ و جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔

### ⑭ مسجد میں بلیوں کو رکھنا

ابن الحاج نے لکھا ہے کہ: لوگ پہلے خدا کے گھروں کی توقیر و احترام کرتے تھے اور انہیں تمام نامناسب چیزوں سے پاک و صاف رکھتے تھے، لیکن اب معاملہ مختلف ہے، لوگ اس دور میں مسجدوں کے اندر بلیوں کو جگہ دیتے ہیں جن سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس کسی کے گھر میں کوئی موزی قسم کی بلی ہوتی ہے وہ اسے مسجد میں چھوڑ دیتا ہے، اور یہ نہیں سوچتا کہ بلیوں سے مسجدیں گندی ہوتی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

### ⑮ مجذب لوگوں کو مسجدوں میں جگہ دینا

بعض مسجدوں میں کچھ مجذب اشخاص حجروں یا برآمدوں میں مقیم رہتے ہیں اور گندگی پھیلانے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو بیمار خانوں یا اسپتالوں میں رہنا چاہیئے۔ یہ لوگ جہاں بھی رہتے ہیں مصیبت بن کر رہتے ہیں، کچھ تو لباس سے بے نیاز مانگتے پھرتے ہیں اور کچھ اپنی شکل بگاڑ کر بچوں کو ڈراتے پھرتے ہیں، ان میں کبھی کبھی ایسے مجذب بھی نظر آتے ہیں جو سڑکوں پر بھٹکتے پھرتے ہیں اور مختلف قسم کی حرکتوں سے قریب پاس کے لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ مثلاً سر ٹھلار کھتے ہیں، شہرگاہ پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا۔ بال کو اس انداز سے ٹکائے رہتے ہیں کہ بچے اور عورتیں ڈرجائیں، کفریہ کلمات اور گالیاں بکتے ہیں اور نفل میں پتھر ڈالتے رہتے ہیں۔ طرفہ یہ کہ کچھ لوگ ان لوگوں کے بارے میں ولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اللہ میں چہاں دگر اہی سے محفوظ رکھے۔ کہاں مقام ولایت اور کہاں یہ دیوانے! شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ



نے ”الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان“ میں لکھا ہے کہ: بندہ اللہ کا ولی اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ مومن و متقی ہو، جو شخص اللہ کا تقرب نیکیاں کئے بغیر اور برائیاں چھوڑے بغیر ڈھونڈے وہ اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دیوانہ بھی ولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ دیوانے کا ایمان اور اس کی عبادتیں صحیح نہیں، اور ولایت کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ جس دیوانے کو کبھی افاتہ نہ ہو وہ فروع القلم (تمام احکام سے معذور) ہے، اور جسے افاتہ ہو جاتا ہے اس سے افاتہ کی حالت میں اگر کفر، نفاق یا گناہ کا صدور ہو تو وہ کافر، منافق یا فاسق ہوگا۔ اور اگر یہ چیزیں دیوانگی کی حالت میں صادر ہوں تو کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اگر ولایت کا کوئی مدعی فرائض کی ادائیگی اور محارم سے پرہیز نہ کرے بلکہ اس کے مخالف اعمال کا ارتکاب کرے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کرے کہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ضروری نہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ابن تیمیہ کی کتاب ”الفرقان“ ملاحظہ ہو۔)

## ①۶: بچوں کا مسجد آنا

یہ حدیث گزر چکی ہے کہ:

وَجَبَّ بَوَامُ سَاجِدَکُمْ صَبِيًا نَكْمٌ  
مَسْجِدُوں سے بچوں اور دیوانوں کو  
وَمَجَانِيْنُکُمْ۔ لے دُور رکھو۔

اس کا سبب یہ ہے کہ بچہ کھیل کا خوگر ہوتا ہے اور اس کے کھیل سے مصلیوں کو خلل ہوگا۔ وہ بسا اوقات مسجد کو کھیل کا میدان سمجھ لے گا جو اس کی حیثیت کے منافی ہے۔ اس لئے بچوں کو مسجدوں سے دور رکھنا چاہیے۔

لے میں کہتا ہوں کہ: یہ حدیث ضعیف غیر صحیح ہے، جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔

①۷ مسجدوں میں دوا کھانا اور تعویذ وغیرہ فروخت کرنا اور

## صَفُوں میں گھس کر مانگنا

ابن الحاج نے لکھا ہے کہ: مسجد میں جانوروں کے بال یا لکھنے کا چمڑہ وغیرہ بیچنے والوں کو اس سے روکا جائے گا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں مسجدوں کے منکرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ایک منکر امر یہ ہے کہ جمعہ کے دن حلقے بنا کر دوا، کھانے، اور تعویذات وغیرہ فروخت کئے جائیں۔ اور جیسے سائلوں کا کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا اور اشعار وغیرہ سنانا، ان میں سے بعض چیزیں تو حرام ہیں اس لئے کہ ان میں جھوٹ اور تلبیس ہے۔ تعویذ بیچنے والے اصحاب بھی مختلف قسم کی تلبیس سے کام لیتے ہیں، اس طرح کے افعال مسجد کے اندر اور باہر ہر جگہ حرام ہیں، انھیں روکنا چاہیے، بلکہ ہر ایسی بیع جس میں جھوٹ، تلبیس یا خریدار سے عیب چھپانے کی بات ہو وہ حرام ہے۔ انتہی۔

سائلوں کے نیام کی جوابات امام غزالیؒ نے لکھی ہے اسی طرح کا معاملہ ان ہندوستانیوں کا ہے جو جمعہ کے دن جب خطیب منبر پر موصفوں کے درمیان گھس کر سامعین کے سامنے اوراق رکھ دیتے ہیں جن میں صدقہ سے متعلق آیت یا حدیث لکھی رہتی ہے، ایسے لوگوں کو بھی روکنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے اس کام سے حاضرین کو خلل ہوتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان سائلین پر خطبہ سنایا نماز پڑھنا فرض ہی نہیں، یہ لوگ اکثر مصلیٰ کے آگے سے بھی گزر جاتے ہیں جس سے اس کی اور خود نماز کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ پانی پلانے والوں اور عام سائلین کو بھی ایسے وقت میں روکنا چاہیئے کیونکہ یہ وقت خاموشی، ذکر و فکر اور خشوع و خضوع کا ہے اسے کسی اور کام میں ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

## ①۸ مسجد میں کسی مخصوص جگہ قیام

مسجد میں حاضر باش بعض لوگ کوئی مخصوص جگہ یا گوشہ پسند کرتے ہیں، مثلاً امام کے پیچھے، منبر کے بازو میں یا آگے یا دائیں یا اونچے چوڑے کے پاس۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ انہیں عبادت یا قیام اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اگر وہاں کوئی اور شخص آجاتا ہے تو اسے ہٹنے پر مجبور کرتے ہیں، یا وہاں سے لاجول وغیرہ پڑھتے ہوئے اس انداز سے دوسری جگہ کا رخ کرتے ہیں کہ سب کو علم ہو جاتا ہے، اور کبھی تو وہاں پر پروردگار سے کہہ دیتے ہیں کہ میں اتنے سالوں سے اس جگہ قیام کرتا ہوں، اور پھر اسے اس جگہ سے ہٹنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح کی جہالت اکثر مسجدوں میں ہوتی ہے۔ لہذا ہر مسجد کی کسی مخصوص جگہ سے محبت کا انتشار اور سبب درج ذیل ہوتا ہے۔ جہالت، ریاکاری، یہ کہلانا کہ یہ فلاں کی جگہ ہے یا وہ صف اول کے نمازیوں میں ہے۔ اس سے عمل کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کسی شخص کے اندر مذکورہ عیوب نہیں ہیں، پھر بھی کسی مخصوص مقام سے انسیت کے نتیجے میں یہ ضرور ہو گا کہ دوسری جگہ اسے عبادت کی لذت میں کمی محسوس ہوگی، اور وہی مخصوص جگہ اسے اپنی طرف مائل کریگی حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَنْ نَقَرَةِ الْغُرَابِ وَأَنْ يُوطَّنَ  
الرَّجُلُ فِي الْمَكَانِ بِالسُّجْدِ كَمَا  
يُوطَّنُ الْبُعْبُعُ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوترے کی طرح  
چونچ مارنے سے منع فرمایا، اور مسجد میں  
اونٹ کی طرح کسی خاص جگہ بیٹھنے سے  
بھی منع فرمایا ہے۔

ابن الاثیر نے ”النهاية“ میں لکھا ہے کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کی کسی متعین جگہ  
سے یہ حدیث حسن ہے، اس کی تخریج ”صحیح السنن“ (۸۰۸) وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔

سے اس طرح مانوس نہ ہو جائے کہ مخصوص طور پر وہیں نماز وغیرہ پڑھے، جس طرح کہ اونٹ  
 اسی جگہ بیٹھتا ہے جسے متعین کر لیا ہے خواہ کتنی ہی گندی کیوں نہ ہو جائے۔ اوطنت الارض  
 اور وطنہا اور استوطنہا کا معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ کو وطن اور قیام گاہ بنالیا جائے  
 اسی مفہوم میں یہ لفظ ”نَهَى عَنْ اِطْطَانِ الْمَسَاجِدِ“ والی حدیث میں وارد ہے۔ یعنی مسجد  
 کی کسی مخصوص جگہ کو قیام گاہ بنانے سے آپ نے منع فرمایا۔ شرح الانناع میں مذکور ہے  
 کہ: امام کے علاوہ کسی اور کا مسجد میں ہمیشہ کسی مخصوص جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فتح القدیر  
 میں حلوانی کی ”الہایہ“ سے منقول ہے کہ: مسجد میں نماز کے لئے کسی مخصوص مقام متعین کر  
 لینا مکروہ ہے، کیونکہ جب یہ اس کی عادت ہو جائے گی تو دوسری جگہ عبادت اس کے لئے  
 ثقیل معلوم ہوگی، اور عبادت جب عادت و طبیعت بن جائیں تو انھیں چھوڑ دینا چاہیئے  
 اسی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ مانا گیا ہے، انتہی۔

### ①۹ متولیان مساجد کی ذمہ داریاں

سب کو معلوم ہے کہ مسجد یا دوسرے موقوفہ مکانات و جائداد کے متولیوں کی شرط رہتی ہو  
 جو موقوفہ چیز کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور کرائے وغیرہ وصول کرتے ہیں۔ مساجد و مدارس وغیرہ کی  
 وقفیہ تحریروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر وقف کرنے والے کی طرف سے متولی کے  
 لئے کچھ شرائط ہوتی ہیں جن کی خلاف ورزی سے وہ بچنے کی تاکید کرتا ہے اور خلاف ورزی  
 کی صورت میں اللہ کے عذاب و غضب سے ڈراتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقف  
 کرنے والے کو آئندہ ہونے والی خرابیوں کا علم ہو جاتا ہے اور وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وقف کی  
 یہ عمارت آگے چل کر کسی میرسی کے عالم میں ہو جائے گی۔ اس موقع پر ہم اس وقفیہ عبارت کا  
 حوالہ دینا چاہتے ہیں جسے وزیر سنان پاشا نے دمشق کی جامع کبیر سے متعلق تحریر کیا تھا،

اس میں منوٹی کے لئے یہ شرائط مذکور ہیں: منوٹی کو عاقل، امانت دار، بھوس اور متوازن رائے والا، امانت و دیانت میں معروف اور متواضع ہونا چاہیئے۔ اوقات کی آباوکاری اور غلہ جات کے حصول کے لئے کوشاں رہے کسی بھی جگہ ایک ذرہ ضائع نہ کرے... وقفیہ کے اختتام پر لکھا ہے کہ: اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے کسی بھی حاکم، قاضی یا موجود، و غیر موجود وارث کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ وقف کی ان شرطوں میں کوئی تبدیلی کرے، اگر کسی نے ان کے اندر کوئی تبدیلی کی یا انھیں دھوکے سے کالعدم بنا دیا تو وہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستحق ہوگا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جہاں اسے گرم پانی پلایا جائے گا۔ وقف سے متعلق تمام تحریروں میں اسی طرح بے جا تصرف اور خوردبرد کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ لیکن ان شرائط اور دھکی و لعنت کا لحاظ بہت کم لوگ کرتے ہیں، اوقات پر ناجائز قبضہ برقرار رہتے ہیں اور عمارتیں تباہ و برباد ہوتی رہتی ہیں۔

”صالحیہ“ کے مدارس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح انھیں باغات اور ویلاں میں بدل دیا گیا ہے۔ بہت سی مسجدوں میں نہ تو وقف سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ کوئی منوٹی اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ یہ ایک عظیم مصیبت ہے، معلوم نہیں اللہ کا ڈر دلوں میں کیوں نہیں؟ نہ تو حقوق کے سلسلہ میں کسی کے اندر غیرت ہے نہ موقوفہ جائیداد کو بڑھانے کی فکر۔ منوٹیوں کی ذمہ داریاں اور اس منصب کے لئے آداب و احکام بہت اہم ہیں، اسی وجہ سے خیر پسند لوگ اس سے ہمیشہ دور بھاگتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند آداب ذیل میں درج ہیں: آداب و احکام میں سے یہ ہے کہ مسجد کا منوٹی مسجد کی اصلاح و تعمیر کا خیال رکھے، اوقات کو بڑھاتا اور مفید بناتا رہے، غیرت مند بنائے۔ اگر کسی محصل کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کرے، کاتب چاہتا ہو تو کاتب رکھے اور آمد و خرچ کا مکمل حاب رکھے برابر مسجد کے حال پر نظر رکھے تاکہ فادام صفائی ستھرائی اور چٹائی وغیرہ کی حفاظت کرتا رہے۔



مؤذن اذان میں سُستی نہ کرے، امام امامت میں کوتاہی نہ کرے اور روشنی کا بندوبست رکھنے والا کبھی اس کے نظام میں خلل نہ پیدا ہونے دے۔ قابلِ مرمت جائداد پر نظر رکھے۔ طہارت خانوں کی صفائی اور نالیوں میں پانی وغیرہ صحیح طور پر پہننے کا انتظام رکھے۔ جائداد جو آمدنی ہو اس کا خیال رکھے اور آمدنی میں اضافہ کے لحاظ سے ملازمین کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کرے تاکہ انھیں اطمینان حاصل رہے۔ تنخواہوں میں اضافہ کے لئے یہ نہ سوچنا چاہیے کہ اس سے واقف کے شرائط کی خلاف ورزی ہوگی، کیونکہ جائداد کی آمدنی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بعض اسلامی حکومتوں نے اس مسئلہ پر توجہ دی ہے، جیسا کہ بعض مجلّوں میں اس موضوع پر مضامین شائع ہوئے ہیں، ایک مضمون میں ہے کہ :

”اوقات کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن مسجدوں کی ظاہری و باطنی حالت برابر خراب ہو رہی ہے، خطباء اور ائمہ کا جو حال پہلے تھا وہی اب بھی ہے۔ اہل علم و دین کی مدد اور معاشی حالت کی بہتری اوقات کا بہترین مصرف اور بڑی نیکی کا کام ہے۔ اگر اہلیت و صلاحیت کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب تنخواہوں پر ائمہ و مؤذنین کا نفز رکھا جائے تو یہ اوقات کی آمدنی کا بہترین مصرف ہوگا اور ساتھ ہی باقاعدہ نماز باجماعت کا اہتمام رہے گا۔ خطبے بھی مفید و مناسب ہوں گے اور اللہ کے گھروں کی حالت بھی اچھی رہے گی۔ علم دین کو اس طرح فروغ ملے گا کیونکہ اس کے سدِ یافتہ لوگوں کا حال جب اچھا ہوگا تو دوسروں کو اس کی تحفیل کا شوق پیدا ہوگا۔“

مدارس اور خانقاہوں کے سلسلہ میں اگر ان امور کا لحاظ رکھا جائے تو وہاں بھی اس کے اچھے اثرات ظاہر ہوں گے۔ ان امور کا لحاظ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ انسان کے لئے اس وقت کی مہری حکومت کی جانب اشارہ ہے۔

اندر تقویٰ کی صفت موجود ہو، وہ تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھے۔ دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرے جسے اپنے لئے پسند کرتا ہے، آخرت کی کامیابی ہی کو اصل کامیابی سمجھے جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہو سکتی ہے، دنیا کو آزمائش کا گھر سمجھے اور ظلم و بے ایمانی کے بُرے انجام پر یقین رکھے۔

جو متوتریان مساجد و مدارس سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتے ان سے مجھے یہ کہنا ہے کہ :

”دیگر اقوام کی طرح وہ بھی اپنی عبادت گاہوں اور اوقات کی جائدادوں کا پورا تحفظ کریں اور ان کی آمدنی سے پورا پورا استفادہ کریں، اس طرح وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوں گے اور قوم کو بھی فائدے حاصل ہوں گے۔“

## ② دفع و بار کے لئے مسجد میں دعائیہ اجتماع

علامہ عصام الدین احمد حنفی معروف بہ طاش گبری زادہ نے اپنے رسالہ ”الشفاء لادواء الوباء“ میں ”المطلب السادس فی الدعاء برفع الطاعون من البلاد“ کے زیر عنوان لکھا ہے کہ : شیخ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ :

”اس قسم کی دُعا اور اس کے لئے اجتماع سے متعلق سوال کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل بدعت اور بے اصل ہے، اور اس کی توضیح درج ذیل ہے :

۱۔ یعنی چھٹا مقصد شہر سے طاعون دُور کرنے کے لئے دُعا کے بیان میں۔

۲۔ یعنی اپنے رسالہ ”مداراة الواعون فی اخبار الطاعون“ (ق ۱۰۸: ۲) میں جسے انھوں نے ابن حجر کی کتاب ”بذل الماعون فی فوائد الطاعون“ سے منقر کیا ہے، دونوں کا مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ (ناصر الدین)

اول یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے دفعیہ کی دُعا ثابت نہیں بلکہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے اُمت کے لئے اس کی دُعا کی ہے، اور اُسے طلب کیا ہے، ملے جیسا کہ مذکور ہوا۔

دوم یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس کی دُعا کی ہے جیسا کہ عبدالرزاق نے مصنف میں بروایت معمر بن قنَادہ روایت کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ شام کی طرف لشکر بھیجتے تھے فرمایا تھے کہ اے اللہ! انھیں قتل یا طاعون کے ذریعہ شہادت نصیب فرما۔

سوم یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں طاعون واقع ہوا تھا، اس وقت صحابہ اور ان کے اکابر کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، لیکن ان میں سے کسی کے متعلق یہ منقول نہیں کہ انھوں نے ایسا کیا یا اس کا حکم دیا، جیسا کہ منقول ہے کہ انھوں نے قوط کے دفعیہ کی دُعا کی۔

چہارم یہ کہ پہلی صدی ہجری میں متعدد بار طاعون واقع ہوا، اور اس وقت صحابہ و تابعین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، یہ اُمت کے بہترین افراد تھے، لیکن کسی نے بھی طاعون کے دفعیہ کی دُعا نہ کی، نہ اس کا کسی کو حکم دیا۔ اسی طرح دوسری صدی میں جبکہ تابعین و تبع تابعین کے بہترین لوگ موجود تھے، اور تیسری و چوتھی صدی میں بھی ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ طاعون کے دفعیہ کی دُعا آخری زمانہ یعنی ۱۰۰۰ھ کی ایجاد ہے، جیسا کہ ابن حجر نے نقل کیا ہے۔ رافعی اور نووی نے نقل کیا ہے کہ دُعا قنوت تمام نمازوں میں اور مصیبت یعنی وبا وغیرہ کے لئے مشروع ہے۔ لیکن سیدوطی نے اس حکم کو طاعون کے علاوہ دوسری وبا کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اسی وجہ سے دوسری وباؤں اور تمام بخارات اور اسباب ہلاکت کے علاوہ طاعون سے بھاگنے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض ضابطہ کا قول ہے کہ: طاعون کے لئے قنوت نہیں پڑھی۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قَنَاءَ اُمَّتِي قَتْلًا فِي سَبِيلِكَ وَالطَّاعُونَ وَالطَّاعُونَ“ اس حدیث کی تخریج کیلئے ملاحظہ ہو ”الارواء“ (۱۶۳۶)۔

جائے گی، اس لئے کہ سلف سے طاعون عوام وغیرہ میں قنوت ثابت نہیں۔ تیمی نے طاعون سے متعلق اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ: اس کے دفعیہ کی دُعا نیکروہ ہے، اس لئے کہ حضرت معاذ نے ایسا نہیں کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ وہ شہادت، رحمت اور امت کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہے۔ ابن حجرؒ نے تنہا تنہا دُعا کی مشروعیت کی جانب اپنا میلان ظاہر کیا ہے۔ اور اس کے لئے اجتماع کو ممنوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعت ہے جو ۴۹ھ میں وجود پذیر ہوئی ہے، اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ معاملہ اور پیچیدہ ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر یہ چیز مشروع ہوتی تو سلف، فقہاء اور ان کے متبعین سے پوشیدہ نہ رہتی اس سلسلہ میں محدثین سے ہمیں کوئی خبر یا اثر نہیں ملا اور نہ کسی فقیہ نے اس مسئلہ کو لکھا۔

## بائشتم

### مساجد ثلاثہ متعلق مشروع اور بدعت کے کاموں کے بیان میں

## پہلی فصل

### بیت المقدس کے بارے میں

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بیت المقدس کی زیارت سے متعلق اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ: مشروع عبادات مثلاً نماز، دُعا، ذکر، قرأت قرآن اور اعتکاف کے لئے بیت المقدس

کے سفر کو متفقہ طور پر علماء نے مستحب مانا ہے مسجد اقصیٰ میں مشروع عبادات اسی قسم کی ہیں جیسی مسجد نبوی وغیرہ میں، البتہ مسجد حرام میں مزید کعبہ کا طواف، دونوں ایمانی رکن چھونا اور حجر اسود کو بوسہ دینا بھی مشروع ہے۔ لیکن مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ یا اور کسی مسجد میں نہ طواف ہے، نہ کسی حصہ کو چھونا اور نہ بوسہ دینا۔ اس لئے یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے، انبیاء و صالحین کے مقبرے، صخرۂ بیت المقدس یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کو بوسہ دے۔ بلکہ روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کیا جائے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کعبہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا طواف مشروع ہے وہ ان لوگوں سے بدتر ہیں جو کعبہ کے علاوہ کسی اور طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کو جائز مانتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے اٹھارہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے مسلمانوں کو نماز پڑھائی، اس مدت میں وہ مسلمانوں کا قبلہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنادیا اور اس سے متعلق قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں مذکور ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے اور مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا، یہی حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی قبلہ تھا۔ اب اگر کوئی شخص صخرہ کو قبلہ بنا کر نماز پڑھے تو وہ کافر و مرتد ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ حکم جب اس جہت کے بارے میں ہے جو کبھی قبلہ تھی تو پھر کعبہ کے علاوہ کسی ایسی جگہ کا طواف جو کبھی مشروع نہ ہو کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص وہاں بکری یا گائے ذبح کے لئے بھیجے اور یہ سمجھے کہ وہاں قربانی افضل ہے، یا عید میں وہاں بال منڈائے، یا وہاں نویں ذی الحجہ کی شام کو ٹھہرنے کے لئے سفر کر کے جائے توبہ سب امور بدعت ہوں گے، انہیں عبادت سمجھ کر کرنے والے سے توبہ کرائی جائے گی، اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا، یہی حکم اس شخص کا بھی ہوگا جو صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اور یہ خیال کرے کہ یہ



کعبہ کی طرف رخ کرنے کی مانند ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے مسجد اقصیٰ کے اگلے حصہ میں مسلمانوں کے لئے مصلیٰ بنا دیا تھا، کیونکہ مسجد اقصیٰ تو اس مسجد کے پورے حصہ کا نام ہے جسے حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کیا تھا۔ بعض لوگ "اقصیٰ" اس مصلیٰ کو کہتے ہیں جسے حضرت عمرؓ نے مسجد کے اگلے حصہ میں تعمیر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے تعمیر کردہ اس مصلیٰ کی نماز مسجد کے بقیہ حصوں کی نماز سے افضل ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو صخرہ پر بڑا سا کوڑا خانہ تھا، کیونکہ عیسائی یہودیوں کی دشمنی میں اس کی توہین کرتے تھے تو آپؐ نے وہاں سے نجات دُور کرنے کا حکم دیا اور کعب احبار سے پوچھا کہ آپ کی رائے میں ہمیں مسلمانوں کا مصلیٰ کہاں بنانا چاہیئے؟ انھوں نے جواب دیا کہ صخرہ کے پیچھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے یہودی زادے، تم میں یہودیت کی آمیزش ہے، میں مصلیٰ صخرہ کے آگے بناؤں گا کیونکہ ہمارے لئے مسجدوں کے اگلے حصے ہیں۔ اسی لئے اُمت کے ائمہ جب مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے میں تو اسی مصلیٰ پر نماز پڑھتے ہیں جسے حضرت عمرؓ نے تعمیر کیا تھا۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے محرابِ داؤد میں نماز پڑھی، لیکن صخرہ کے پاس نہ تو حضرت عمرؓ نے اور نہ ہی کسی صحابی نے نماز ادا کی۔

خلفائے راشدین کے عہد میں اس پر قبۃ بھی نہیں تھا بلکہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، یزیدؓ اور مروان کے زمانہ میں وہ گھلا ہوا تھا، لیکن جب ان کے بیٹے عبدالملک شام کے والی بنے تو ان کے اور عبداللہ بن زبیر کے مابین فتنہ رونما ہوا، لوگ مکہ حج کے لئے جانے تو عبداللہ بن زبیر سے ان کی ملاقات ہوتی، عبدالملک نے ابن زبیر سے لوگوں کو پھیرنے کے لئے صخرہ پر قبۃ تعمیر کر دیا اور جاڑے و گرمی میں اس پر غلات ڈال دیا تاکہ لوگ بیت المقدس کی زیارت کے مشتاق ہو جائیں اور ابن زبیر سے ان کی ملاقات کا سلسلہ ختم ہو جائے، لیکن اہل علم صحابہؓ و تابعین صخرہ کی کسی طرح کی تعظیم نہیں

کرتے تھے، کیونکہ وہ منسوخ قبلہ ہے، جس طرح کہ سینچر کا دن موسیٰؑ کی شریعت میں عید کا دن تھا، لیکن شریعت میں اس کی جگہ جمعہ کا دن مقرر ہوا۔ اب مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ سینچر اور انوار کو کسی عبادت کے ساتھ مخصوص کریں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہود اور بعض عیسائی صخرہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ لیکن بعض جاہلوں کا یہ کہنا ہے کہ وہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم اور عمامہ کا اثر ہے، بالکل جھوٹ ہے۔ اسی طرح جس جگہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ ہے، جھوٹ ہے۔ اسی طرح یہ خیال بھی کہ وہیں پل صراط اور میزان ہے، اور جنت و جہنم کے مابین فاصلہ دیوار مسجد کی مشرقی دیوار ہے اسی طرح زنجیر اور اس کی جگہ کی تعظیم مشروع نہیں، بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے علاوہ کوئی جگہ ایسی نہیں جس کا عبادت کے لئے قصد کیا جائے، لیکن اگر قبرستان کی زیارت کرے اور مردوں کے لئے سلام و دعا کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو تعلیم دیتے تھے، تو یہ بہتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ بتاتے تھے کہ جب قبرستان جاؤ تو یہ دعا پڑھو:

اے میں کہتا ہوں کہ آج لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور وہاں نماز بھی پڑھتے ہیں جو سلف کے عمل سے مختلف ہے۔ یہود نے اسے بیماری کر کے تباہ کر دیا تو اس کی مرمت میں بہت سی رقم صرف ہوئی، آج وہ یہودی کے قبضہ میں ہے اور اس کا سبب مسلمانوں کی بدعملی اور شریعت سے دوری ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں دین پر عمل کی توفیق بخشے تاکہ دشمن کو اپنے ملک سے نکال سکیں۔ (ناصر الدین)

اے اس دعا کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں جن کے الفاظ قریب قریب ہیں، کچھ حدیثوں کی تخریج ”احکام الجنائز ویدعھا“ (ص ۱۸۹-۱۹۱) میں موجود ہے، لیکن کسی میں ”والمؤمنات“ کا لفظ موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض میں ”والمؤمنین“ کا لفظ موجود ہے۔ ان میں ”اللہم لا تحرمنا“ کے الفاظ بھی نہیں ہیں، میت کے لئے یہ دعا جنازہ کی نماز میں وارد ہوئی ہے لیکن اس میں ”واغفر لنا ولہم“ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مذکورہ مآخذ کا (ص ۱۲۴)۔ (ناصر الدین)

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ  
 مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَ  
 إِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ وَ  
 يَرْحَمُ اللَّهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنََّا وَ  
 مِنْكُمْ وَالْمُسْتَخِرِينَ، نَسْأَلُ اللَّهَ  
 لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ، اللَّهُمَّ لَا تَجْرِفْنَا  
 أَجْرَهُمْ وَلَا تَقْتُلْنَا بَعْدَهُمْ، وَ  
 اغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ۔

مہمان گھرانوں کے مومن مرد اور عورتوں  
 تم پر سلامتی ہو۔ اور ہم ان شاء اللہ تم سے  
 ملنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے  
 آگے اور پیچھے آنے والوں پر رحم فرمائے  
 ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے  
 عافیت مانگتے ہیں اے اللہ ان کے اجر  
 ہمیں محروم نہ کرنا اور نہ ان کے بعد ہمیں آزمانا  
 اور ہمیں اور ان کو بخش دے۔

انہوں نے مزید لکھا ہے کہ: بیت المقدس کی زیارت تمام اوقات میں مشروع ہے،  
 لیکن پھر بھی ایسے اوقات میں زیارت نہیں کرنی چاہیے جن سے گمراہی مقصود ہوتی ہے، گمراہ  
 لوگوں سے مشابہت اور ان کی تعداد میں اضافہ سے بچنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج  
 کی رات بیت المقدس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے  
 لیکن آپ نے کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھی۔ حدیث معراج میں بعض لوگوں کی یہ روایت کہ آپ  
 نے مدینہ میں، ہوسلیٰ کی قبر کے پاس اور قبر خلیلؑ کے پاس نماز ادا فرمائی تھی، جھوٹ اور موضوع  
 ہے (یہ ابن تیمیہ کے فتویٰ کا خلاصہ ہے، اس کا تتمہ اور مقدمہ بہت عمدہ ہے اسے ملاحظہ  
 کرنا چاہیے)۔

## دوسری فصل

### مسجد خلیل کے بیان میں

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "تفسیر سورہ اخلاص" میں لکھا ہے کہ: چونکہ قبروں کو مسجد

بنانا اور قبروں پر مسجد تعمیر کرنا حرام ہے اس لئے کہ اس قسم کی کوئی چیز صحابہؓ اور تابعینؓ کے زمانہ میں نہیں تھی کسی بھی قبر پر کسی مسجد کا علم نہیں حضرت ابراہیم خلیلؑ جس غاریں دفن ہوئے تھے اس کا راستہ سدو تھا، کوئی وہاں جاتا نہیں تھا، نہ ہی صحابہؓ وہاں کا یا کسی اور مسجد کا قصد کرتے تھے، کیونکہ صحیحین میں ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا  
تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کا سفر نہ کیا جائے۔ یعنی مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی)

اس لئے ان میں سے جو بھی آتے تھے مسجد اقصیٰ میں آتے تھے اور نماز پڑھ کر غارِ خلیلؑ وغیرہ گئے بغیر واپس چلے جاتے تھے، یہ غار بند رہنا تھا، پھر چوتھی صدی کے اخیر میں جب شام پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو انھوں نے غار کا دروازہ کھولا اور اس جگہ کو گر جانا دیا۔ مسلمانوں نے جب اس ملک کو فتح کیا تو بعض لوگوں نے اسے مسجد بنادیا، لیکن علماء نے اسے ناپسند کیا۔

معراج کے واقعہ میں بعض کی یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ: یہ طیبہ ہے اُتر بیٹے اور نماز پڑھیے، یہ آپ کے باپ ابراہیمؑ کی جگہ ہے، اُتر بیٹے نماز پڑھیے۔ تو آپ اُترے اور نماز پڑھی، یہ روایت جھوٹی ہے اور موضوع ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات صرف مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی تھی جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے اور صرف وہیں اُترے بھی تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد وہاں آئی، حضرت عمرؓ بیت المقدس اور شام دونوں کی فتح کے موقع پر وہاں تشریف لائے، اسی طرح تیسری بار اکابر صحابہؓ کے ساتھ جن

۱۔ صحیح حدیث ہے، اسے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ تخریج کے لئے ملاحظہ ہو الارواء (۹۵۲، ۷۶۵) اور احکام الجنائز ص ۲۲۲-۲۲۶۔

میں مہاجر و انصار میں سے سابقین اولین (سب سے پہلے مسلمان ہونے والے) شامل ہیں، آپ وہاں آئے، لیکن ان میں سے کوئی غارِ خلیل یا شام، بیت المقدس اور دمشق وغیرہ میں انبیاء کے آثار میں سے کسی اور اثر کو دیکھنے نہیں گیا۔ اس جگہ کو قاسیون، حضرت عیسیٰ کی جانب منسوب ٹیلہ، حضرت ابراہیم کی طرف منسوب مقام، اور ہابیل و قابیل کی طرف منسوب خون کا غار وغیرہ بتایا جاتا ہے، لیکن اولین مسلمان ان جگہوں میں سے کسی جگہ کا قصد یا زیارت نہیں کرتے تھے نہ ہی کسی جگہ سے برکت کی امید رکھتے تھے۔

## تیسری فصل

### مدینہ منورہ کے گرد و پیش کی زیارت گاہوں کے بیان میں

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہی نے مذکورہ کتاب میں آگے لکھا ہے کہ: اسی وجہ سے مدینہ وغیرہ کے علماء سلف نے مسجد نبوی اور مسجد قبار کے علاوہ مدینہ اور اس کے گرد و پیش کی کسی زیارت گاہ اور مسجد کے قصد کو مستحب نہیں کہا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مخصوص مسجد میں جانے کا قصد نہیں کیا۔ مدینہ میں بہت سی مسجدیں تھیں، انصار کے ہر قبیلہ کی مسجد الگ تھی، لیکن مسجد قبار کے علاوہ کسی مخصوص مسجد کے قصد میں کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ قبار مدینہ کی پہلی مسجد ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بالقصد تشریف لے گئے تھے اور فرمایا تھا کہ:

مَنْ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قَبَاءَ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ فِيهِ كَانَ كَعُمْرَةِ  
جو شخص اپنے گھر وضو کرے پھر صرف نماز کے ارادے سے مسجد قبار آئے تو یہ عمرہ کی مانند ہے۔

لے حاکم و ذہبی نے اسکی تصحیح کی ہے، اور یہ ایسی ہی ہے، ملاحظہ ہو "تخریج الترمذی" (۲: ۱۳۹)



اس کے باوجود وہاں کا سفر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر انسان مدینہ میں ہو تو وہاں جائے گا۔  
 البتہ سفر کا قصد تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کا نہیں کرے گا، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے  
 بقیع کے قبرستان اور شہداء احد کے مدفن کی زیارت مستحب ہے تاکہ ان کے لئے دُعا  
 واستغفار کر سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے، اور یہ چیز تمام مسلم مرنے والوں کیلئے  
 مشروع ہے، جیسا کہ ان کے لئے دُعا، سلام اور استغفار مستحب ہے۔ اس مقصد (دُعا و  
 استغفار) کے لئے قبروں کی زیارت مستحب ہے، اور اس میں انبیاء و صلحا و غیرہ کی قبریں  
 برابر ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ: اے اللہ کے  
 رسول، آپ پر سلام، اے ابوبکر! آپ پر سلام، اور اے میرے باپ (عمر) آپ پر سلام۔  
 پھر لوٹ جاتے تھے۔

یہاں انبیاء و صلحا کی قبروں کی زیارت اس خیال سے کرنا کہ ان سے مرادیں مانگی جائیں یا  
 انھیں پکارا جائے اور اللہ کی قسم دلائی جائے، یا یہ سوچنا کہ ان کی قبروں کے پاس دُعا یا نماز  
 مسجدوں اور گھروں کی دُعاؤں سے افضل ہے، یہ تمام چیزیں باتفاق ائمہ مسلمین شرک و بدعت  
 اور گمراہی ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی ایسا نہیں کرتا تھا، وہ لوگ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام  
 بھیجتے تھے تو کھڑے ہو کر اپنے لئے بھی دُعا کرتے تھے، اسی وجہ سے امام مالک وغیرہ علماء، مذکورہ  
 امور کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ یہ ایسی بدعت ہے جس کا سلف کے زمانہ میں وجود نہیں تھا۔ ائمہ  
 اربعہ اور دیگر علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص دُعا کا ارادہ کرے قبلہ کا سامنا کرے  
 اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف رُخ نہ کرے، اور جب آپ پر سلام بھیجے تو اکثر علماء کا قول ہے  
 کہ: قبر کا سامنا کرے۔ یہ مالک، شافعی اور احمد کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ: بلکہ قبلہ  
 ہی کا اس طرح کرے کہ قبر اس کے بائیں جانب ہو، بعض لوگوں کا قول ہے کہ: قبلہ کی طرف  
 پشت کرے۔ انتہی۔

# چوتھی فصل

## مکہ معظمہ کی زیارت گاہوں کے بیان میں

علامہ ابن تیمیہؒ نے گذشتہ بیان کے بعد لکھا ہے کہ: یہ اصل اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے جب ہجرت کی تو جبل ثور کے غار میں گئے یہ پہاڑ ان کے مدینہ کے راستہ میں نہیں بلکہ یمن کی طرف واقع ہے اور مدینہ شام کی جانب لیکن دونوں حضرات وہاں پر تین روز چھپے رہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین کو ان کی خبر نہ ملے اور وہ یہ نہ جان سکیں کہ وہ لوگ کہاں گئے، کیونکہ مشرکین انھیں ڈھونڈ رہے تھے اور ان کی گرفتاری پر انعام کا اعلان تھا۔ وہ یہیں چاہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اپنے اصحاب کے پاس چلے جائیں اور مکہ چھوڑ دیں۔ مکہ میں آپ کو مجوس کرنے کا منصوبہ قتل میں ناکامی کے بعد بنا تھا۔ ایسے موقع پر اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء ہی میں مدینہ کی راہ اختیار کر لیتے تو مشرکین آپ کو پا لیتے، اس لئے آپ غار میں تین دن قیام پذیر رہے۔ اب اگر مکہ سے مدینہ جانو والا کوئی شخص غار ثور کی طرف جائے اور پھر مدینہ کا راستہ اختیار کرے تو یہ مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر سادہ راستہ اختیار کیا تھا، کیونکہ یہ مشرکین کے مقصد سے زیادہ دور تھا۔

ابن تیمیہؒ نے آگے لکھا ہے کہ: صحابہ میں سے کوئی بھی زیارت یا نماز کے لئے اس غار میں نہیں جاتا تھا، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ وہاں تین دن مقیم رہے، اور پانچ وقت نمازیں ادا کیں۔ اسی طرح وہ لوگ غار حرا میں بھی نہیں جانے تھے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت

سے پہلے عبادت کرتے تھے اور میں پہلی مرتبہ آپ پر وحی نازل ہوئی حرام مکہ کا سب سے اونچا پہاڑ ہے، اسلام سے پہلے یہاں لوگ عبادت کرتے تھے، جب اسلام آچکا تو اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرتبہ مکہ تشریف لے گئے، ہجرت سے پہلے تو وہیں آپ کا قیام تھا، لیکن اس کے باوجود آپ یا آپ کے صحابہ کبھی حرام پہاڑ نہیں گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو دونوں یہاں رکن کو چھوا، لیکن شامی رکن کو نہیں، کیونکہ یہ بڑا ہی بنیادوں پر نہیں بنے تھے۔ آپ نے حجر اسود کو چھوا اور بوسہ بھی دیا لیکن رکن یہاں کو صرف چھوا اور بوسہ نہیں دیا، اور مقام ابراہیم میں صرف نماز ادا کی، نہ چھوا، نہ بوسہ دیا۔ اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رکن یہاں کے علاوہ کعبہ کی دیواروں کو چھونا اور حجر اسود کے علاوہ کسی چیز کا بوسہ دینا سنت نہیں۔ مقام ابراہیم کا چھونا یا بوسہ دینا بھی منون نہیں۔ اور جب خود کعبہ یا مقام ابراہیم کی بابت ایسا ہے تو اور مسجدوں کی حرمت تو یقیناً کعبہ جیسی نہیں، شام وغیرہ کا مقام ابراہیم، اور دیگر انبیاء کے مقامات بھی یقیناً اس مقام سے کم ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن تَخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ  
مَصْرَفًا (البقرہ - ۱۲۵)

اس طرح یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ کسی بھی مقام کا قصد نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی زیارت گاہ کے حج کا ارادہ کیا جائے گا اور نہ چھوا جائے گا۔ انبیاء کے مقامات، مساجد، صخرہ وغیرہ میں سے کسی چیز کو بوسہ نہیں دیا جائے گا، حجر اسود کے علاوہ زمین کے کسی حصہ کو بھی بوسہ نہیں دیا جائے گا۔ اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام کے علاوہ مکہ کی کسی مسجد میں نماز نہیں پڑھی، نہ عبادت کے لئے منیٰ، مزدلفہ اور عرفہ کے علاوہ کہیں اور گئے، اس لئے علمائے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکہ کی کسی مسجد کا قصد سجدہ ہوگا، اور نہ ان مشاعر کے علاوہ جن کا نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے قصد کیا، کسی اور حصہ کا قصد کیا جائے گا۔ یہ حکم جب ان آثار کے بارے میں ہے تو پھر ان مقابر کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کو مسجد بنانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ایسا کرنے والے قیامت کے دن سب سے بدتر ہوں گے۔ دین اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ کا نماز کے لئے قصد نہیں کیا جائے گا، اسی وجہ سے مسجد حرام کے علاوہ دیگر مشاعرِ حج کا عبادت کے لئے قصد کیا جاتا ہے نماز کے لئے نہیں، اس لئے عرفہ میں کوئی نماز نہیں۔ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن ظہر اور عصر کی نماز عرفہ میں ادا کی تھی، وہاں خطبہ دیا تھا، پھر نماز پڑھی، نماز کے بعد آپ عرفات تشریف لے گئے اور وہاں قیام کیا، اسی طرح بمقام عرفات، مزدلفہ، صفا و مردہ، حبرات کے درمیان اور رمی کے وقت اللہ کا ذکر اور اس سے دُعا کی جائے گی، لیکن ان میں کسی جگہ نماز کے لئے نہیں جایا جائے گا۔ رہی مساجد اور مشاعرِ حج کے علاوہ دوسری جگہیں تو وہاں نماز، ذکر اور دُعا کے قصد سے نہیں جائیں گے۔ بلکہ ممنوعہ مقامات کے علاوہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو گا مسلمان نماز پڑھ لے گا، اور بغیر تخصیص جہاں بھی ممکن ہو گا اللہ کا ذکر اور اس سے دُعا کرے گا۔ اگر کسی حصہ کو اس کے لئے کوئی مخصوص کر لے گا تو اسے روکا جائے گا جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں نماز سے روکا ہے، قبرستان میں مُردے کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے سلامتی کی دُعا کی جائے گی، جیسا کہ جنازہ کی نماز میں ہوتا ہے، کیونکہ مومن کی قبر کی زیارت جنازہ کی نماز کی مانند ہے، دونوں میں ایک طرح کا کام ہوتا ہے اور دُعا کا جو مقصد یہاں ہوتا ہے وہی وہاں بھی ہوتا ہے۔

اسی سے مشابہ بات بھی ہے کہ انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ کی رات اس وادی میں بیعت کی تھی جو حجرہ عقبہ کے پیچھے ہے، یہ منیٰ سے قریب ایک نشیبی جگہ ہے، یہاں جو موجود ہو نظر نہیں آتا، انصار حج کے لئے اپنی مشرک قوم کے ساتھ آئے تھے۔ اسلام سے

پہلے اور اسلام کے بعد لوگ مکہ کا حج برابر کرتے آئے ہیں، حج کے لئے اپنی قوم کے ساتھ انصار آئے، رات کے وقت اسی جگہ چلے گئے کیونکہ قریب اور سائز تھا کسی طرح کی فضیلت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اسی وجہ سے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے حج کیا تو وہاں نہیں گئے نہ زیارت کی۔ اب وہاں مسجد بنادی گئی ہے جو نو ایجاد (محدث) ہے مسجد حرام کے علاوہ مکہ اور اس کے گرد و پیش کی ہر مسجد نو ایجاد ہے، خود منی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی تعمیر شدہ مسجد نہیں تھی، لیکن آپ نے فرمایا کہ:

مِنَى مَنَاخٌ لِمَنْ سَبَقَ لَهُ مَنِ السَّابِقِينَ كِيَانَا مَتَا كَاهِ -

اس لئے وہاں مسلمان اُترے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ اور منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہی طریقہ آپ کے بعد خلفاء کا تھا۔ منیٰ میں حجاج کا اجتماع دوسری جگہ کے اجتماع سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ یہاں چار روز قیام رہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر منیٰ وغیرہ میں نماز پڑھاتے تھے، منیٰ، عرفہ، اور مزدلفہ میں قصر کرتے تھے اور مزدلفہ ہی میں ظہر، عصر اور مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھا تھا۔

آگے لکھتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء نے کبھی مکہ میں یا سفر میں عید کی نماز نہیں پڑھی، نہ ان میں سے کسی نے مکہ میں نحر کے دن عید کی نماز پڑھی، ان کی عید منیٰ میں مشعر حرام سے واپسی کے بعد ہوتی تھی، جمرہ عقبہ کی رمی ان کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو دوسرے ممالک والوں کیلئے عید کی نماز۔

مزید لکھا ہے کہ: کسی کو یہ حق نہیں کہ اللہ نے جس چیز کو مشروع نہیں کیا اسے مشروع کرے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں کعبہ کی طرح صفحہ کا سات طواف مستحب ماننا ہوں، یا مقام ابراہیم کی طرح مقام موسیٰ و عیسیٰ کو مصلیٰ بنا کر مستحب جانتا ہوں تو یہ صحیح نہ ہوگا، کیونکہ کسی کی ذات

سہ حدیث حسن ہے، ترمذی اور حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابانی۔



یا فعل کو کسی حکم سے خاص کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اس میں قیاس کی گنجائش نہیں۔ کعبہ، حج اور طواف کے لئے، عرفات و قنوت کے لئے، منیٰ جمرہ کے لئے، حرمت کے مہینے احترام کے لئے اور رمضان کا مہینہ صیام و قیام کے لئے خاص ہے۔ یہ تخصیص یا تو کسی مفہوم کی بنا پر ہے جو دوسری چیز میں موجود نہیں ہوتا، یا محض مشیت کی وجہ سے۔ پہلا قول اکثر علماء کا ہے اور دوسرے کے قائل بعض علماء ہیں۔

## پانچویں فصل

سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کی جگہوں کے بارے میں  
حضرت عمرؓ اور صحابہ کے مذہب اور حضرت ابن عمرؓ کی رائے  
کے مابین موازنہ اور اتباع کی حقیقت کے بیان میں

امام ابن تیمیہ نے مذکورہ کتاب میں لکھا ہے کہ: حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ سفر میں انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک جگہ باری باری جا کر نماز پڑھ رہے ہیں، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، آپ نے فرمایا:

إِن شَهِدْتُ أَنَّكَ كَانَتْ تَقْلَمُ بِهَذَا، ائْتَهُمْ اتَّخَذُوا آثَارَ أَنْبِيَائِهِمْ  
اسی وجہ سے اگلے لوگ ہلاک ہوئے، اپنے نبیوں کے آثار کو انہوں نے مسجد بنا لیا تھا  
مَسَاجِدَ، مَنْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيَصِلْ وَإِلَّا فَلْيَمُصْ۔  
نماز کا وقت ہو تو پڑھنا چاہیے، ورنہ چلے جانا چاہیے۔

۱۔ اس کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ "تخذیر الساجد" ص ۹۷ میں مذکور ہے۔

حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جاتے ہیں جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت لی تھی، آپ نے اس کو کاٹنے کا حکم دیدیا۔ ابو موسیٰ نے ان کے پاس لکھا کہ تستر میں دانیال کی قبر کا ظہور ہوا ہے، اس میں ایک کتاب ہے جس میں آئندہ کے واقعات درج ہیں، جب خشک سالی ہوتی ہے تو لوگ قبر کھول دیتے ہیں، پھر بارش ہونے لگتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں لکھا کہ وہاں دن کے وقت تیرہ قبریں کھودیں اور رات میں ان میں سے کسی ایک میں اس کتاب کو دفن کر دیں تاکہ لوگ جان نہ سکیں اور آزمائش میں نہ پڑیں صحیحین میں انھی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے، انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ اس فرمان کی روشنی میں قبروں کو مسجد بنانا حرام ہے۔ اسی طرح علماء کا قول ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا حرام ہے، قبر پر بنی ہوئی مسجد کو منہدم کر دینا ضروری ہے، اگر کوئی مردہ کسی مسجد میں دفن کر دیا گیا ہو اور اس پر ایک مدت گزر گئی ہو تو قبر کو برابر کر دینا چاہیے تاکہ اس کی شکل ظاہر نہ ہو، اس لئے کہ اگر شکل ظاہر ہوگی تو اس سے شرک کا اندیشہ ہے جیسا کہ مسجد نبوی کی جگہ اولاً مشرکین کا قبرستان تھا، اس میں کھجور کے درخت تھے اور کچھ حقہ ویران تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرما کر قبروں کو کھدوا دیا، درختوں کو کٹوا دیا اور ویرانے کو برابر کر دیا۔ اب وہ مقبرہ نہ رہا بلکہ مسجد ہو گئی، چونکہ قبروں کو یا قبروں پر مسجد بنانا حرام ہے اس لئے صحابہؓ و تابعین کے دور میں ایسا کوئی کام نہ ہوا، ایسی کوئی مسجد معلوم نہیں جو قبر پر تعمیر کی گئی ہو۔

موصوف نے آگے لکھا ہے کہ: یہاں یہ مقصود ہے کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی نبی یا نیک آدمی کی قبر پر مسجد کبھی تعمیر نہیں کی، نہ اسے شہد و زیارت گاہ بنایا، نہ انبیاء کے کسی اثر کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا، نہ اس جگہ کے ساتھ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اترے ہوئے یا اتفاقاً جہاں نماز ادا کی ہو، بلکہ ائمہ مسلمین جیسے حضرت عمرؓ وغیرہ اس جگہ قصد نماز پڑھنے سے

روکتے تھے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد انہیں بلکہ اتفاقاً نماز پڑھی ہو۔ ہاں عبد اللہ بن عمرؓ سے خاص طور پر یہ منقول ہے کہ وہ انھی راستوں پر چلتے تھے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے تھے، وہیں اترتے تھے جہاں آپ اترے تھے اور وہیں نماز پڑھتے تھے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا اتفاقاً ہوا ہو حضرت ابن عمرؓ ایک صالح اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی سے پیروی کرنے والے انسان تھے، آپ مذکورہ طریقہ کو اتباع نبوی کے باب سے تصور کرتے تھے۔ لیکن ان کے والد حضرت عمرؓ، خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ اور تمام صحابہ کرامؓ حضرت ابن عمرؓ کے مذکورہ طریقہ کے پابند نہیں تھے۔ اور اس معاملہ میں جمہور ہی کا قول صحیح ہے، کیونکہ اتباع و پیروی کا مفہوم یہ ہے کہ جو کام جس طرح اور جس مقصد کیلئے کیا گیا ہے اسے اسی طرح اسی مقصد کے لئے کیا جائے، مثلاً اگر نمازی عبادت کسی مخصوص جگہ ادا کی گئی ہے تو اتباع کا تقاضہ یہ ہے کہ اسی جگہ اس نمازی عبادت کو ادا کیا جائے، لیکن اگر کسی عبادت میں خاص مکان مقصود نہ رہا ہو تو پھر اس مکان کا قصد اتباع میں داخل نہ ہوگا، بلکہ مخالفت شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ، مزدلفہ اور دونوں جبروں کے مابین کھڑے ہو کر ذکر اور دُعا کیا ہے، اب انھی جگہوں پر ذکر اور دُعا اتباع ہے، آپؐ نے طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی، ایسا ہی کرنا اتباع ہے، آپؐ ذکر و دُعا کے لئے صفا و مروہ پر چڑھے، یہی کرنا اتباع ہے۔

سلمہ بن اکوع ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے اور یہ وجہ بتاتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے اسی جگہ کا قصد کرتے تھے اس لئے نماز کے لئے اس جگہ کا قصد اتباع شمار ہوگا۔ اسی طرح عتبان بن مالک نے نابینا ہونے کے بعد جب مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ لے صحیح روایت ہے، اسے شیخین اور احمد (۴: ۴۸۸) نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا ہے، احمد کی اسناد ثلثی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھ لیں تو میں اسی جگہ کو مصلیٰ بنالوں۔ اس درخواست پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور گھر کے ایک گوشہ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی، لے اب یہ ایسی جگہ ہوئی جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا قصد فرمایا، تاکہ وہ مسجد بن سکے، لہذا اسی جگہ کا قصد اتباع ہوگا، بخلاف اُس جگہ کے جہاں باتفاق آپ نے بلا قصد نماز پڑھی۔ آپ کا قصد دو شنبہ اور پینچنبہ کو روزہ رکھتے تھے، اب انھی دونوں دنوں کا روزہ رکھنا اتباع شمار ہوگا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد مسجد قبا تشریف لائے تھے اس لئے وہاں جانا مسنون ہوگا۔

۲ گے فرمایا: یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ذکر مقصود ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ قصد وارادہ میں اتباع کا اعتبار کیا جائے چنانچہ اگر عبادت کے لئے آپ نے کسی مکان کا قصد کیا ہو تو عبادت کے لئے وہ قصد ہی سنت ہوگا، اسی وجہ سے جہو صحابہؓ اس سلسلہ میں آپ کی متابعت ہی کا قصد کرتے تھے۔ اور ابن عمرؓ ظاہری فعل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے محبت کے باوجود صرف اُسی جگہ نماز کا قصد کرتے تھے جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی، ہر اُس جگہ نہیں جہاں آپ اُترے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے اُسی صورت میں رخصت دی ہے بشرطیکہ وہ عمل معمول ہو، جیسا کہ ابن عمرؓ کرتے تھے، اور اگر زیادہ ہو تو اس سے منع کرتے تھے کیونکہ اس سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً انبیاء کے آثار کو مسجد بنانا جسے ”مشاہد“ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے مشاہد اسلام میں بدعت ہیں، شریعت اسلامی میں توحید و اخلاص کی جو تعلیم دی گئی ہے اور شرک کے دروازوں کو جس طرح بند کیا گیا ہے اس سے ناواقف لوگ ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن جو لوگ سنت رسول سے واقف ہیں وہ ان سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ رافضی لوگوں میں بدعت لے اسے شیخین نے ذکر کیا ہے۔

زیادہ پائی جاتی ہے کیونکہ ان میں جہالت زیادہ ہے، شاید زیارت گاہوں کو کبھی کبھی یہ لوگ بیت اللہ سے زیادہ درجہ دیتے ہیں، اور وہاں جانے کو ”ج اکبر“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے ایک شخص ابن المفید نے اپنی کتاب ”مناسک حج المشاہد“ میں ایسی جھوٹی باتیں ذکر کی ہیں جن کا اور کسی فرقہ میں نہیں۔ بہر حال اس فرقہ میں جس قدر شرک، جھوٹ اور بدعت ہے دوسروں میں اس سے کم ہے۔

واضح رہے کہ انسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی زیادہ پیروی کرے گا اسی قدر توحید و اخلاص میں پختہ ہوگا، اور آپ کی اتباع سے جتنا دور ہوگا اسی قدر دینی لحاظ سے ناقص ہوگا یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مشاہد والوں کے بیشتر مشہد جھوٹے ہیں، قرآن میں بہت سی جگہ شرک کو جھوٹ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

وَاَجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ (الحج ۳۱)  
اور جھوٹی بات سے بچو، اللہ کے لئے یکو ہو کر  
اس کے ساتھ شرکت کئے بغیر۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عدلت شهادة الزور الا شراك بالله۔  
شہادۃ الزور درست ہے الا شرک

مثال کے طور پر قاہرہ کا مشہد جس میں حضرت حسینؑ کا سر بتایا جاتا ہے، یہ بات باتفاق علماء جھوٹ ہے، حضرت حسینؑ کا سر قاہرہ بالکل نہیں لایا گیا، اس کی اصل عسقلان میں ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ایک رامب کا سر ہے، اور حسینؑ کا سر عسقلان میں نہیں تھا، یہ چیز ملحد بنی عبید کی حکومت کے اواخر میں ایجاد کی گئی۔ اسی طرح حضرت علیؑ کا مشہد بنی بویہ کی حکومت کے لئے صعیف حدیث ہے، نانی کے علاوہ دیگر مصنفین سنن نے اسے ذکر کیا ہے، نزدیکی نے اس کو ضعیف کہا ہے، اس کی علت کو میں نے ”تخریج الترغیب“ (۳: ۱۶۶) میں بیان کیا ہے۔



دورانِ ایجاد ہوا ہے۔ محمد بن عبداللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے، کیونکہ حضرت علیؓ کو نہ کے قبر حکومت میں دفن کئے گئے تھے، حضرت معاویہؓ دمشق کے قبر حکومت میں، اور حضرت عمرو بن العاصؓ مصر کے قبر حکومت میں۔ اگر ان اصحاب کو باہر مقبروں میں دفن کیا جاتا تو بے دین خارجی اُن کی قبریں کھود دیتے۔ انتہی۔

## بابِ ہفتم

### متفرق بدعتوں کے بیان میں

#### ① عورتوں کا مساجد کے مقامات کی زیارت کرنا

عورتوں کی بہت سی عادتیں اور رسمیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وہ سختی سے پابندی کرتی ہیں۔ اور انہیں عقیدہ کا درجہ دیتی ہیں، بہت سی رسمیں ان سے مرد اور یہ مردوں سے قبول کر لیتی ہیں۔ امام ابن الحاج نے المدخل کے پہلے حصہ میں ان کی بہت سی رسموں کا ذکر کیا ہے۔ ہم اپنی کتاب کے موضوع کے لحاظ سے دمشق کی مسجدوں میں رونا ہونے والی اُن رسموں کا ذکر کریں گے جن کا تعلق عورتوں سے ہے۔

ایک رسم یہ ہے کہ وہ منیچر کی صبح کو مقامِ یحییٰ کی زیارت کے لئے جامع اموی جاتی ہیں۔ وہاں پر اُن کی بھیڑ نظر آتی ہے، سب عورتیں گھونٹے پھرنے اور کاناکھوسی میں مصروف رہتی ہیں۔ ان کی خرافات کا یہ کہنا ہے کہ اس عمل کو چالیس منیچر تک برابر کرنے سے مقصود حاصل ہوگا۔

دوسری رسم یہ ہے کہ جمعہ کے دن صالحیہ کی زیارت گاہوں کو جاتی ہیں، وہاں مرد بھی ان کے شریک ہوتے ہیں۔ صالحیہ کی جامع سلیمی جمعہ کے دن عید کا منظر پیش کرتی ہے صبح سے رات تک زیارت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جو لوگ جمعہ کو نہیں آتے سنیچر کو آ جاتے ہیں تاکہ کوتاہی کے الزام سے بچ سکیں، چونکہ وہاں مرد اور عورت دونوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے اختلاط سے بچنے کے لئے وہاں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود عورتوں کی حرکات و سکنات اور زیورات کی جھلک لوگوں کے کانوں میں پڑتی ہے، بہت سی عورتیں منہ کھلا رکھتی ہیں، لباس سے خوشبو مہکتی رہتی ہے، بازو کھلے رہتے ہیں۔ مردوں میں بہت سے ایسے نظر آتے ہیں کہ جو ذکر و تلاوت اور دُعا و زاری میں مصروف رہتے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی رہتے ہیں جن کے دل میں چور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں پر مزار کو چھو جاتا ہے، چوکھٹ اور پردوں کو بوسے دیئے جاتے ہیں۔

صاحب ”المدخل“ نے لکھا ہے کہ: اسی طرح کے افعال سے بُت پرستی کو رواج ملتا ہے اس لئے ان پر خاموش نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ خاموشی سے وہاں جانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا جو ممنوع ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ: آج کل کی عورتوں کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہر نکلنے کے لئے بہترین کپڑے، زیور اور خوشبو کا انتہام کرتی ہیں، مردوں کی ان پر نگاہیں پڑتی ہیں جس سے فتنہ و فساد میں زیادتی ہوتی ہے۔ اگر ان چیزوں سے پرہیزگار لوگوں کے دلوں میں کوئی بُرا خیال نہ بھی آئے تو کم از کم جمعیتِ خاطر تو نہ رہے گی، اور اکثر عبادت کے اوقات میں ایسے مناظر کا تصور ذہن میں آجائے گا تو عبادت پر اثر پڑیگا، اور یکسوئی ختم ہو جائے گی جس سے بندہ سزا کا مستحق ہوگا۔ اس لئے ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ شرعی ضرورت کے بغیر عورت کو باہر نہ نکلنا چاہیئے۔ مذکورہ قسم کی زیارتیں چونکہ شرعی ضرورت کے دائرہ میں نہیں آتیں اس لئے ان کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ ان میں یدعات، منکرات اور

محرمات کی کثرت رہتی ہے۔ انتہی۔

## ② مساجد، مقابر اور مآذن کیلئے نذر و نیاز

خطیب شافعی نے ”شرح الغایۃ“ میں لکھا ہے کہ: اگر مسجد وغیرہ میں روشنی کے لئے تیل یا شمع کی نذر مانے، یا ایسی چیز وقف کرے جس سے غلہ خریا جائے تو یہ نذر و وقف دونوں صحیح ہوگا، بشرطیکہ مسجد وغیرہ میں مصلیٰ یا سونے والوں میں ایسے لوگ جائیں جو اس سے فائدہ حاصل کر سکیں، ورنہ یہ فعل صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس سے صرف مال ضائع ہوگا، انتہی۔

”شرح الروض“ میں ہے کہ: اگر وہ نذر یا وقف سے عام لوگوں کی طرح اس جگہ یا قبر کی تعظیم یا مدفون شخص کے تقرب کا قصد کرے تو یہ نذر و وقف باطل ہوگا، کیونکہ لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ایسی جگہوں کی خصوصیت ہوتی ہے، اور ان کے لئے نذر ماننے سے بلا تین ٹل جاتی ہیں۔ ایسا عقیدہ غلط اور شرک ہے۔ ”شرح الاتقان“ میں ہے کہ: جو شخص کسی کنوئیں، قبر، پہاڑ، یا درخت پر چراغ جلانے کی نذر مانے یا وہاں رہنے یا تعلق رکھنے والوں کے لئے نذر مانے تو یہ جائز نہ ہوگی، باتفاق علماء ایسی نذر کو پوری کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ رقم رفاہ عام کے کسی اور کام میں خرچ کر دی جائے گی۔

صاحب ”الاتقان“ کا بیان ہے کہ: قبروں، یا قبر والوں کے لئے، مثلاً ابراہیم علیہ السلام یا کوئی شیخ وغیرہ، معصیت کی نذر جائز نہیں، اسے پورا کرنے کے بجائے اس رقم کو فقرا و صلحا پر صدقہ کر دیا جائے گا، اس سے حقیقی فائدہ ہوگا۔ اگر مساجد کی روشنی وغیرہ کے لئے کوئی نذر مانے تو یہ کار نیک ہوگا اور اسے یہ نذر پوری کرنی چاہیئے۔ علانی نے الدر المختار کے باب الاعتکاف میں لکھا ہے کہ: یہ جان لو کہ اکثر لوگوں کی طرف سے مُردوں کے لئے جو نذر مانا جاتا ہے اور تقرب کے لئے اولیاء کی قبروں کے پاس جو رقم، شمع، یا تیل وغیرہ لے جایا جاتا ہے

وہ باتفاق علماء باطل اور حرام ہے۔ ہاں اگر ان چیزوں کو فقہاء پر خرچ کر دیا جائے تو صحیح ہوگا اس کام میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں، علامہ قاسم نے شرح ”در الباعار“ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ابن عابدین نے الدر المختار کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: مذکورہ فعل متعدد وجوہ سے باطل اور حرام ہے، اول یہ کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے، اور یہ جائز نہیں، کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ جس کے لئے نذر مانی جا رہی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کے اندر ملکیت کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ اگر وہ یہ سمجھے کہ تمام معاملات میں اللہ کے علاوہ مردہ کو تصرف کی قدرت حاصل ہے تو یہ کفر ہوگا۔ آگے کہتے ہیں کہ: ضروری ہے کہ نذر ایسی چیز کی مانی جائے جو صحیح ہو مثلاً درہم کا صدقہ لیکن اگر کسی شیخ کی قبر یا کسی منارہ پر چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانے جیسا کہ عورتیں شیخ عبدالقادر کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں، تو یہ باطل ہوگی۔ اسی طرح یہ نذر بھی باطل ہے کہ کسی منارے پر مولود پڑھے گا، یہ قرأت گانے اور کھیل کود کے ساتھ ہوتی ہے، پھر بھی ایسا کرنے والے اس کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشنے کی نیت رکھتے ہیں جو اور زیادہ فبیح حرکت ہے۔“

### ③ طہارت کے معاملہ میں وسوسہ اور مسجد کے پانی کا اسراف

سنت سے ناواقفیت اور دین کے بارے میں غلو کی وجہ سے طہارت کے بارے میں بہت سے لوگ وسوسہ اور اسراف کا شکار ہیں۔ ائمہ دین نے ایسے جاہل اور غالی لوگوں کی سخت مذمت کی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ”افاشۃ الہفان فی مصائد الشیطان“ میں لکھا ہے کہ: شیطان کی ایک چال یہ ہے کہ وہ طہارت اور نماز کے متعلق لوگوں کو وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے، جس سے وہ لوگ مختلف قسم کی الجھنیں اور سختیاں اپنے لئے پیدا کر لیتے ہیں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ

سنت میں جو طریقہ وارد ہے، وہ کافی نہیں ہے، اس لئے اس میں اپنی طرف سے اضافہ کر لیتے ہیں۔ اس فاسد گمان میں مبتلا ہو کر ایک طرف تو ان کا اجر زائل ہو جاتا ہے اور دوسری طرف انہیں مزید عمل کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ بلاشبہ دوسرے کا محرک شیطان ہے، اور جو لوگ دوسرے کا شکار ہوتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ وضو یا غسل کرنے کے بعد یہ سوچتے ہیں کہ ابھی طہارت حاصل نہیں ہوئی، اگر جہالت کا عذر نہ ہو تو ایسا خیال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و دشمنی میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد سے جو تقریباً دو مثقالی رطل کا ایک ہتائی ہوتا ہے، وضو کرتے تھے، اور ایک صاع سے جو ایک رطل اور ہتائی رطل ہوتا ہے، غسل کرتے تھے۔ دوسرے میں مبتلا شخص یہ سوچتا ہے کہ اتنا پانی تو ہاتھ دھونے کے لئے کافی نہیں۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اعضاء کو ایک ایک بار کبھی دھو کر وضو کیا ہے، اور کبھی تین بار سے زیادہ نہیں دھویا ہے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو تین بار سے زیادہ دھوئے وہ غلط کار، ظالم اور حد سے متجاوز مانا جائیگا۔ اور جب دوسرے میں مبتلا شخص بہ شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلط کار و ظالم ہے تو پھر وہ اپنے ایسے فعل سے کس طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کی امید کر سکتا ہے۔ ۹۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ ایک پیالے سے جس میں آٹے کا اثر تھا، غسل کرتے تھے۔ اگر دوسرے والا آدمی ایسا کرتے ہوئے دیکھے تو نا پسندیدگی

لے، صحیح حدیث ہے، اسے شیخین وغیرہ نے روایت کیا ہے، ملاحظہ ہو "الارواء" (۱۳۹)

صحیح حدیث ہے، اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے، اس کے متعلق میں نے "صحیح السنن" میں تحقیقی بحث کی ہے۔

لے "میمونہ" صحیح ہے، جیسا کہ نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو "الارواء" (۲۶)



ظاہر کر کے گا اور کہے گا کہ اتنی مقدار دو افراد کے غسل کے لئے کافی نہیں، خصوصاً جبکہ آٹا تحلیل ہو جانے سے پانی میں تبدیلی واقع ہو جائے، پھر پانی کے چھینٹوں سے بعض کے یہاں پانی نجس اور بعض کے یہاں فاسد ہو جاتا ہے، اس لئے اس سے طہارت حاصل نہ ہوگی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت میمونہ و ام سلمہ کے ساتھ بھی اسی طرح غسل فرماتے تھے، اور یہ تمام روایتیں صحیح میں موجود ہیں۔ صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ عہد نبوی میں مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے۔ اور جن برتنوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات، صحابہ کرامؓ اور ان کی عورتیں غسل کرتی تھیں وہ بہت بڑے نہیں ہوتے تھے نہ پانی پہنچانے کے لئے ان میں ٹوٹی لگی رہتی تھی، وہ لوگ یہ لحاظ بھی نہیں کرتے تھے کہ برتن بھر کر کفارہ سے پانی بہنے لگے، جیسا کہ آج کل کے بعض وسوسہ والے کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ حوض یا برتن اگر ناقص ہو اور بھر نہ ہو تب بھی اس سے غسل جائز ہے اس لئے اگر کوئی شخص حوض کے بھرنے کا انتظار کرے اور پانی کے استعمال میں دوسرے کو شریک نہ ہونے دے تو وہ بدعتی اور شریعت کا مخالف ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے جس سے اسے اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ دین میں ایسی چیزوں کو داخل کریں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا، اور اتباع کے بجائے بدعتوں پر مشتمل عبادت بجالائیں۔ صحیح حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ زیادہ پانی نہیں بہاتے تھے، اور یہی حال تابعینؒ کا بھی تھا۔ امام احمد کا قول ہے کہ: آدمی کی دانشمندی کا ثبوت یہ ہے کہ اسے پانی کی خواہش کم ہو۔ ان کے شاگرد مروزی کا بیان ہے کہ: میں نے ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) کو وضو کرایا تو لوگوں سے پردہ کرنے کے بعد کرایا تا کہ کم پانی بہانے کے سبب لوگ یہ نہ کہیں کہ وہ اچھی طرح وضو نہیں کرتے۔ امام احمد وضو کرتے تھے تو زمین اچھی طرح نہیں بھیگتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح میں مروی ہے کہ آپؐ نے ایک برتن

سے وضو کیا تو اس میں ہاتھ ڈال کر کھلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، اسی طرح غسل کے وقت بھی آپ برتن میں ہاتھ ڈال کر اس سے پانی لیتے تھے۔ لیکن دوسرے میں مبتلا شخص اس کو جائز نہیں سمجھتا بلکہ ممکن ہے کہ وہ ایسے پانی کی نجاست کا حکم لگا بیٹھے۔ ایسے شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور عمل میں مشابہت سے تسلی نہیں ہوتی۔ دوسرے والا انسان یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ پانچ ٹل پانی سے وہ اور اس کی بیوی ایک ساتھ غسل کریں، اس کام سے وہ اس طرح بد کے گناہ جیسے مشرک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بدکتا ہے، انتہی۔

### ④ استنجاء کے بعد مسجد کے گوشوں میں ٹہلنا

بعض مسجدوں کے اندر طہارت خانے بنے رہتے ہیں، دوسرے میں مبتلا اشخاص جب پیشاب سے فارغ ہوتے ہیں تو اسی جگہ چکر لگاتے ہیں اور جھومتے جھکے ہوئے چلتے ہیں، اپنی سمجھ سے وہ اس طرح صفائی و پاکی حاصل کرتے ہیں، ایسی حرکتیں سب لوگوں کے سامنے کرتے ہیں اس لئے انتہائی قبیح معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں شرمگاہ کھل جانے، دیوار خس ہونے، نادانف کو ملوث کرنے، وقت ضائع کرنے اور آداب کی مخالفت کرنے کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

امام ابن قیمؒ نے ”اغاثۃ اللفان“ میں لکھا ہے کہ: شیطان کی ایک چال یہ ہے کہ وہ شکی مزاج اور دوسرے زودہ اشخاص کو پیشاب کے بعد مختلف قسم کی حرکتوں پر آمادہ کرتا ہے مثلاً وہ لوگ پیشاب کے بعد عضو کو جڑ سے سرے تک پھوڑتے ہیں۔ ایک حدیث سے اس کے لئے استدلال کرتے ہیں جو غریب اور غیر ثابت ہے۔ منداور سنن ابن ماجہ میں بطریق عیسیٰ بن داؤد عن ابیہ مرفوعاً مروی ہے کہ:

اِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَمْسَحْ ذَكَرَهُ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو

## ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

۱۵ کو تین مرتبہ پونچھ لے۔

حضرت جابر بن زید کہتے ہیں کہ: جب پیشاب کرو تو عضو کے پچھلے حصہ کو پونچھ لو، اس طرح پیشاب رُک جائے گا۔ اسے ان سے سعید نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ پنچوڑنے سے وہ قطرہ نکل آتا ہے جس کے استنجا کے بعد نکلنے کا ڈر رہتا ہے، اگر چلنے کی ضرورت ہو تو چند قدم چل لے، یہ اور بہتر ہے۔ اسی طرح ان کا خیال ہے کہ کھنکھارنے سے بچا ہوا حصہ نکل جاتا ہے، یا گود کر تیزی سے بیٹھ جانے سے بعض لوگ رسی سے لٹکے بیٹھ جاتے ہیں کہ پیشاب کا بقیہ حصہ نکل جائے، کچھ لوگ عضو کو پکڑ دیکھتے ہیں کہ کچھ پیشاب باقی تو نہیں ہے، بعض اس کے سوراخ میں پانی ڈالتے ہیں، بعض سلامتی سے سوراخ میں روئی بھر دیتے ہیں، بعض پٹی باندھ لیتے ہیں اور بعض بیڑھی پر چڑھ کر تیزی سے اترتے ہیں اور پھر دوبارہ طہارت کرتے ہیں۔ ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) کا قول ہے کہ یہ سب دوسرے اور بدعت ہے۔ میں نے ان سے عضو کو پنچوڑنے کی بابت گفتگو کی تو انھوں نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں،

۱۶ ممکن ہے یہ مراد ہو کہ اپنے عضو کو تین مرتبہ پھر سے پونچھ لے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ "وَلْيَسْتَنْجِحْ أَحَدُكُمْ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ" امام شافعی کا قول ہے کہ تین مرتبہ پونچھنا مراد ہے، اس طرح دونوں روایتوں کا مفہوم ایک ہوگا اور مسح (پونچھنے) دلی روایت سے پنچوڑنے کا معنی مراد لینے کی ضرورت نہ ہوگی جس کی طرف ذہن جاتا نہیں۔ جابر کا مذکورہ قول صفائی ستھرائی کی تعلیم پر محمول ہے، حدیث کی تفسیر نہیں۔ یہی بات میرے ذہن میں آئی، اور یہ بحمد اللہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ انتہی۔ محمد ناصر الدین کہتے ہیں کہ: شیخ جمال الدین یا کتاب کے ناقل سے مذکورہ حدیث میں تصحیف ہو گئی ہے، جس سے وہ مذکورہ تاویل کی طرف گئے ہیں، حدیث میں "فَلْيَسْتَنْجِحْ" کا لفظ ہے، احمد اور ابن ماجہ وغیرہ نے ایسے ہی روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ خود ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے، اس لئے مذکورہ تاویل کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ حدیث کا ضعف "الضعیفۃ" (۱۶۲۱) میں میں نے بیان کیا ہے۔ (ناصر الدین)

کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ پیشاب کی حیثیت کھن میں دوہ کی ہے، اگر چھوڑ دیں تو رک جائے گا اور اگر دوہیں تو نکلے گا۔ جو ایسی عادت ڈال لیتے ہیں پریشان رہتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے انھیں راحت رہتی ہے۔ اگر یہ کام منہوں ہوتا تو آسے سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرتے۔ یہودی حضرت سلمانؓ سے کہتے تھے کہ تمہارے نبی تم کو سب چیز حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی بتاتے ہیں! حضرت سلمانؓ نے جواب دیا کہ ہاں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے۔ ہاں مستحاضہ عورت اور سلسل البول والے شخص کے لئے مناسب ہے کہ کپڑا وغیرہ رکھ کر باندھ لے تاکہ محفوظ رہے۔

### ⑤ رُفیلوں کا بعض مسجدوں کے حوض میں غسل کرنا

بہت سے کینے، بیچ، ذلیل لوگوں اور کچھ نوجوانوں کو یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ گرمی کے دنوں میں بعض مساجد یا مدارس کے حوض میں غسل کرتے ہیں، کاش وہ لوگ غسل کے لئے کوئی قمیص، پاجامہ، یا تہ بند وغیرہ بنا لیتے، افسوس یہ ہے کہ بالکل ننگے بدن غسل کرتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، فوج در فوج آتے ہیں اور نہاتے ہیں، بعض باتوں پر ان میں جھگڑا، ٹکڑا اور مار پیٹ بھی ہو جاتی ہے۔ مسجد یا مدرسہ کے منتوی کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو منع کر دے۔ اس طرح تو عام مقامات اور دریا وغیرہ میں بھی غسل کرنا ذلیل حرکت ہے اس کے علاوہ دریا کے اندر غسل کرنے میں خطرہ بھی ہے، بعض اوقات سننے میں آتا ہے کہ کوئی ڈرگا غائب ہے، پھر اس کی لاش دریا میں پائی جاتی ہے جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ تیرنے کا ہنر نہ ہونے کی صورت میں انسان دریا میں غسل کے لئے جلے گا تو اسی طرح کی مصیبت سے دوچار ہوگا، گھر

۱۔ صحیح حدیث ہے۔ اسے سلم وغیرہ نے سلمان سے روایت کیا ہے۔ اس کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو ”صحیح السنن“ (۵)۔

کے لوگوں کو بچوں کے سلسلہ میں اس طرح کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

## ⑥ مسجد میں تھوکنے کا گناہ

مسجد میں حوض کے کنارے پر اکثر تھوک یا ریٹ نظر آتی ہے، جسے وضو کرنے والے وہاں چھوڑ دیتے ہیں، اسے دیکھ کر گھن آتی ہے۔ یہ ایسا گناہ ہے جس کا کفارہ یہ ہے کہ انسان اس گندگی کو خود دُور کرے، شیخین وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں تھوکنے کا گناہ ہے، اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ذرؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے بُرے اعمال میں وہ تھوک بھی ہے جو مسجد میں ہو اور اسے دفن نہ کیا جائے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ: تھوک مسجد میں صرف ڈالنا ہی گناہ نہیں بلکہ اسے کھلا چھوڑنا بھی گناہ ہے۔ سعید بن منصور نے ابو عبیدہ بن جراح سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایک رات مسجد میں تھوک دیا اور اسے دفن کرنا بھول گئے، گھر واپسی کے بعد یاد آیا تو آگ کا شعلہ لے کر آئے اور اس کی روشنی میں تھوک تلاش کر کے دفن کیا اور کہا کہ: خدا کا شکر ہے کہ آج کی رات مجھ پر گناہ نہیں لکھا گیا۔

## ⑦ مسجد کے گوشوں میں پر دے اور علم لٹکانا

بعض ساجد کے گوشوں، دیوار کے کناروں یا ستونوں پر پردے لٹکے رہتے ہیں، ان کے متعلق پوچھنے پر بتایا جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص کے مقام کے پردے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زندگی میں وہ شخص اس جگہ آنا تھا، اس لئے اس جگہ کی تقدیس مناسب ہے، یا کسی نے خواب میں اس جگہ انھیں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے، اور ایسی صورت میں اس جگہ کا احترام ہونا چاہیے اور اسے پیروں سے روندنا ٹھیک نہیں، یا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ یہیں مدفون ہے، یا یہ بتانا مقصود



ہوتا ہے کہ یہ جگہ اسی کے لئے منسوب ہے، اسی طرح کی اور بھی دوسری برائیاں دیکھنے میں آتی ہیں کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے بیانات سے عوام اور سادہ لوحوں کو دھوکہ ہوتا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جگہ اچھی ہے یا یہاں کوئی ولی دفن ہے، اس لئے اس کی تعظیم کرنے لگتے ہیں، ہندو نیاز پیش کرتے ہیں اور اس کی قسم کھاتے ہیں اور آخر کار اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔

اس بحث سے مجھے وہ پردہ یاد آ رہا ہے جسے ”زقاق مکتبی“ سے قریب ”باب الجبابہ“ سے باہر جامع حسان میں لٹکایا گیا تھا، اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے ”هَذَا رَأْيُهُ سَيِّدُ نَاحِيَانِ“ یعنی یہ حضرت حسان کا علم ہے۔ اسی طرح ”قبیلۃ عربیۃ“ کی مسجد کے ایک زاویہ پر ایک طویل منقش علم رکھا ہوا تھا، اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی نے حضرت حسانؓ کو اسی زاویہ میں دیکھا تھا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خواب کے احترام میں وہاں ایک پردہ ہونا چاہیے اب یہاں آنے والا یہ سمجھتا ہے کہ کوئی قریب زیارت گاہ ہے، بہت سے جاہل لوگ اسے چھوٹے اور پکڑتے ہیں، حالانکہ حقیقت وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ مذکورہ خواب دیکھنے والے کا خیال یہ ہے کہ یہ مسجد حضرت حسانؓ شاعر رسول کی طرف منسوب ہے، تیغیئل اس کے ذہن میں تھا اسی لئے اسے خواب نظر آیا، بشرطیکہ خواب صحیح ہو۔ حالانکہ یہ مسجد اپنے ایک امام ”حسان“ کی طرف منسوب ہے، جن کا ترجمہ شذرات الذہب والے نے لکھا ہے اور مسجد کی ان کی طرف نسبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس بات کو میں نے دمشق کی اپنی تاریخ میں درج کیا ہے، ساجد کو اس طرح کے جھنڈوں سے پاک رکھنا چاہیے۔

اسی طرح مجھے بیت المقدس کے مقام داؤدی کے نگرانے بتایا کہ پچھلے دور میں اس مقام کا کوئی نشان نہیں تھا، لیکن ان کے دادا نے خواب دیکھا جس میں اشارہ تھا کہ یہاں داؤدؑ کی قبر ہے، انھوں نے بیداری کے بعد اس جگہ پتھر وغیرہ لگا دیا، اس خیال کے دوسرے

۱۔ محمد اللہ اب یہ چیز ختم ہو گئی۔ (ضیاء الدین القاسمی)

لوگوں نے بھی ان کی مدد کی، قبر کی وجہ سے خواب میں بتائی گئی تھی اس پر نشان لگادیا گیا اور وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر ہو گئی، کچھ دنوں بعد اسے شہر تمل گئی اور اس جگہ کے لئے بیت المال سے سلطانی تنخواہ مقرر ہوئی۔

## ⑤ مسجد کی دیواروں یا جھنڈوں کو چھونا

کتبِ فروغ کے مطابق حجرِ اسود کے علاوہ اور کسی چیز کو چھونا یا اس پر ہاتھ بھینا منسوع نہیں، کسی بھی امام نے اسے مستحب نہیں بتایا ہے۔ آخری زمانہ میں بعض چیزوں کو چھونے کی جو رسم نکلی ہے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے مسلمانوں میں آئی ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں واضح کیا ہے، اسی وجہ سے اسے اس تشبہ کی ایک شکل بتایا گیا ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی حیرت انگیز بات وہ خبر ہے جس کے ملنے سے پہلے میں یہ نہیں سوچتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ گذشتہ صدی کے ایک شیخ طریقت کے جبہ و لباس کا عرس یا تقریب منائی جاتی ہے، اس کی تاریخ ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات ہوتی ہے، اس موقع پر شیخ کی اولاد یا ان کے کسی خلیفہ کے گھر میں لوگ جمع ہوتے ہیں، ان میں علماء اور اصحابِ جاہ و ثروت ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، تقریب کے لئے منتخب شخصیت کے گرد لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور شیخ کی ہدایت کے مطابق ذکر و درود پڑھتے ہیں، جب اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو وہ شخص اٹھ کر شیخ کا جبہ، لباس اور عمامہ وغیرہ لے آتا ہے اور حاضرین کے سامنے پیش کرتا ہے، لوگ اپنے اپنے عامے اُتار کر اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور ان چیزوں کو ہاتھ سے چھو کر چہرے اور بدن وغیرہ پر ملتے ہیں اور شیخ کے جبہ یا لباس سے منہ چھپا کر کچھ پڑھتے جاتے ہیں۔ یہ کام باری باری ہر شخص کرتا ہے، مجلس ختم ہونے پر وہ یہ سوچتے ہیں کہ انہیں بہت سی خیر اور برکت حاصل ہوئی ہے اور شیخ کے

لابس کو اتنی دیر چھو لینا یا جسم پر ڈال لینا بہت بڑی سعادت ہے !

ناظرین غور فرمائیں اور خلفائے راشدین و سلف صالحین کے عہد سے اس کا موازنہ کریں اور دیکھیں کہ کسی موضوع روایت میں بھی یہ ذکر ملتا ہے کہ کسی تابعی صحابی، شہید یا نبی کے جبہ یا کسی اثر پر لوگوں کو جمع کیا گیا، ہرگز نہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ دین کی حقیقت سے باخبر اور ایمان و یقین کے ذوق سے بہرہ ور تھے، انھیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تھا، نفس سے جہاد پر آمادہ رہتے تھے اور علم و عمل کی اصلاح پر توجہ رکھتے تھے۔ ان کے بعد علمی مناصب پر ایسے لوگ آئے جو روح شریعت اور سنت نبوی سے ناواقف تھے، عوام کو بیوقوف بنانے اور ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے وہ لوگ ایسے طریقے ایجاد کرتے ہیں، جب یہ رسوم کچھ دنوں تک باقی رہ جاتی ہیں تو لوگ انھیں صحیح سمجھ لیتے ہیں اور ان کی بجا آوری کو باعثِ ثواب جانتے ہیں، دوسرے علماء میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ کچھ بولیں، اور اگر کچھ بولتے ہیں تو بھی ان کی آواز سنی نہیں جاتی، اور اس طرح بدعات و رسوم کو عروج حاصل ہوتا رہتا ہے

## ⑨ ینامی اور مفلسین کا مساجد میں پناہ لینا

کسی بھی مسجد میں جائیے تو صبح کے وقت وہاں کچھ خستہ حال لڑکے نظر آئیں گے، پوچھتے تو پتہ چلے گا کہ کوئی یتیم ہے جس کا گھر بار نہیں، نہ کوئی سہارا دینے والا ہے۔ بعض مسجدوں کے صحن میں اس طرح کے مفلس یتیموں کی جماعت نظر آتی ہے جو رات کو فرشِ زمین پر پتھروں کا نکیہ لگا کر سو جاتے ہیں، آسمان ان کا اوڑھنا ہوتا ہے، کسی کا سر پیر سے چٹا ہوا ہے، کوئی سردی سے بچنے کے لئے اپنے پاس والے سے چٹا ہوا ہے، کوئی کتے کو چٹلاتے ہوئے ہے کہ اس طرح کچھ گرمی حاصل ہو۔ کوئی سہارا یا ٹھکانہ نہ ہونے سے اسی طرح یہ لوگ سردی یا گرمی کے مصائب برداشت کرتے رہتے ہیں۔

بڑا اچھا ہو اگر اہل ثروت ایسے محتاجوں کو تھوڑا سا سہارا دے کر ان کی غم خواری کریں اور ان مصیبتوں سے انھیں نجات دلائیں قرآن کریم نے تینا می کے اکرام اور مساکین کے ساتھ احسان پر بہت اُبھارا ہے، اور جو لوگ دولت رکھ کر ان لوگوں کو فراموش کر دیتے ہیں انھیں عید سنائی ہے :

كَلَّا بَلْ لَّا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ  
وَلَا تَخَاصُّوْنَ عَلَىٰ كَعَامِ الْمَسْكِيْنَ  
وَتَاْكُلُوْنَ اَمْثَلًا كَلَّمَا  
وَتَحِبُّوْنَ اَمْثَالَ حَبَا جَمَّارٍ (الفجر، ۲۰)

ہرگز نہیں، بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے  
اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب بھی نہیں  
دیتے، اور مردوں کا ترکہ کھا جاتے ہو، اور مال کی  
محبت تم لوگوں کو بہت زیادہ ہے۔

رمضان ۱۳۲۳ھ کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے کہ ایک مسافر فقیر اپنے ایک فقیر دوست کے پاس بیمار ہو گیا، جب اس کا مرض بڑھ گیا تو اسپتال میں داخلہ کی کوشش کی گئی لیکن کسی زوردار سفارشی کے نہ ہونے سے اسپتال میں داخلہ نہیں مل سکا، مجبوراً اسے جامعہ منانہ میں لے آئے اور مغربی حصہ میں چھت کے نیچے لٹا دیا، سردی سخت اور ہوا بہت تیز تھی، کچھ نقرہ اس کی تیمارداری کرنے لگے اور کھانے پینے کا انتظام کیا، ایک یورپین ڈاکٹر اتفاقاً ادھر آیا تو مریض کو دیکھ کر اس کا علاج کرنے لگا۔ وہ دوا اپنے پاس سے لے آتا تھا، مگر مالدار مصلیبوں میں سے کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس غریب پر رحم کرے اور کسی جگہ اسے رکھ کر سردی سے بچائے اور مناسب دوا اور غذا کا انتظام کرے۔ مجھے یاد ہے کہ مسجد کے برآمدہ میں ہم نے اس کے لئے کھانا بنایا تھا، بصیرت سے محروم بعض مالداروں نے جب کھانے کی خوشبو سونگھی تو مسجد میں کھانا پکانے کو ناپسند کیا۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ اگر کسی کو اعتراض ہو تو مریض کو اپنے گھر میں رکھے اور ہم لوگوں سے اس بوجھ کو ہٹالے۔ یہ جواب سن کر وہ مالدار بہوت ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ مریض کچھ دنوں کے بعد مر گیا، لیکن مجھے اس کی حالت پر بے حد ترس آیا۔

کیا مالداروں کا فرض نہیں ہے کہ اس طرح کے بے سہارا انسانوں کے لئے سرائے اور ٹھکانے تعمیر کر دیں اور مستحق لوگوں کے لئے دوا علاج اور تیمارداری کا انتظام کریں؟ دمشق میں اس طرح کا ایک شفا خانہ اور یتیم خانہ تعمیر ہوا ہے جس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہو رہا ہے، لیکن اتنے بڑے شہر میں مزید اس کی ضرورت ہے۔ اسلاف کی زندگی پر نظر ڈالیئے تو ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے مدارس، شفا خانوں، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں پر بڑی بڑی نہیں خرچ کی ہیں اور ان کے اخراجات کے لئے اوقات چھوڑے ہیں۔ لیکن آج اس طرح کا احساس باقی نہیں، رفاہ عام کے کاموں میں لوگ بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ اگلے لوگوں نے راستوں پر چوپایوں کے لئے پانی کی نہریں بنادی تھیں، آج کچھ لوگ انھیں جالیوں سے گھیر دیتے ہیں تاکہ وہاں چوپائے نہ پہنچ سکیں۔ رحم و مروت کے یہ مظاہر اب مسلمانوں میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ مجھے ایک سانحہ یاد ہے جو شاید پہلے کبھی نہ واقع ہوا ہو۔ بیت المقدس میں ایک مدرسہ شافعیہ کے لئے وقف تھا، اسے سلطان صلاح الدین نے وقف کیا تھا، بعد میں جب مدرسہ کا حال خراب ہو گیا اور چھت وغیرہ گرنے لگی تو بعض مالدار عیسائیوں نے روپے پیسے خرچ کر کے حکومت سے اسے لے لیا اور گرجے میں تبدیل کر دیا، لیکن عمارت پر صلاح الدین کے دور کی جو تاریخ کندہ تھی وہ باقی رہی۔ ۳۲۱ھ میں اپنے سفر بیت المقدس کے دوران میں ایک شخص کے ساتھ اس گرجے میں گیا، اس کے پادری نے ہم لوگوں کو بتایا کہ ”تاریخ الانس الجلیل“ کے مطابق یہ ابتداء گرجا ہی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چیز اصل کی طرف لوٹ گئی۔ میں یہ حال سن کر مدہوش ہو گیا اور اس کمزوری و خستہ حالی پر مجھے شدید افسوس ہوا۔ سلطان صلاح الدین نے مسجد اقصیٰ کے ارد گرد مدارس اور خانقاہوں کو اس لئے تعمیر کرایا تھا کہ دشمنانِ دین اس سے قریب نہ ہو سکیں، سلطان نے لوگوں سے مکانات خرید کر انھیں مدرسہ بنایا تھا، مقصد یہ تھا کہ مدارس چونکہ فروخت نہیں ہو سکتے اس لئے وہ اور ان کی وجہ سے مسجد و دلوں



محفوظ رہیں گے، لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ یہ مدارس دشمنانِ دین کے ہاتھوں فروخت ہو جائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## ⑩ مسجد کے حجروں میں جھاڑ پھونک کر نبوالے کا قیام

بعض مسجدوں میں حجرے ہوتے ہیں جن میں غیب اور مستقبل کے حالات سے واقفیت کے مدعی میقیم رہتے ہیں، ان کے پاس گم شدہ ضرورتوں والے اور مستقبل کے نفع و نقصان کو جاننے کے خواہشمند آتے رہتے ہیں، اپنے مقصد کے لئے یہ لوگ منتر کرنے والے عامل کو پیسے بھی دیتے ہیں۔ کچھ لوگ وہی امراض اور دوسوسوں کے سبب بھی عاملوں کے پاس جاتے ہیں عامل آنے والوں کو یہ باور کراتا ہے کہ ان امراض اور شیطانی اثرات کا اس کے منتروں اور عجیب و غریب طریقوں کے علاوہ کوئی اور علاج نہیں، کبھی وہ قدم کے نیچے نام لکھتا ہے، کبھی حیض کے خون سے کچھ لکھتا ہے، کبھی عورت کے پیٹ پر کچھ لکھتا ہے، غرض اسی طرح کی انوکھی اور بھونڈی حرکتیں کرتا ہے۔ قابلِ انوس بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اب مسلمانوں میں رائج ہو شاید انھیں یہ معلوم نہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص بخومی سے عقیدت رکھے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور وہ کفر کی حد میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ انسانوں میں غیب کا علم صرف اسی نبی یا فرشتہ کو ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ باخبر کرے۔ ایسے لوگوں کو مسجد سے نکال دینا چاہیے، اور مردوں و عورتوں کو یہ بتانا چاہیے کہ یہ سب گمراہ لوگ ہیں، دوسروں کو یہ گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور ناجائز طور پر ان کی دولت مٹپ کرنا چاہتے ہیں:

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ  
وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ۔  
پس انوس ہے ان کے حال پر ان کے لکھنے  
کی وجہ سے اور انوس ہے ان پر ان کی  
کمانی سے۔ (البقرہ - ۷۹)

ایسے ہی فریب کاروں کے بارے میں وارد ہے میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”تکملۃ کتاب الصناعات“ باب الرار میں ان عاملوں کے کچھ حالات لکھے ہیں۔

## ⑪ مسجدوں سے جلوس وغیرہ نکالنا

دوسرے شہروں کی طرح دمشق میں بھی یہ رسم دیکھی جاتی ہے کہ مختلف صوفیانہ طریقوں کے شائع موسم ربیع میں اپنے مریدین اور خلفاء کو ساتھ لے کر جلوس نکالتے ہیں، اس میں لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر جھنڈے لہراتے ہوئے ڈھول بجاتے ہوئے شہر کے باہر کسی مسجد یا اس کے اطراف میں جمع ہوتے ہیں، پھر منظم صورت میں وہاں سے چلتے ہیں۔ اس جلوس میں گونا گوں بدعتوں کو دیکھ کر ایک فاضل نے کہا تھا کہ: یہ جماعتیں ہمیشہ ایسی بدعتیں ایجاد کرتی تھیں جن کو دیکھ کر یہ یوتونوں کو ہنسی اور عقلمندوں کو رونہ آتا ہے۔ اپنی ہیماہ خواہشوں کی تکبیل کے لئے یہ لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ امت کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ اور دوسرے لوگ ہم پر ہنستے ہیں اور ہمارے کاموں کی توہین کرتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ ان جاہلوں کو بدعت چھوڑ کر اپنے ان شیوخ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جن کی پیروی کا انھیں دعویٰ ہے۔ اصل میں یہ لوگ شیطان کے پیرو ہیں جو انھیں اپنی مرضی کے مطابق لے چلتا ہے۔ کہاں یہ حرکتیں اور کہاں باطن کی صفائی؟ کہاں گناہی کا دھوکا اور کہاں یہ نمائش؟ کہاں گھوڑوں پر سوار ڈھول تماشے کے ساتھ چلتا اور کہاں تواضع؟ کہاں لوگوں سے دوری اور بے نیازی اور کہاں دنیوی معاملات میں مزاحمت؟ کہاں ریاہ سے دوری اور کہاں لاکھوں کے ساتھ لپکتے مٹکتے چلنا؟ ان بدعتوں کے ہوتے ہوئے ارشاد و سلوک اور پیروشی کی بات کیا معنی؟ ہمارے خیال میں یہ سب کچھ معاشی منفعت کے لئے کیا جاتا ہے لیکن اب ان بدعتوں کو ختم ہونا چاہیے اور جاہل بدعتیوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ بہت سی قومیں ان کے

اعمال و حرکات پر نظر رکھتی ہیں، اور موقع پر غلط تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو راستہ متعین ہے اس میں اخلاص، تنہائی سے محبت، لوگوں سے دوری، بہودہ کلام سے بچنا، ہمیشہ ذکر و فکر میں مصروف رہنا، شب بیداری اور تہجد پڑھنا، لوگوں سے بے نیاز رہنا، اور سنت نبویؐ کا اتباع کرنا ضروری واجبات ہیں۔ لیکن آج ان اصولوں کو کوئی نہیں دیکھتا، اور سنت کی جگہ برابر بدعتوں کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے اور شریعت کو خواہشاتِ نفس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بڑی مصیبت تو بعض شیوخ کی وہ روش ہے جس سے عقیدہ پر اثر پڑتا ہے اور عوام گمراہ ہوتے ہیں، یہ لوگ ”انسان کامل“ اور صوفیاء کی بعض دوسری کتابوں سے اس طرح کی گمراہ کن باتیں نقل کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فتح و الہام کے ذریعہ یہ اس کے اشاروں کو سمجھتے ہیں۔ اس طرح مختلف طریقوں اور بدعتوں کی کثرت ہو گئی ہے اور ایسی ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو نہ تو ہمارے دین میں ہیں نہ کسی اور دین والے ان کے قائل ہیں۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک غیر ملکی دانشور ایسی جگہ پہنچا جہاں اہل ہوا و ہوس رقص اور چٹ و پکار میں مصروف تھے، اس نے اپنے ترجمان سے پوچھا کہ: مسلمان تو بہت خثوع و سکون سے نماز پڑھتے ہیں، پھر یہ شور و غوغا اور بکواس کیسی؟ ترجمان نے جواب دیا کہ: یہ ان کی سب سے بڑی نماز ہے۔ اس جواب کا مقصد اس غیر ملکی کو اسلام سے متنفر کرنا تھا۔ ورنہ دین اسلام ان بدعتوں سے بری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت محفوظ اور سب کے سامنے ہے، علامہ تارخ و سیر نے آپ کے تمام اعمال و اقوال اور حرکات و سکنات کو مدون و محفوظ کر لیا ہے۔ خلفاء راشدین اور متقدمین صوفیاء کا عمل بھی ہمارے سامنے ہے، اس میں کہیں اس طرح کی چیزوں کا وجود نہیں۔ طریقت کے جاہل شیوخ نے اپنے اپنے زمانے میں ان بدعتوں کو ایجاد کیا ہے، انہوں نے ایسے ایسے اقوال گھڑ کر جاہلوں کو سکھائے ہیں کہ خدا کی پناہ، مشروع ذکر چھوڑ کر یہ لوگ اس طرح کے جہلوں کا ورد کرتے ہیں: ”اللہم لا الہ الا انت، لا اوصا“

”الا اللہ“ ”ال“ اور ”ہہ“ پھر رقص کرتے ہیں، آگ منہ میں ڈالتے ہیں، دُف اور بانسری بجاتے ہیں، بازو میں کیل اور نالو میں سیخ وغیرہ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح شیوخ طریقت کا سب سے بڑا فرض ہے تاکہ ان کے مُریدین کو دین کا صحیح عقیدہ اور اس کی تعلیمات کا علم ہو سکے۔

## ⑫ کسی مخصوص مسجد میں عورتوں کیلئے وعظ

گزشتہ سالوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو کسی مخصوص مسجد میں عورتوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اس کام کے لئے عموماً متقی، غیر متمدد اور عورتوں کی تعلیم و تہذیب سے دل چسپی رکھنے والے لوگوں کو متعین کیا جاتا تھا۔ ان میں سے مجھے شیخ عثمان حورانیؒ کا نام یاد آ رہا ہے جو دسویں صدی ہجری کے ایک عالم تھے، ان کے حالات زندگی میں میں نے پڑھا ہے کہ یہ ہفتہ عورتوں کے لئے ایک مجلس منعقد کرتے تھے جس میں وہ شریک ہوتی تھیں اور دین کے احکام و آداب سیکھتی تھیں۔ درحقیقت اس طرح کی وعظ و نصیحت کی عورتوں کو زیادہ ضرورت رہتی ہے ان میں بُرائیاں اور بدعات و خرافات زیادہ رائج ہوتی ہیں، شوہروں کی مخالفت، اور دوسرے ممنوع کام میں بھی یہ آگے رہتی ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس کام کے لئے جس کو مقرر کیا جائیگا اس کا لوگ مذاق اڑائیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ مذاق تو بہت بڑے بڑے لوگوں کا اڑایا گیا، اور ہر حق گو کا مذاق اڑایا جائیگا، لیکن مُصلحین کو کسی کے مذاق کی پروا نہیں ہوتی، وہ داعیانِ دین کا اُسوہ اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ افسوسناک بات ہے کہ ملک میں ان سالہ ان میں شیخ احمد زہد بھی ہیں، شرانی نے طبقات میں لکھا ہے کہ: یہ مسجد میں عورتوں کو مخصوص مجلس میں نصیحت کرتے تھے، انھیں دین کے احکام کی تعلیم دیتے تھے اور شوہر، اور پڑوسیوں کے حقوق سے آگاہ کرتے تھے۔ (ضیاء الدین القاسمی)

کے لئے وعظ و نصیحت کا کوئی انتظام نہ ہو، جبکہ انھیں اس کی شدید ضرورت ہے۔ اصحاب اقتدار و ثروت کا یہ فرض ہے کہ اس کام کے لئے اہلیت والوں کو مقرر کریں اور عورتوں کی نصیحت کے لئے کسی مسجد میں انتظام کر دیں اور اس کے دروازے پر دربان مقرر کر دیں تاکہ مرد اس میں نہ جاسکیں، یہ اس وقت کی اہم دینی ضرورت ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں عورتوں کی نصیحت کرتے تھے، ان کی صفوں کے درمیان جاتے تھے اور انھیں یہ حکم فرماتے تھے کہ حیض کی حالت میں بھی عید گاہ آئیں تاکہ نیکی اور مصلیوں کی دُعا میں شریک ہو سکیں۔ فقہاء نے عورتوں کو مساجد اور مجالس درس و وعظ سے روکنے میں اتنی سختی برتی کہ عام طور پر عورتیں دینی احکام سے نااہل ہو گئیں۔ مزید یہ کہ حدیث نبوی کی مخالفت ہوئی، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتیں جب تم سے اجازت چاہیں تو مسجد میں ان کے حصوں کو ان سے نہ روکو۔ بلال بن عبداللہ نے کہا کہ: ہم ضرور انھیں روکیں گے، حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پیش کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم انھیں ضرور روکیں گے۔ سالم کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ نے اس موقع پر بہت زیادہ سخت سست کہا تھا۔

مجاہدؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی شخص اپنے گھر والوں کو مسجد آنے سے نہ روکے۔ ان کے ایک لڑکے نے کہا کہ: ہم انھیں ضرور روکیں گے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہتے ہو؟۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر حضرت عبداللہؓ زندگی بھر اس سے نہیں بولے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ رہا حضرت عائشہؓ کا یہ قول کہ ”اگر

لے اس کی سند صحیح ہے، ملاحظہ ہو ”المشکوٰۃ“ (۱۰۸۴)۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چیزوں کا علم ہو جانا انہیں عورتوں نے آپ کے بعد ایجا د کر لیا ہے تو آپ انہیں مسجد جانے سے ضرور روک دیتے، تو اس سے انہوں نے عطر لگانے والی عورتوں کو مراد لیا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں مروی ہے کہ: جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ غمار میں شریک نہ ہوئے۔ اس لئے عورتوں کو یہ بتایا جائے گا کہ وہ خوشبو کا استعمال نہ کریں اور بے پردگی ترک کر دیں، لیکن ہمیشہ کے لئے مسجد کا دروازہ ان کے حق میں بند کرنے کا مطلب جہالت کے سوا اور کیا ہوگا؟ دین کا علم مردوں کی طرح ان کے لئے بھی ضروری ہے، لیکن اگر وہ کسی مجلس میں شریک نہ ہوں گی تو پھر کہاں سے علم سیکھیں گی؟ نقیب اور افسوس کی بات یہ ہے کہ خرید و فروخت اور میل ملاقات کے لئے نکلنے سے عورتوں کو روکا نہیں جاتا لیکن دین کا علم سیکھنا ہو تو روکا جاتا ہے۔ مجھے ایک مرتبہ یہ جان کر ہنسی آئی کہ ایک متعصب فقیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ رمضان میں غمار اور تراویح میں بعض عورتیں اس کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں تو اس نے نفرت دلانے کے لئے آدمی بھیج کر ان سے یہ کہلا دیا کہ میں تمہاری امامت کی نیت ہی نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حنفی مذہب کے مطابق اگر امام مقتدیوں کی امامت کی نیت نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ غور کیجئے کہ نقیب کی کرشمہ سازیاں کیسی کیسی ہیں؟

### ۱۳) جاڑے میں مساجد کو گرم کرنے سے روکنا

جاڑے کے دنوں میں بالخصوص سرد ممالک میں گھروں کو گرم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات سردی اتنی سخت ہوتی ہے کہ زندگی مکدر اور ذہن پریشان ہو جاتا ہے، ضرورت پر بھی لوگ گھروں سے نکلنے سے گریز کرتے ہیں، ملازمت یا کسب معاش کے لئے مجبوراً اسے امام مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

باہر نکلنے والوں پر سردی کا اتنا برا اثر ہوتا ہے کہ کمر جھک جاتی ہے، پہلو پیڑھا ہو جاتا ہے اور چہرہ پر چھڑیاں پڑ جاتی ہیں، اسی طرح غریب شخص کا جسم کانپتا رہتا ہے، روٹکے کھڑے رہتے ہیں، چہرہ زرد رہتا ہے، گال سکڑے رہتے ہیں اور ناک بہتی رہتی ہے۔ والد محترم رحمہ اللہ نے جاڑے میں مسکین کی بد حالی پر چند اشعار کہے ہیں :

ذَهَبَ الرَّبِيعُ بُودَہ وَبَلِيْنِه  
بہار کا موسم محبت و نرمی لے کر چلا گیا  
وَ اَتَى الشِّتَاءُ بُبْرَدَہ وَ بَطِيْنِه  
اور سردی و خاک لے کر جاڑا آگیا  
اَمَّا الْفَقِيْرُ فَنَفِي الشِّتَاءِ هَلَاكُہ  
جاڑے میں غریب کی ہلاکت ہے  
وَلَسْتُ قَفِ بَيْتٍ عِيَالِه مِنْ وَكْفِه  
گھر کی چھت بیوی بچوں پر ٹپکتی ہے  
اور غریب خود سردی سے کانپتا اور آہیں بھرتا ہے  
شیخ عبدالغنی نابلسی نے بھی اسی موضوع پر ایک نظم لکھی ہے جس کا مختصر ترجمہ ذیل میں درج ہے :

”جاڑا جانے کا نام نہیں لیتا، ہوائے شاخوں کو ننگی کر دیا ہے، سردی سے چڑیلوں نے چھپا نا چھوڑ دیا ہے، لوگ بوجھل لباس میں لپٹے ہوئے ہیں، سورج کی شعاعوں کو بدلیوں نے چھپا رکھا ہے، اُمراء گھروں میں اچھے اور لذیذ کھانوں کا مزہ لے رہے ہیں، غریبوں کی ننگی پشت سردی میں ٹھٹھڑ رہی ہے، ان پر رحم کھانے والا کوئی نہیں، یہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، ان کے رزق اور ان کی حفاظت کا اللہ ہی بندوبست کرتا ہے“

سردی کی شدت میں نمازی جب مسجد میں آکر وضو کر کے لئے حوض کے کنارے بیٹھتے ہیں تو یہ عجیب ایمان پرور اور موثر منظر ہوتا ہے۔ اکثر لوگ نماز کے بعد گھروں کو چلے جاتے ہیں، لیکن کچھ عاجز اور عبادت گزار مسجد ہی میں رہ جاتے ہیں، انہیں سردی سے بہت تکلیف

ہوتی ہے، خصوصاً بڑی مسجدوں میں تو ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے۔ چونکہ نماز کے لئے مسجد کی حاضری ضروری ہے، موسم سرد ہو یا گرم، اس لئے بعض اصحاب خیر کا یہ خیال ہے کہ وقف کی آمدنی سے مسجدوں کو انگیٹھیوں کے ذریعہ گرم رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ بلاشبہ یہ ایک مناسب تجویز ہے، ان شاء اللہ لوگ اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، بعض مسجدوں میں جب ایسا انتظام کیا گیا تو کچھ بیوقوف لوگوں نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ مسجدوں کو آگ کا گھر نہیں بنایا جائے گا۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ شام کی بعض مسجدوں میں گرمی کے لئے ہیٹروں کا انتظام ہو گیا ہے۔ جاہل اور نمائشی صلحاء ہمیشہ اس طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ خدا کرے کچھ لوگ آمادہ ہو جائیں کہ انگیٹھیوں کا انتظام کر لیں اور انھیں شمالی حصہ میں مصلیوں کے پیچھے رکھوا دیں۔

## ۱۴۷) مسجد کے خدام کی جماعت میں سستی

اکثر مسجدوں میں ان کے نگران و ملازمین جماعت اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں، مغرب کی نماز ہوتی رہتی ہے اور ”چراغی“ چراغ جلاتا رہتا ہے۔ بیت المقدس کے سفر میں میں نے دیکھا کہ متعینہ شخص اذان فجر کے ساتھ قندیل جلاتا شروع کرتا ہے اور پھر تک جلاتا رہتا ہے۔

بعض لوگ ظہر کی اذان سے کچھ پہلے جھاڑنے کا کام شروع کر دیتے ہیں، تاکہ نماز کے

لے یہ ایک اہم تجویز ہے جس پر عمل ضروری ہے، مگر افسوس لوگ عمل نہیں کرتے بلکہ انگیٹھیوں کو مصلیوں کے آگے رکھتے ہیں۔ کبھی صف میں رکھ دیتے ہیں جس سے صف کٹ جاتی ہے، لوگ جہالت سے ایسا کرتے ہیں، حدیث میں کہوں کے درمیان صف لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح صف کٹ جاتی ہے۔ واللہ المستعان

لئے آنے والے دیکھ کر سمجھیں کہ اس خدمت پر مامور آدمی معنی ہے۔

کچھ لوگ مسجد کے باہر نماز کے لئے پکارتے ہیں اور نماز کے وقت خود سگریٹ پینے یا کسی اور کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

کچھ لوگ اذان سے فارغ ہو کر دروازے کی طرف مڑتے ہیں اور غسل جنابت کے لئے حمام چلے جاتے ہیں یا دکان وغیرہ کا رخ کر لیتے ہیں۔

ایسے لوگ نہ تو مسجد کے آداب سے واقف ہوتے ہیں نہ عبادت کا مقام ان کی نظر میں ہے یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد عبادت و ذکر کے بجائے اسی طرح کے کاموں کے لئے بنائی گئی ہے، یہ لوگ انتہائی بدحالی اور جہالت کی زندگی بسر کرتے ہیں، انھیں متنبہ ہو کر دینی احکام و آداب سیکھنا چاہیئے تاکہ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آسکیں۔

## ⑮ کیرو سین تیل کے استعمال سے گریز

سب کو معلوم ہے کہ کیرو سین تیل سے روشنی زیادہ ہوتی ہے، اس کے مقابلہ میں اور تیل سے اتنی روشنی حاصل نہیں ہوتی۔ اس دور کے لوگ چونکہ کیرو سین تیل کے عادی ہیں اس لئے کسی اور تیل کو جلا نا پسند نہیں کرتے۔ میں جب بیت المقدس گیا تو وہاں دیکھا کہ مسجد اقصیٰ میں قندیل جلانے والے کو بڑی مشقت ہوتی ہے پھر بھی روشنی کم ہوتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم لوگ کیرو سین تیل کیوں نہیں جلاتے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بہت سستا ہے اور مسجد اقصیٰ والدار مسجد ہے اسے گراں تیل چاہیئے۔ میں نے کہا کہ اس کو جلانے میں دیر لگتی ہے اور روشنی بھی کم ہوتی ہے، پھر اسے استعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسی کو جلانے کا حکم ہے۔ مجھے سید تعجب ہوا کہ کس طرح پُرانے طریقوں سے لوگ بے فائدہ چمٹے ہیں، اگر مسجد میں کیرو سین تیل جلا یا جائے تو روشنی بھی زیادہ ہوگی اور مشقت بھی کم اٹھانی

پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو صحیح طریقہ کی ہدایت دے۔

## (۱۶) عمامہ یا جبہ کے بغیر امامت کرنا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسجد میں مقررہ امام کسی عذر سے وقت پر پہنچ نہیں پاتا، جب مصلیٰ پہنچ جاتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو مؤذن حاضرین پر نظر ڈالتا ہے کہ کسی کو آگے بڑھائے۔ حاضرین میں بعض لوگ اسے امامت کے لائق نظر آتے ہیں لیکن ان کے سر پر عمامہ نہیں ہوتا، مؤذن ان سے آگے بڑھنے کے لئے اشارہ کرتا ہے مگر وہ پیچھے ہٹتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ بغیر عمامہ امامت صحیح نہیں ہوتی، یا حجب سے رومال نکال کر سر پر لپیٹ لیتے ہیں اور پھر نماز پڑھاتے ہیں، اور کبھی بغیر رومال ہی آگے بڑھ جاتے ہیں بعض متعصب اشخاص یہ دیکھ کر ان کی شکایت کرتے ہیں اور لاجول و انالہ پڑھتے ہیں۔ ان میں بعض بے حیا رہتے ہیں اور حثویہ سے سنی ہوئی عمامہ کی حدیث پیش کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں، جو حدیثیں مروی ہیں وہ موضوع و ناقابل استدلال ہیں۔ جیسا کہ سخاوی نے ”الانفاصد“ میں بیان کیا ہے۔ لہ۔ اس بیان کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عمامہ کو ضروری قرار دینے والے ناواقف ہیں، عبادات میں لباس کا کوئی دخل نہیں، اور یہ مسئلہ بہت زیادہ ناامید و ثبوت کا کبھی محتاج نہیں، بلکہ دین کی حقیقت سے باخبر لوگ اس کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں جو لوگ تعصب برتتے ہیں ان کی واقفیت کے لئے البتہ یہاں پر کچھ عرض کرنا مناسب ہوگا، اگرچہ مقلدین کو دلیل سے فائدہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن ہبل کا قول ہے کہ: دلیل کا بدترین ضیاع مقلد کے یہاں ہوتا ہے

لہ اس سلسلہ کی بعض حدیثیں ہماری کتاب ”سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ“ (۱۲۷،

۱۲۹، ج ۵: ۲۸) ملاحظہ ہو۔ (ناصر الدین)

رویائی اور ابن عباسؓ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے، بغیر عمامہ ٹوپی اور ٹوپی عمامہ بھی استعمال فرماتے تھے، اور کبھی نماز کی حالت میں ٹوپی اتار کر اس کا سترہ بھی بنا لیتے تھے۔

بہی حال جبہ کا بھی ہے، کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اگر وقتی طور پر امامت کرنے والے کے پاس جبہ نہ ہو تو اپنا جبہ اتار کر دیدیتے ہیں، لیکن یہ دین کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ایک باب ”ایک ہی کپڑے میں نماز“ کا منعقد کیا ہے، اس میں عمر بن ابی سلمہؓ کی یہ روایت مذکور ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح ابو ہریرہؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ: کیا سب کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟ حنفیہ میں صاحب ”التحفیس“ نے ذلت و عاجزی کے اظہار کے خیال سے ننگے سر نماز پڑھنے کو مستحب کہا ہے۔ ”ملک امجد“ کا شعر ہے:

لہ نظرات کر المحمد شذرھا      لَمَّا ضَمِنَتْهُ نَفْسُهُ مِنْ سَخَانَمِ  
کیسہ کی وجہ سے وہ غصہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کے اندر کینہ بن بھرا ہوا ہے۔  
فَمَا الْفَضْلُ فِي أَهْلِ الشَّرَابِ سِوَهُ      وَلَا الْعِلْمُ مَخْصُوصًا بِأَهْلِ الْعِمَامِ  
لیکن خرقہ پوشوں میں خوبی کا وجود عار نہیں اور نہ علم عامہ والوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

وَأَيُّ لَارِبَاءٍ يَالْعَبَّاسَ مَا نَتَرَى      عَلَى أَرْوَاسِ أُولَى بَهْنِ الْبَقَانِعِ  
میں عماموں کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ ایسے سروں پر ہوں جن کے لئے برقع مناسب ہے۔



## ①۷ مسجد و مدرسہ کے دربان کے فرائض اور دروازہ بند رکھنے کا نقصان

تاج الدین سبکی نے ”معید النعم“ میں لکھا ہے کہ: دربان کو دروازے کے قریب رات بسر کرنا چاہیے تاکہ اگر کوئی نماز وغیرہ کے لئے رات کے وقت مسجد آنا چاہے تو اسکے بعض دربان رات کو غٹا کے بعد یا کسی دوسرے وقت دروازہ بند کرتے ہیں اور پھر کسی کے آنے پر نہیں کھولتے، ایسا کرنا ناجائز نہیں، البتہ وقف کرنے والے شخص نے اگر یہ شرط لگا دی ہو کہ کسی مخصوص وقت میں دروازہ کھولا جائے گا تو ایسا ہی کیا جائے گا، لیکن اس شرط کی صحت محل نظر ہے، اور اگر کسی مسجد یا جامع مسجد میں شرط لگائے تو واضح ہے کہ وہ شرط صحیح نہ ہوگی۔ انتہی۔

سبکی کے اس بیان کی روشنی میں ان دربانوں کے رویہ پر غور کرنا چاہیے جو مدارس و جامعہ کے دروازے باوجود ضرورت بند رکھتے ہیں، صرف نماز باجماعت کے وقت کھولتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرے وقت میں وضو کے لئے یا کسی اور ضرورت کے لئے مدرسہ یا مسجد میں داخل ہو تو نہیں داخل ہو سکتا۔ آمد و رفت والے مدارس میں بعض نمائشی صلحا صرف نماز کے وقت دروازے کھولتے ہیں، ان سے پوچھا جاتا ہے کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ دروازہ کھلا رہنے کی صورت میں بیت الخلاء کو پڑوس کے غیر مسلم استعمال کرتے ہیں، یہ دلیل مسجد تعجب انگیز ہے۔ انسان کو سلف کی سخاوت اور خلف کے بخل پر تعجب ہونا ہے، دروازہ بند رکھنے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ ذمیوں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو ہمیں حاصل ہیں، اور ان پر وہی

ملہ میں کہتا ہوں کہ: حدیث میں اس طرح مطلق نہیں وارد ہے، بعض کتب فقہ میں وارد ہے کہ ”ہم ماننا وعلینا ما“ جملہ فروع حدیث ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمیوں کے بارے میں فرمایا ہے، اور موجودہ دور میں مقررین و مبلغین کے ہاں رائج ہے۔ حالانکہ کتب حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ اسکے خلاف وارد ہے، یعنی یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ہم ماننا“ کا جملہ ان کتاب کے بارے میں فرمایا تھا جو مسلمان ہو گئے تھے۔ ملاحظہ ہو ”الضعیفہ“ (۲۱۷۵)۔

ذمہ داریاں ہیں جو ہم پر ہیں، کیا انھیں یہ معلوم نہیں کہ: ہر نیکی صدقہ ہے، کیا انھوں نے وہ حدیث نہیں سنی کہ بدکار عورت کو کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے بخش دیا گیا، پھر انسان کی مدد اور اس پر رحم سے گریز کا کیا معنی؟ کسی بھی دور میں ایسا نہیں ہوا کہ بیت الخلاء کے سلسلہ میں طبقات اور مذہب و ملت کی تفریق کی گئی ہو جو مدعیان صلاح و تقویٰ دوسروں کے بنائے ہوئے بیت الخلاء کو استعمال کرنے سے روکتے ہیں وہ اوروں کی مدد کے لئے اپنا مال کس طرح خرچ کر سکتے ہیں؟ حضرت علیؑ نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ: دو چیزوں نے میری پشت توڑ دی ہے، ایک رسوا عالم اور دوسرا جاہل عبادت گزار۔

خلاصہ یہ کہ مساجد و مدارس کا دروازہ بلا ضرورت دن کو بند رکھنا باتفاق ناجائز ہے، اور ضرورت کے واقعی یا غیر واقعی ہونے کا لحاظ بھی کرنا ہوگا۔ البتہ رات میں چوری وغیرہ کے ڈر سے دروازہ بند کر سکتے ہیں، لیکن ایسی صورت میں دربان کا فرض ہے کہ وہ دروازے سے قریب سوئے تاکہ کسی کے اٹھانے سے اٹھ جائے، اُسے جو تنخواہ ملتی ہے وہ اسی لئے ملتی ہے کہ مسجد میں آنے والوں کو اس سے ہولت ملے، اگر وہ اس کا لحاظ نہیں رکھے گا تو تنخواہ جائز نہ ہوگی۔ دربانوں کی غفلت سے بہت سے نقصانات ہوتے رہتے ہیں، مسجد کے قالین چوری ہو جاتے ہیں، کمرے لوٹ لئے جاتے ہیں، دیواروں میں نقب لگا کر برابر کی دکان سے مال چرایا جاتا ہے۔ اگر دربان اچھی طرح نگرانی کرے تو اس طرح کا کوئی واقعہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ انوس ہے کہ وقف کرینوالوں کا مال اس طرح بے توجہی سے ضائع ہو جاتا ہے۔

## (۱۸) جماعت سے غیر حاضری اور غفلت

بعض علماء نے لکھا ہے کہ: فقراء اور غلبین کا وجود بڑی نعمت ہے، ان سے دینی شعائر کو قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اگر لوگ جاہ و ثروت میں ایک ہی طبقہ کے ہوتے تو دینی تقریبات

کی کوئی امتیازی حیثیت نہ ہوتی۔ اس مخبر کا مقصد اس بات پر اظہارِ افسوس ہے کہ بہت سے اعیان و اکابر اور امراء پنجگانہ نماز کی جماعتوں سے غیر حاضر رہتے ہیں۔ اور یہ احساسِ صحیح ہے، کیونکہ مسجدوں میں دینی شعائر کو قائم کرنے والے درحقیقت فقراء اور متوسط طبقہ کے تاجر و دست کار ہوتے ہیں۔ اکابر جمعہ و عیدین کے علاوہ بہت کم مسجدوں میں آتے ہیں، البتہ اگر کسی صاحبِ جاہ و ثروت کی مجلسِ تعزیت میں شرکت کرنی ہو تو اس وقت بھی امراء مسجد میں آتے ہیں۔ ان حالات پر نظر رکھنے والا شخص اگر اپنے افسوس کا اظہار کرتا ہے تو یہ بجا ہے۔ ہمیں اس کا انکار نہیں کہ امراء اور ملازمین کو جماعت کے اوقات میں کام کی مصروفیت ہوتی ہے۔ لیکن مقصد یہ ہے کہ مہفتہ کے بعض ہی دنوں میں یا فرصت کے اوقات مثلاً عشاء کی نماز میں اس دینی اجتماع کو تقویت حاصل ہو۔ جہاں تک صبح کی نماز میں حاضری کا تعلق ہے تو اس میں بھی تقریباً تمام اکابر اور اکثر متوسطین حاضر نہیں ہوتے۔ فجر کی علامتی جماعت تو صرف جاڑے کے دنوں میں قائم رہتی ہے جب رات بڑی ہوتی ہے اور لیٹے لیٹے پہلو درد کرنے لگتا ہے، اور اس وقت بھی عام طور پر حاجت مند لوگ ہی موجود رہتے ہیں، تاجروں وغیرہ کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ یہ حالت بے حد افسوسناک ہے، دینی شعائر کا نقصان یہ ہے کہ امت کا ہر طبقہ انہیں ادا کرے اور مالدار طبقہ مخصوص طور پر اللہ کے انعام و اکرام کا شکر ادا کرے جن کا شمار انسانی طاقت سے باہر ہے۔ امراء کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآنی ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے بندوں پر احسانات کئے ہیں :

لَا يُلَاقِيكَ إِلَهٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَوْمَ يُنْفَخُ الْكِتَابُ وَتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَخْلَفُ الَّذِينَ هُمْ أَغْوَيْنَا ۚ وَلَوْلَا الَّذِي نَعُودُ إِلَيْهِ لَافْتَدَيْنَا آلَٰدَمَ ۖ سَمِعْنَا لَهُمُ الشَّوْكَانَ يُقَالُ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كِبَارُهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِ ۚ

عالم نے نابینا شخص کو بھی معذور نہیں قرار دیا بلکہ اس کے لئے واجب قرار دیا کہ جب وہ اذان سنتا ہے تو مسجد میں حاضری دے۔ (ناصر الدین)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ ۚ وَهُوَ الَّذِي يُمْرِكُمْ فِي السَّمَاءِ فَتُخَرِّجُكُمْ مِنْهُنَّ فِي سَافَرٍ ۚ وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْغَنِيُّ ۚ

وہی ہے جس نے موت و حیات پیدا کی تاکہ وہ تم کو لیبلوگم ایتکم احسن عبداً

دوسری جگہ ارشاد ہے: (الملک - ۲)

كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَہٗ

اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (سبا - ۱۵)

ایسے مالدار لوگوں کو عابدوں کی سب سے اولین جماعت میں ہونا چاہیئے۔ اور مالدار کی سرکشی

سے بچنا چاہیئے جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كَذَٰلِكَ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۚ

بے شک انسان گمراہ ہو جاتا ہے، اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے۔ (العلق - ۷)

عقل مند شخص کو انجام پر نظر رکھنی چاہیئے اور آخرت کی بربادی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ

سے ڈرنا چاہیئے تاکہ اس ارشاد الہی کا مصداق بن سکے:

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ

ایسے لوگ جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے

عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَاقَامِ الصَّلَاةِ

سے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کر سکتی۔ (النور - ۳۷)

وَاِيتَاءِ الزَّكَاةِ (النور - ۳۷)

یہ خیال نہ کیا جائے کہ بعض ائمہ کی طرح ہم بھی تمام نمازوں میں جماعت کے وجوب کے قائل ہیں

کیونکہ اس امت سے عبادات و معاملات میں تنگی دور کر دی گئی ہے لہٰذا، لیکن جب عذر

ملے میں کہتا ہوں کہ: دلائل سے جماعت کو واجب کہنے والے ائمہ کے قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ میں

نے بعض کی جانب بھی اشارہ کیا، اور وجوب کو راجح ماننے کی صورت میں بھی تنگی ختم ہی رہتی ہے، اس لئے کہ

بحث یہ ہے کہ اصل وجوب یا نہیں؟ اگر ہم وجوب اختیار کریں گے تو عمل واجب ہوگا لیکن اگر کوئی عارضی تنگی پیدا

ہو جائے تو وجوب باقی نہ رہے گا، یہ بات ان شاء اللہ ظاہر ہے۔ (ناصر الدین)

نہ ہو تو ایسی صورت میں اول وقت باجماعت نماز ادا کرنا ضروری ہے، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت زندہ ہو اور دینی شعائر کو تقویت حاصل ہو سکے۔

## ⑨ بعض مساجد کی موقوفہ کتابوں پر قبضہ جمانا

بعض بڑی مسجدوں میں وقف کی کتابیں موجود رہتی ہیں جن سے طلباء کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ مسجد کا امام یا مدرس ان کتابوں کا نگران ہوتا ہے لیکن عموماً یہ کتابیں الماری یا حجرے میں بند رہتی ہیں اور کسی کو ان کا علم نہیں ہوتا، اگر علم ہو بھی تو ان کو حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے، اگر عاریتہً حاصل بھی ہو جائیں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ کتاب نکال کر دینے والا بے حد تنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے اور لینے والے کی طرف دیکھتا جاتا ہے۔ اگر کتابوں کے نگران شخص کا انتقال ہو جائے اور الماری یا حجرہ کی کنجی اس کے لڑکے یا کسی جاہل کو مل جائے اور کتابوں کی جاساخ کرنے والے یا ان سے استفادہ کرنے والے نہ ہوں تو کتابیں خراب ہو جاتی ہیں اور انھیں دیکھ کھا جاتی ہے۔ مجھے ایک مسجد کی الماری کا حال معلوم ہے جس کے بارے میں متولی کے علاوہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے، لیکن کسی کو متولی سے پوچھنے کی جرات نہیں، اسی طرح ایک بڑی مسجد کا ایک حجرہ موقوفہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا لیکن متولی کی زندگی میں وقف کر نیوالے کی اولاد کے علاوہ کسی کو ان کتابوں کا علم نہیں تھا، پھر اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے وارث ہوئے جو کم عمری کے ساتھ کم علم بھی تھے، اس لئے کتابوں کی دیکھ بھال نہیں ہوتی تھی اور انھیں کبھی ہوا بھی نہیں لگتی تھی۔

میرے خیال میں کتابیں وقف کرنے والے کو چاہیے کہ وہ ان کو ایسے ہوشمند اور سنجیدہ عالم کے حوالے کریں جو علم و علماء اور کتابوں کی قدر و قیمت سے واقف ہو، یا پھر عوامی لائبریریوں کو دیدیں جیسے دمشق کا مکتبہ ظاہریہ وغیرہ تاکہ ہر شخص ان سے مستفید ہو سکے۔ مجھے

بعض قدیم گھروں میں ایسی موقوفہ کتابوں کا علم ہے جن تک رسائی مشکل ہے، حالانکہ وہ کتابیں اہم ہیں، لیکن اُن کو چھپا کر رکھنے کا مقصد ظاہر ہے۔

## ۲۰) قرآن، خوشبو کے ڈبوں اور قالینوں کی اُن مسجدوں کے

### لئے وصیت جنھیں ان کی ضرورت نہ ہو

مال کے مصرف سے ناواقفیت کے بعد یہ تصور کہ ہر چیز اپنی جگہ پر ہے، بصیرت کا فقدان ہے۔ اکثر مالدار پیسہ خرچ کرتے ہوئے یا کوئی دوسرا کام کرتے ہوئے عقل سے کام نہیں لیتے ہیں اسی طرح اکثر وصیتوں سے ضروری امور غائب رہتے ہیں، اور غیر ضروری چیزیں اولین سطویں مذکور ہوتی ہیں، وصیت ایک فن ہے جس کا ہر عالم اور دانشور کو مطالعہ کرنا چاہیئے، کیونکہ مال ایک اہم اور محبوب چیز ہے، اس کا اسراف یا ناجائز طور پر اسے کھانا حرام ہے، مال کے حصول کے لئے انسان بڑی مشقتیں اٹھاتا ہے، اس لئے اسے ایسے طور پر خرچ نہیں کرنا چاہیئے کہ بدنامی کا باعث ہو، مگر بہت سی خرابیاں موروثی طور پر ہمارے اندر جڑ پکڑ گئی ہیں، چنانچہ بہت سے مالدار اصحاب ایسی مسجدوں کے لئے قرآن شریف، خوشبو، یا قالین کی وصیت کر جاتے ہیں جنھیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مساجد میں اس وقت بہت سے مطبوعہ قلمی قرآن موجود رہتے ہیں لیکن انھیں پڑھنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ بعض مسجدوں میں میں نے دیکھا کہ وصیت کا کوئی قالین پہنچا اور مسجد کو ضرورت نہیں تو اسے دوسرے قالین کے ساتھ ملا کر سیل دیا گیا۔ یہ وصیت کرنے اور اسے لکھنے والے کی جہالت کی دلیل ہے۔ اگر کسی باہوش آدمی سے مشورہ کر کے یہ کام کیا جائے تو اس طرح کی خرابی نہ پیدا ہو۔ میرے ایک پڑوسی نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ میں فلاں مسجد میں ایک جاتے نماز دینا چاہتا ہوں لیکن مسجد کو اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ اطراف شہر کی کسی ایسی مسجد میں دے دو جس کو ضرورت ہو، اس نے کہا کہ ان مسجدوں



میں مصلیٰ کم ہوتے ہیں، اور میں ایسی مسجد چاہتا ہوں کہ جب اس میں بچھائی جائے تو زیادہ لوگ نماز پڑھیں تاکہ زیادہ ثواب ملے۔ سوچئے! اس سمجھ اور استدلال و استنباط کو کیا کہا جائے؟ مجھے ایسے لوگوں کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رضامندی کے لئے نہیں بلکہ ریاکاری کے لئے خرچ کرتے ہیں، کیونکہ بڑی مسجدوں میں آنے والے زیادہ ہوتے ہیں جب وہ اکٹھا ہوں گے تو نئی جائے نماز دیکھ کر ضرور سوال کریں گے کہ کہاں سے آئی ہے؟ اس وقت انھیں جواب ملے گا کہ فلاں شخص نے وصیت کی تھی، اسی کی طرف سے بچھائی گئی ہے۔ یہ سن کر ریاکار کے جذبہ کو تسکین ہوگی اور اسے شہرت ملے گی، ریاکاری کی لذت ایسی ہے کہ آدمی مَر سٹر کر بھی اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

## ②۱) مساجد میں درخت لگانا

درمختار کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ علامہ ”ابن امیر حاج حنفی“ نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس میں مسجد کے اندر درخت لگانے کو جائز کہنے والوں کی تردید کی ہے، انھوں نے کہا کہ اس سے نماز وغیرہ میں رکاوٹ پیدا ہوگی، اگر مسجد کشادہ ہو یا درخت کے پھل سے فائدہ حاصل ہو تو بھی جائز نہ ہوگا، ورنہ اس دلیل سے مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ پر دینا بھی ثابت کیا جاسکتا ہے اگر کوئی درخت مسجد میں موجود ہے تو اسے باقی نہیں رکھا جائے گا، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

لَيْسَ لِعَرَقٍ ظَالِمٌ حَقٌّ ۝ ظالم کے درخت کا کوئی حق نہیں۔

اس لئے کہ ظلم نام ہے کسی چیز کو اس کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا، اور یہاں ایسا ہی ہے اس رائے کی تائید محقق ابن ابی شریف شافعی نے بھی کی ہے۔ اتنا ع اور اس کی شرح میں

۱۵ صحیح حدیث ہے، ملاحظہ ہو ”الارواء“ (۱۵۱۸)

جوبلی فقہ کی کتاب ہے، یہ مذکور ہے کہ: مسجد میں درخت لگانا حرام ہے، کیونکہ اس کا فائدہ نماز کے لئے ثابت ہے اور اسے نظر انداز کرنا زیادتی ہے۔ اگر کوئی درخت لگا دے تو اسے اکھاڑ دیا جائے گا، ورنہ اس کا پھل مسجد کے مالکین وغیرہ کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا۔ انتہی۔

## ﴿۲۲﴾ لمبی قنارت

عبادت کے معاملہ میں فقہ کے اکثر ابواب میں یہ صراحت ہے کہ ان میں تخفیف کی جائیگی مثلاً امام نماز میں تخفیف کرے گا، مصلیٰ کا اگر کوئی منتظر ہو تو وہ تخفیف کرے گا، امام جب یہ سن لے کہ بچہ رو رہا ہے اور اس کی ماں نماز میں شریک ہے تو وہ تخفیف کرے گا، اور اسی طرح جمعہ کا خطیب خطبہ میں تخفیف کریگا، کیونکہ مقصد یہ ہے کہ عبادت جستی، شوق اور قلب کی حضوری کے ساتھ ادا کی جائے، اور یہ چیزیں تخفیف اور اعتدال ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور اگر عبادتوں کو طول دے کر دلوں کو منتفر کیا جائے تو یہ شریعت کی روح اور اس کے مدعا کے خلاف ہوگا، جب کسی چیز کو طول دیا جاتا ہے تو لازماً اس سے طبیعتوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ بہت سے قنارتیں یا رمضان میں، یا نمازوں کے بعد طویل قنارت کرتے ہیں اس سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور اس سے بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ لوگ قرآن کو سننے یا ایسی مجلسوں میں آنے سے کترانے لگتے ہیں، اور چونکہ اس کا سبب قناری کی طویل قنارت ہوتی ہے اس لئے وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ نماز میں طویل قنارت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ:

إِنَّ مِنْكُمْ مُنْكَرٍ بَيْنَ  
لہ تم میں سے بعض نفرت پیدا کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ علماء کو یہ چاہیے کہ دلوں کو بھلائی کی طرف مائل کریں اور احکام سننے اور

سیکھنے کے لئے ان کے اندر شوق پیدا کریں، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

يَسِّرْ وَاَدَاكَ تَعَسِّرْ وَاَوْبَشِّرْ وَاَدَاكَ  
نرمی کرو، سختی نہ کرو۔ بشارت دو، اور  
تسفیرو ۱۔

طول جس طرح قرأتِ قرآن میں ناپسندیدہ ہے اسی طرح درس، خطبہ، نماز اور عوام  
سے متعلق تمام چیزوں میں مکروہ ہے کیونکہ اس سے اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے جو دل کے خشوع  
و خضوع کو ختم کر دیتی ہے۔

میں نے ایک مرتبہ مراکش کے ایک بااثر شخص کے سامنے وہاں پر مروجہ ایک رسم کا ذکر کیا  
تھا کہ جب ان کے یہاں کوئی مرجاتا ہے تو متواتر تین راتوں میں بیدار رہ کر فجر تک قرآن کی  
تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس سے قاریوں اور گھر کے بھی لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، تلاوت  
کی جو اجرت دی جاتی ہے وہ اس محنت و مشقت سے کم ہوتی ہے جسے قرآن برداشت کرتے  
ہیں۔ قرآن جب رات کے آخری حصہ میں تلاوت سے فارغ ہوتے ہیں تو ان کے لئے اس  
وقت کھانے پینے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے جس میں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ تعزیت کے لئے  
آنے والے اقرباء و احباب بھی شرما حضور میں مشقت اٹھا کر حاضر رہتے ہیں۔ چونکہ ایسا  
فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے ثابت نہیں اس لئے اس بدعت کے مکمل  
خاتمہ یا کم از کم اس میں کمی کے لئے کوشش ضروری ہے۔

اسی طرح شام کے مالداروں کی عادت ہے کہ دفن کی پہلی رات قبرستان میں قاریوں کے  
ساتھ پوری رات جاگتے ہیں، سردی کے موسم میں جب تیز ہوائیں چلتی ہیں تو ٹھنڈک سے  
بچنے کے لئے لوگ اپنے ساتھ انگلیٹھی اور چائے کا سامان لے کر جاتے ہیں اور خیمہ نصب کر کے  
اسی میں رات گزارتے ہیں، قاریوں کی بھی سردی میں غیر معمولی دشواری ہوتی ہے۔ کیا صدقات و

۱۔ صحیح حدیث ہے، اس کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الصیغۃ" (۱۱۵۱)۔

خیرات کا صرف یہی طریقہ ممکن ہے ؟ معلوم نہیں یہ چیز کہاں سے آئی ؟ جہالت اور علمائے سے نہ پوچھنے کے سبب ایسی غلطی ہوتی ہے۔ مائتی مجالس و تقریبات میں مالداروں کا بہت زیادہ پیسہ خرچ ہوتا ہے، لیکن جب راہِ خدا میں خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو یہ لوگ غیر معمولی بخل سے کام لیتے ہیں۔ صاحبانِ عقل و ہوش کو ایسے کاموں سے بچنا چاہیے جو دنیا و آخرت میں خسارے کا سبب ہوں۔

### (۲۳) قاری کی تلاوت کے وقت قرآن کے پارے تقسیم کرنا

دشمن میں یہ رسم تھی کہ میت والوں کی تعزیت تین دن تک محلہ کی بڑی مسجد میں کی جاتی تھی لوگ صبح کے وقت طلوع فجر سے سورج بلند ہونے تک تعزیت کے لئے آتے تھے، اس وجہ سے اس اجتماع کو ”صبحانیہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اس کی وجہ سے صبح کی نماز میں ان لوگوں کو دشواری ہوتی تھی جو جماعت کے بعد آتے تھے، مجبوراً وہ یا تو صحن میں نماز ادا کرتے تھے یا پھر کسی گوشہ میں چلے جاتے تھے۔

یہ رسم صدیوں سے رائج تھی، تقریباً دس سال پہلے ایک باحیثیت آدمی نے اس اجتماع کو عشاء کی نماز کے بعد منعقد کرنے کا خیال ظاہر کیا اور ایک مسجد میں ایسا ہی کیا گیا، شام کے دوسرے لوگوں نے اس کی تقلید کی اور اب وہاں لوگ عشاء کی نماز کے بعد تین رات تک جمع ہوتے ہیں اس طرح مصیبتوں کو نماز میں دشواری کی بات تو ختم ہو گئی لیکن اس اجتماع کی دوسری خرابیاں موجود ہیں مثال کے طور پر ایک رسم یہ ہے کہ اس اجتماع میں ایک یا متعدد قاریوں کو بلایا جاتا ہے جو باری باری قرآن پڑھتے ہیں، اور اسی اثناء میں مسجد کا خادم قرآن کے پارے حاضرین میں تقسیم کرتا ہے جو انھیں لے کر پڑھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ایک شیخ نے لوگوں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ دونوں کام ایک ساتھ نہ کریں، اگر لوگوں میں پارے تقسیم کئے جائیں تو پھر قاری کو

آہستہ پڑھنے کے لئے کہا جائے۔ اور اگر تازی کو بلند آواز سے پڑھنے کی اجازت ہو تو پھر بائیں  
 نہ تقسیم کئے جائیں، کیونکہ بلند آواز سے پڑھنے کی وجہ سے دوسرے پڑھنے والوں کو خلل ہوگا۔  
 اطمینان کی بات یہ ہے کہ اب بہت سی مسجدوں سے یہ رسم ختم ہو گئی ہے، اب لوگ کسی تازی  
 کو بلا کر قرآن کا کچھ حصہ پڑھواتے ہیں اور خود بیٹھ کر سنتے ہیں، مگر کچھ نا سمجھ ایسے وقت میں  
 بات کرتے رہتے ہیں۔ جن مسجدوں میں اب بھی مذکورہ رسم باقی ہے، وہاں کے لوگوں کو  
 اسے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

بہت سے حفاظ اپنے حصہ کا قرآن پڑھنے کے بعد کلمہ اور اشعار پڑھتے تھے جس  
 سے مسجد میں شور پیدا ہو جاتا تھا، لیکن اب وہ تلاوت کے خاتمہ پر دعا رہی پر اکتفا کر لیتے ہیں  
 اس سے مذکورہ بدعت کی سختی میں کمی واقع ہو گئی ہے، صرف دمشق کی دو مسجدوں میں یہ باقی ہے  
 کیونکہ وہاں مؤذن برآمدہ میں اکٹھا ہو کر مختلف قصیدہ پڑھتے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ بدعت بھی  
 ختم ہو جائے۔

## ۲۲) امام کے پیچھے کھڑے ہونے والوں کا اپنی جگہ لینے والوں پر غصہ

اکثر بڑی مساجد میں کچھ لوگ پابندی سے امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں، یہ لوگ نماز سے  
 پہلے آتے ہیں اور اپنی مخصوص جگہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، بعد میں کوئی آنے والا ان کے بازو میں  
 گنجائش دیکھ کر اگر اس امید پر بیٹھ جاتا ہے کہ وہ تھوڑا کھسک کر اس کو بھی نماز ادا کرنے کا  
 موقع دیں گے تو ایسا نہیں ہوتا، بلکہ پہلے سے موجود شخص اپنی جگہ سے لٹس سے نہیں ہوتا۔ ان  
 میں سے بعض لوگ دوسروں کو آتا ہوا دیکھ کر چہار زانو زیادہ جگہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، اقامت  
 کے بعد اگر کوئی جا کر ان کے بازو میں کھڑا ہو جاتا ہے اور جگہ کم رہتی ہے تو غصہ کی شدت سے  
 سے نکل کر دوسری صف میں چلے جاتے ہیں اور لاول وغیرہ پڑھنے لگتے ہیں۔ اگر ان کے آنے

سے پہلے کوئی ان کی متینہ جگہ پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اگر پھر غصہ کے مارے سب سے آخری صف میں بیٹھ جاتے ہیں، اور کبھی کبھی ضبط نہیں ہوتا تو بیٹھنے والے سے کہہ پڑتے ہیں کہ: "بھائی، ہم کل کے پیدا نہیں ہیں، اس مسجد میں چالیس سال سے یہیں نماز پڑھ رہے ہیں، تمہارا ذوق و ادب کہاں گیا؟۔ ایسے افراد کی عبادت میں ریاکاری نمایاں ہوتی ہے اور نماز کا صحیح پھل انہیں نہیں مل پاتا، ان کی تادیب و تربیت ضروری ہے۔

### ۲۵) بعض مسجدوں میں محل کا نظارہ کرنے والوں کی بھیڑ

جیسا کہ معلوم ہے حکومت حج کے محل کی روانگی اور واپسی کے موقع پر جشن مناتی ہے، اس موقع پر ایک جلوس نکلتا ہے جس میں اُمراء اور اصحاب مناصب شریک ہوتے ہیں، اس جلوس میں شرکت کے لئے شام اور شام سے باہر کے بہت سے لوگ آتے ہیں جن راستوں سے یہ جلوس گزرنا ہے ان پر دونوں اور قریب قریب کی عمارتوں کی چھتوں پر لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے، تماشا دیکھنے والوں میں مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سبھی ہوتے ہیں، راستہ میں جو مسجدیں پڑتی ہیں ان میں بھی تماشا بین داخل ہو جاتے ہیں، لوگ عموماً فجر کے وقت ہی سے اپنی اپنی جگہ لے لیتے ہیں، اس موقع پر جو شور و منگام ہوتا ہے اسے بیان کرنا ممکن نہیں، محل جب گزرنے لگتا ہے اس وقت کی کیفیت دیدنی ہوتی ہے۔ اس بھیڑ میں مساجد کے ائمہ و خطباء اور دوسرے ملازمین بھی اپنے اپنے گھروں سے بیوی بچوں کو لے کر آتے ہیں اور انہیں مسجدوں میں رکھ کر تماشا دکھاتے ہیں، اس طرح مسجد کی بھرمی ہوتی ہے اور بہت سے خلافِ شریعت کام عمل میں آتے ہیں، راستے اور عام اجتماع کے مقام بالکل گندے ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں جلوس کے دن ان مسجدوں کے دروازے بند کر دینے چاہئیں جو جلوس کے راستہ پر پڑتے ہیں تاکہ اس موقع کی خرابیاں مسجد میں نہ واقع ہوں۔ اس کی بڑی ذمہ داری مسجد کے



منتوی پروافع ہوتی ہے، اس کی بے توجہی سے اگر کوئی غلط کام مسجد میں ہوگا تو اس کا گناہ اُسے بھی ہوگا۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جلوس کے موقع پر میدان کے راستہ کی جامع المصلیٰ بند کر دی جاتی ہے، دوسری مساجد کے ذمہ داروں کو بھی اس کی پیروی کرنی چاہیئے۔

باجوری نے شرح الغایۃ کے حاشیہ میں شوافع کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ محل اور مقام ابراہیم کے غلات کا نفاذ کرنا حرام ہے، کیونکہ ان کا یہ قاعدہ ہے کہ جس فعل کا کرنا حرام ہے اس کا دیکھنا بھی حرام ہے، کیونکہ دیکھنے کا ایک طرح سے مطلب یہ ہے کہ آدمی اس فعل کا اثبات کر رہا ہے۔ لیکن امام بلقینی دیکھنے کو جائز مانتے ہیں، ان کے خیال میں چونکہ یہ اسلام کا شعار بن چکا ہے اس لئے اس پر حرمت کا حکم نہیں لگے گا۔

یہ بات مخفی نہیں کہ کسی کام کی تحریم کا سبب اس سے پیدا ہونے والی خرابیاں ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی فاسد ملکہ کی پرورش کرتا ہے یا نفس کے اندر فساد کے جراثیم کو بڑھاتا ہے۔ اسی لحاظ سے تحریم یا کراہت کا حکم لگتا ہے، انسان کو اس قاعدہ پر نظر رکھنی چاہیئے۔ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ: اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کسی فعل کا کیا حکم ہے، تو اس کے مقصد اور نتیجہ پر غور کرے، اگر اس میں بگاڑ اور خرابی کا پہلو غالب ہو تو شارع کی طرف سے اس کا مامور و مشروع ہونا محال ہے، بلکہ وہ فعل یقیناً حرام ہوگا خصوصاً جبکہ اس سے اللہ اور رسول کی ناراضگی لازم آئے۔

## ۲۶) مسجد کی جائے نماز پر اپنی جائے نماز بچھانا

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں اپنی جائے نماز بچھا کر نماز پڑھے تو یہ بدعت ہے یا نہیں؟ موصوف نے جواب دیا کہ، جائے نماز پر نماز اس کے قصد سے ادا کرنا سلف میں مہاجرین و انصار اور تابعین کا طریقہ نہیں، وہ لوگ مسجد کی زمین پر نماز پڑھتے تھے، گرمی کی شدت میں کوئی کوئی اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

چٹائی پر نماز پڑھنے سے جو کچھ اور کی چیزوں سے بنی رہتی تھی۔ زمین کی جنس کی کسی چٹائی وغیرہ پر نماز کا سجدہ کرنے میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں، البتہ کھال یا اون سے تیار فرش کے بارے میں جو زمین کی جنس سے نہ ہو، علماء مختلف ہیں، اکثر لوگ اس کو جائز مانتے ہیں، اہل بیتوں میں امام شافعی و احمد اور اہل کوفہ میں ابو حنیفہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

لیکن مسلمانوں کی جائے نماز پر جو لوگ اپنی چٹائی یا فرش بچھاتے ہیں وہ بدعت پر بدعت کا اضافہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگوں کو دوسو سال کا مرض ہوتا ہے جس کی وجہ سے انہیں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسجد کا فرش لوگوں کا قدم پڑنے یا پرندوں کے بیٹ کرنے سے ناپاک ہو گا۔ حالانکہ تواتر یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں مسجد حرام میں لوگ چلتے تھے کبوتر بھی وہاں رہتے تھے، مطاف میں تواتر لوگ گذرتے تھے جتنے کسی اور مسجد میں ممکن نہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے متعلق یہ بھی نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ لوگ کسی افضل و منتخب کام کے ترک پر متفق ہو جائیں گے۔ بنابرین مذکورہ عمل کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف قرار پائے گا۔ بعض لوگ ایسے فعل کو دینداروں کا شعار اور اسے چھوڑنے کو بیدینی اور نماز سے بے توجہی قرار دیتے ہیں، ان کی دانست میں یہ طریقہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے طریقہ سے افضل و اکمل ہوتا ہے!

اسی طرح بعض لوگ کندھے پر مصلیٰ اور ہاتھ میں تسبیح لے کر نکلتے ہیں اور اسے دین اور نماز کا شعار سمجھتے ہیں، حالانکہ تواتر ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا یہ شعار نہیں تھا، وہ لوگ اپنی انگلیوں پر تسبیح گنتے تھے، اور بعض لوگ کنکری یا گھٹی پر گنتے تھے۔ تسبیح کے ذریعہ

۱۰: ۱۱۰: ۲) اور ابن جبان (۳۵۴-۳۵۶) نے بھی ذکر کیا ہے۔

۲) یہ کسی صحابی سے ثابت نہیں، ملاحظہ ہو "التعقب الخلیفہ"، پرہاری ترویج۔ (ناصر الدین)

ذکر الہی کو بعض لوگوں نے مکروہ اور بعض نے جائز بتایا ہے، لیکن یہ کسی کا قول نہیں کہ تسبیح سے گناہ انگلیوں پر گننے سے افضل ہے۔ اور تسبیح کے مستحب ہونے سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اس کا اظہار اور نمائش بھی مستحب ہے، بلاشبہ یہ عمل ریا میں شمار ہوگا۔ اگر کسی مشروع عمل میں ریا ہو تو یہ گناہ ہے، لیکن کسی غیر مشروع عمل میں ریا کا ہونا تو اور بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَيَبْئُوكُمُ أَتَيْكُمُ أَحْسَنُ عَمَلًا

تاکہ جانچے کہ تم میں سے کون اچھے کام کر رہا ہے

(الملك)

فضیل بن عیاضؒ نے اس کی تفسیر ”خلص اور اصوب“ یعنی ”خالص تر اور درست تر“ سے کی ہے، (شیخ کا فتویٰ اہم اور طویل ہے، اسے ملاحظہ کرنا چاہیے)

## ۲۷) پانی بند ہونے کے بعد حوض کے پانی کا بدل جانا

دشمن میں جاڑے کے اخیر میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ نہروں کا پانی روک دیا جاتا ہے کیونکہ کافلوں کا یہ خیال ہے کہ فروری کے مہینہ کا پانی کھیتی کو نقصان پہنچاتا ہے، اس لئے اسے کھیتوں سے روک دیا جاتا ہے اور بعض نہروں کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جب نہروں کا پانی بند کے ذریعہ روک دیا جاتا ہے تو ان گھروں اور مسجدوں کو پانی نہیں پہنچ پاتا جہاں ان سے پانی لیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں بڑے حوضوں میں جو پانی باقی رہ جاتا ہے اسے مسجد کے خدام اس خیال سے روک رکھتے ہیں کہ اس سے مصلیٰ وضو کریں گے، لیکن اس پانی میں جلد ہی تبدیلی ہو جاتی ہے کیونکہ بڑی مسجدوں میں زیادہ مصلیوں کو وضو کرنا ہوتا ہے اور ان کا استعمال کر دہ پانی اسی حوض میں رہ جاتا ہے، اس سے پانی میلا ہوتا جاتا ہے اور لوگوں کو اس کے استعمال سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ مذکورہ پانی

کے استعمال کا کوئی شرعی حکم نہیں، کیونکہ شریعت نے پانی کو جو بہت زیادہ پاک کرنے والا قرار دیا ہے تو اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ ہم اسی حالت میں ہوتے ہوئے اس کا استعمال کریں، اور اگر پانی میں یہ وصف نہ پایا جائے تو اس کو استعمال کرنیکی زحمت کا کیا فائدہ؟ یہ بھی معلوم ہے کہ بہت سے ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ جس پانی کا رنگ بدل جائے اس کی طہوریت ختم ہو جاتی ہے یعنی پھر وہ کسی چیز کو پاک نہیں کر سکتا، تو جو پانی ہاتھ پیر کے میل کی وجہ سے بدل جائے وہ پاک کرنے والا کیسے ہو گا اور اس کو گلی یا منہ دھونے کے لئے کیسے استعمال کیا جائے گا۔

اگر کوئی فقیہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا رنگ نہیں بدلا ہے تو یہ شریعت کے اسرار کو نہ سمجھنے کا ثبوت ہو گا، کیونکہ اس پانی کی تو اصل ہی بدل گئی پھر رنگ بدلنے کا کیا سوال؟ ایسا پانی طبی اعتبار سے بھی مضر ہے، جراثیم اور مائیکروبز کے منہ میں رہنے کی بات اب سورج کی طرح بدیہی و روشن ہے۔ اس لئے مسجد کے خدام کو چاہیے کہ جب حوض کا پانی منقطع ہو جائے تو اسے سکھا دیں، یا مسجد کے منتظم حوض میں ڈھکن لگا دیں اور اس میں سے ٹونٹیاں نکال دیں جیسا کہ بیت المقدس کے حوض میں ہے، ایسی صورت میں حوض کے پانی کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں رہے گا، بلکہ یہ انتظام پانی جاری رہنے کی صورت میں بھی بہتر ہو گا، اس لئے کہ بہتے ہوئے پانی کو بھی جب زیادہ لوگ استعمال کرنے میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اوپر کھنکھار اور میل نظر آتی ہے جس کو لوگ دیکھ کر گھن محسوس کرتے ہیں۔

## ②۸ خیراتی حوض کو لوہے کی جالیوں سے گھیرنا

اے اللہ! ہم جالیوں میں شمولیت سے نیری پناہ چاہتے ہیں، اے اللہ! اہمال کے اثرات اور اس سے بعیرت کا جو زوال ہوتا ہے اور جو تباہیاں آتی ہیں ان سے بچنے کے

لئے ہم تیرے رحم کے طالب ہیں، جہالت کی کرشمہ سازیوں کو بیان کرنے سے ہماری زبان وقلم عاجز ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اسلاف انسانوں اور جانوروں کی راحت کے لئے مختلف راستوں اور عوامی جگہوں پر حوض اور پانی پینے پلانے کی جگہیں بنادیا کرتے تھے، یہ کام فی سبیل اللہ ہوتا تھا اور ہر جاندار کو اس سے نفع حاصل کرنے کا حق تھا، لیکن اس دور کے بعض جاہلوں نے شیطانی وسوسہ کا نثار ہو کر ان حوضوں کو آہنی جالیوں سے گھیر دیا، ان کی دلیل یہ ہے کہ مختلف قسم کے گوشتی پانی کو گندہ کرنے ہیں۔ اسی میں برتن وغیرہ دھوتے ہیں، جالی گھیرنے کے بعد چونکہ صرف ہاتھ جانے کی جگہ رہتی ہے اس لئے پانی میں کوئی برتن وغیرہ نہ ڈال سکیں گے۔ اس عمل سے جانوروں کو حوض کا پانی بالکل نہیں ملتا اور وہ پیاسے گھومتے رہتے ہیں حالانکہ پانی کے وہی زیادہ مستحق تھے حوض کو وقف کرنے کا جو مقصد تھا اسے ان لوگوں نے بالکل الٹ دیا۔ اس سے دوسرے کے صدقہ کئے ہوئے مال میں بخل لازم آتا ہے اور ایسا کرنے والے سختی کے مستحق ہیں، بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کی طرف نہ تو دیکھے گا نہ ان کو پلک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ایک تو وہ شخص جو راستہ کے فاضل پانی کو مسافروں سے روک دے، الخ۔ ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ تین چیزیں روکی نہیں جائیں گی، پانی، گھاس اور آگ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے پانی کو روکنا بلا اختلاف حرام ہے۔ پانی کے گندے ہونے کی جو دلیل دی جاتی ہے وہ اس حد تک صحیح ہے کہ ایسا کرنا غلط ہے لیکن اس کے باوجود پانی کے حصول میں دشواری پیدا کرنا ممنوع ہے۔ پانی کو گندگی سے محفوظ رکھنے کے لئے لوگوں کو سمجھانا چاہیئے اور جو نہ مانیں انھیں سختی سے روکنا چاہیئے بلکہ با اختیار شخص سے مدد لینی چاہیئے۔

۱۵ صیح حدیث ہے، تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الاروار" (۱۵۵۰)

آہنی جالیوں ہی کی طرح بعض لوگ حوض کے کنارے والے برابر پتھر بٹھا کر وہاں پر کوہان نما ڈھالو پتھر رکھ دیتے ہیں جس پر بیٹھنا ممکن نہیں ہوتا، بعض ایسا کرنے والوں کو جب توجہ دلائی گئی تو غلطی کا احساس ہوا اور ندامت کا اظہار کیا۔ اس لئے اس طرح کے مضر افعال سے ہر شخص کو پرہیز کرنا چاہیئے۔

## ۲۹) اسقاط نماز کا صدمہ قبول کرنے کیلئے مفقار کا مسجد میں اجتماع

دشمن میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی مالدار فوت ہو جاتا ہے تو اس کے دروازے پر فیروں کا اجتماع ہوتا ہے، آدمی مالدار کی میں جس قدر شہر ہو جاتا ہے اسی لحاظ سے اجتماع بھی بڑا ہوتا ہے اس موقع پر میت کی طرف سے جو کچھ تقسیم ہوتا ہے اسی کو حاصل کرنے کے لئے فقر انجم ہوتے ہیں۔ جب فقر ام کی بھیڑ بہت بڑھ جاتی ہے اور گھر والے انھیں سنبھال نہیں پاتے تو اپنے کسی مضبوط و صابر دوست کو بلا لیتے ہیں، وہ شخص آکر تمام فیروں کو پڑوس کی مسجد میں جمع کرتا ہے اور دروازہ بند کر لیتا ہے۔ پھر ایک شخص "اسقاط نماز" والی بھیلی لے کر آتا ہے اور باری باری ہر فقیر کو اس کا حصہ دیتا ہے۔ اس رواج پر کئی پہلوؤں سے گفتگو کرنی ہے :- اول یہ کہ مسجد میں فیروں کے اجتماع سے شور و شغب اور بحث و تکرار ہوتی ہے جس سے مسجد کو محفوظ رکھنا چاہیئے، مسجد میں صدقہ جائز ہے لیکن اگر اس سے مسجد کی بے حرمتی ہو تو دوسری جگہ تقسیم کرنا چاہیئے۔

دوم یہ کہ فقر ام اس اجتماع میں کمینگی، بدکلامی، اور بیجانی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کا شور و شغب میت کے پسماندگان کی اپنی مصیبت سے بڑھ جاتا ہے، بلکہ یہ ان کے لئے ایک نئی مصیبت بن جاتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فقر ام میت کے ذمہ اپنے کسی قرض یا حق کے تقاضے کے لئے یہاں آئے ہیں، مزید برآں ان میں اکثر بے جوان عمر اور مضبوط جسم والوں کی



ہوتی ہے۔ فقورے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صحیح معنوں میں صدقہ کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن غیر مستحق فقرار کی وجہ سے ان کی بھی حق تلفی ہو جاتی ہے۔ میت کے گھر والے موت کے تیسرے دن فقرار کے ازدحام سے مجبور ہو کر کبھی کبھی ان کو سنبھالنے کے لئے پولیس کی مدد حاصل کرتے ہیں، ہم نے یہ سب مناظر دیکھے ہیں، شام کے رہنے والے ان فقرار کے فواد سے واقف ہیں۔ سوم اسقاطِ صلوٰۃ کی معروف کیفیت کا معاملہ ہے، متأخرین فقہاء احناف کا بیان ہے کہ اسقاطِ نماز کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں، لیکن مشائخ کے استحسان کی بنا پر یہ ایک احتیاطی عمل ہے، جیسا کہ روزے کے بارے میں ورنار تطوع کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ہر فرض کے عوض آدھا صاع غلہ یا اس کی قیمت دی جائے گی، انتہی

میں کہتا ہوں کہ ایسی صورت میں جن نمازوں میں تقصیر ہوئی ہے ان کا حساب لگا کر ہر نماز کے عوض غلہ یا پیسہ دیا جائے گا۔ اور اگر ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو جتنا ممکن ہو نکالا جائے گا میرے خیال میں فقہاء کا یہ قیاس بہت سے دوسرے قیاسات کی طرح ہے۔ جس طرح روزے کا فدیہ دیا جاتا ہے اسی طرح انھوں نے نماز کے لئے حکم دیا ہے، اور اس کی اتباع میں کوئی رکاوٹ نہیں معلوم ہوتی۔ چونکہ اس طرح فقرار کی غنماری ہو جاتی ہے اس لئے مستحسن ہے کہ وہ فقیروں کو جمع کر کے غلہ یا قیمت تقسیم کرے اور فقرار کے تعاون یا میت کے اوپر فرض کی ادائیگی کی نیت کرے۔

لیکن تقسیم کے وقت کا یہ دستور کہ جھولی لے کر گھمائیں اور ولی یا وکیل یہ پکارے کہ ”کفارۃ نماز کے طور پر اسے لے لو“ تو یہ زکوٰۃ و کفارہ کے مقاصد کے خلاف ہے، اس لئے کہ فقیر کی پردہ پوشی ہوئی چاہیے اور اسے جو کچھ بھی دینا ہو پوشیدہ طور پر دینا چاہیے، نہ کہ اس کا دل اور اس کے جذبات مجروح نہ ہوں۔

اس طرح محدثین و فقہاء جو اسے بدعت کہہ کر فقرار کا فائدہ روک دیتے ہیں اور جو

لوگ اس صدقہ کو اس کی مذکورہ کیفیت ہی پر رکھنے پر مصر ہیں اور جامہ نقلہ میں دونوں کے مذاہب کے مابین تطبیق ہو جائے گی، ویسے اس صدقہ میں زکوٰۃ کے ہی آداب و مقاصد کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ لہ

### ۳۰) بعض مدرسین یا سامعین کا آبنوالے کے لئے کھڑا ہونا

بہت سی مسجدوں میں حدیث یا تفسیر کی علمی مجلس منعقد ہوتی ہیں، جن میں سامعین و متلوں کے مطابق مدرس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں، کبھی درس میں شرکت کے لئے کوئی امیر، وزیر، قاضی یا بڑا عالم بھی آجاتا ہے، اس موقع پر مدرس یا حاضرین میں سے کوئی کھڑا ہو جاتا ہے اور اس قیام کو ضروری اکرام تصور کرتا ہے۔ حالانکہ ایسے وقت کا قیام بیوقوفی و اضطراب اور درس کے آداب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ درس کے آداب بھی نفس کے آداب کی طرح ہیں اور انھیں بھی سیکھنا ضروری ہے۔ ہمیں اس کا انکار نہیں کہ قیام میں اکرام ہے، لیکن ہر موقع پر نہیں، مثلاً اگر لوگ صف لگانے کے لئے تیار بیٹھیں تو اور ایسے وقت میں کوئی امیر یا وزیر آئے تو کیا اس کے لئے لوگ کھڑے ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ اور ایسا صرف موقع کی رعایت

لے میں کہتا ہوں کہ نائدہ یہ ہے کہ فقر کو اسی طریقہ پر مال وغیرہ دیا جائے جیسے اللہ کا حکم ہے، نہ کہ مذکورہ طور پر جسے سلف صانع نہیں جانتے تھے، اور نائدہ ذخیرانہ کی پیروی میں ہے، مصنف رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ اسی بدعت کو مستحسن بتا رہے ہیں، اسی طرح کے استخوان سے بدعتوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے (ناصر الدین) لہ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز عہد صحابہ میں معروف ہوتی، خصوصاً سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کہ آپ اکرام کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، لیکن صحابہ آپ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی نظر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، لیکن وہ لوگ آپ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ آپ اس کو ناپند فرماتے ہیں۔ اسے احمد نے بن مزیح روایت کیا ہے۔ ناصر الدین

کے سبب ہے، اسی طرح درس کے وقت میں آنے والے کے لئے ہرگز نہیں کھڑے ہونا چاہیئے۔ خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ اس کے اکرام کی مناسب صورت یہ ہے کہ مجلس میں اس کے لئے جگہ دیدی جائے تاکہ داخلہ کی دہشت ختم ہو جائے۔ قیام کے جائز نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس طرح درس کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، قاری کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے مجلس متفرق ہو جاتی ہے، گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور زیر درس کتاب کی بجز مسمیٰ ہوتی ہے، خود کھڑے ہونے والے کی وقعت کم ہو جاتی ہے۔ ان وجوہ سے درس کی تقریر کو بند نہیں کرنا چاہیئے اور نہ دہشت ظاہر ہونی چاہیئے۔ مگر ساتھ ہی اعراض، حقارت اور بے توجہی کا بھی اظہار نہ کرنا چاہیئے بلکہ بناشت کے ساتھ محبت کے انداز میں اشارہ کر کے تقریر کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔ البتہ اگر گھر میں صرف یا نحو کا درس ہو رہا ہو اور دو ایک طالب علم سُن رہے ہوں تو ایسی صورت میں قیام جائز ہے، لیکن اگر ایسے میں بھی کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھا رہے اور درس کے اختتام پر اٹھ کر مصافحہ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے، ہمارے شاخِ عظام کا یہی طریقہ تھا، اور اس کی مخالفت سے لوگوں کو بچنا چاہیئے۔

### ۳۱) مسجد کے صحن کا احترام

معمولی عقل رکھنے والا بھی یہ جانتا ہے کہ مساجد اور عبادت الہی کے دوسرے مقامات کا احترام ضروری ہے، گذشتہ ابواب میں اس ضمن کی اکثر چیزوں کا بیان ہو چکا ہے، اس سلسلہ کا جامع اصول یہ ہے کہ مسجد سے ہر بدعت کو ختم کرنا ضروری ہے۔ آئندہ سطور میں یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد کے صحن یا آنگن کا کیا حکم ہے۔ ۹۔

مسجد کے گرد کوڑا پھینکنا، اس کے گوشوں کو گندا کرنا، دیواروں پر تھوکنے، ان کے گرد آگ جلانا، عمارتوں کی مٹی اس کے بازو میں جمع کرنا، اس کی دیوار یا ستون سے ٹیک کر لکڑی

رکھنا یا کھڑکیوں کے لوہے سے گدھا باندھنا غلط ہے۔ یہ آخری علت بہت زیادہ تکلیف دہ ہے بعض جاہل مسجد سے متصل گدھے باندھ کر چھوڑ دیتے ہیں، ان کی آواز سے مصلیوں کو بوجہ تکلیف ہوتی ہے، لیکن ایسا کرنے والے کو اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ہر باتوش آدمی کو چاہیئے کہ ایسا کرنے والے کو سختی سے منع کرے اور مسجد کی صفائی و احترام پر لوگوں کو آمادہ کرتا رہے، واللہ الموفق۔

### ③۲ مسجد کے امام یا خادم کی وفات پر تیسری رات مغرب و عشاء

کے مابین تہلیل کہنا اور اس کی میت کیلئے نفع کا باعث بنانا

بعض مسجدوں میں دستور ہے کہ اگر اس کا امام یا خادم یا مؤذن یا خطیب کوئی بھی فوت ہو جاتا ہے تو لوگ تیسری رات مغرب و عشاء کے مابین لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں اور اسے بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں، اسی لئے میت کا کوئی قریبی یا دوست مسجد کے امام کے پاس آکر اس سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ درس چھوڑ دے، پھر ذکر کر نیوالوں کو جا کر لے آتا ہے اور وہ لوگ آکر تہلیل شروع کرتے ہیں۔ اس میں مسجد کے اندر آواز بلند ہوتی ہے جو ممنوع ہے اس سے مصلیوں کو خلل ہوتا ہے جاڑے میں جب اندر یہ لوگ تہلیل کرتے ہیں تو بعد میں آنے والا شخص مسجد کے بیرونی حصہ میں نماز پڑھنے پر مجبور ہوتا ہے جس سے اسے تکلیف ہوتی ہے، یا پھر واپس چلا جاتا ہے۔ لہذا اس قسم کا کوئی فعل مسجد میں ممنوع ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس ذکر سے میت کو فائدہ پہونچتا ہے، تو اس سلسلہ میں معلوم ہونا چاہیئے کہ میت کو یا تو صدقہ سے فائدہ ہوتا ہے یا کھانا کھلانے سے یا دعاؤں سے۔ قرآن یا حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ ہر میت کو زندہ کے صدقہ سے فائدہ پہونچتا ہے، حدیث میں یہ ذکر البتہ ہے کہ باپ کو بیٹے کے صدقہ سے فائدہ پہونچتا ہے لیکن اس کے ساتھ کسی اور کو لاحق کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ میں نے ”احکام الجنائز“ میں واضح کیا ہے۔ (ناصر الدین)

کرنے سے۔ لیکن مذکورہ کیفیت کا ذکر اور بدن کو اس میں مختلف انداز سے حرکت دینا، آواز بلند کرنا اور ہاتھوں کو دراز کرنا رقص و غماز کی ایک صورت ہے۔ جو لوگ اسے قربت الہی اور ذریعہ ثواب سمجھتے ہیں ان کے بارے میں ڈر ہے کہ وہ دین سے ٹھٹھا کرنے والوں کے ضمن میں داخل نہ ہو جائیں، اللہ ہمیں جاہلوں میں شمولیت سے بچائے۔ تہلیل کے عمل میں خوبی و نیکی کا صرف ایک پہلو یہ ہے کہ اس موقع پر جو کھانا اور پیسہ تقسیم ہوتا ہے اس سے غریبوں اور مسکینوں کی مدد ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ ذکر و غماز کی جو چیزیں اس طرح کی مناسبتوں پر ہوتی ہیں ان میں میت یا ورثہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

تہلیل کی حرمت پر فقہیہ شام امام ابن عابدین نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے، لیکن اس کی بنیاد انھوں نے ایک فقہی مسئلہ یعنی تلاوت پر اجرت لینے کے عدم جواز پر رکھی ہے، جو حنفیہ کا ایک قول ہے، لیکن انھیں اس سلسلہ میں علماء کی تائید نہیں حاصل ہوئی، چنانچہ ان کی تردید میں ان کے معاصر و دوست علامہ شیخ صالح دسوقی نے جو میری داوی کے ماموں تھے ایک رسالہ لکھا جس میں چاروں مذاہب کے فقہاء کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے۔ اسی طرح ابن عابدین کی تردید مثنیٰ و مثنیٰ علامہ محمود آفندی بن حمزہ نے بھی کی۔ شامی قراء کے استاد اور میرے شیخ الحلوانی نے ابن عابدین کے رسالہ اور اس کی تردید کے تذکرے کے موقع پر فرمایا کہ: اگر ابن عابدین اپنے رسالہ میں مجلس تہلیل کی بدعات و منکرات و مکروہات کا ذکر کرتے تو اس پر سب لوگ ان سے اتفاق کرتے، کیونکہ اکثر لوگ اس مجلس کے کاموں سے سخت ناراض ہیں۔ تہلیل کی بعض مجلسوں میں بے ریش نوجوان شریک ہوتے ہیں جن کے حلقوں کی قیادت ذکر کا صدر کرتا ہے، یہ لوگ صف میں کھڑے ہو کر تحجیر کا اظہار کرتے ہیں، لڑکیاں اتار لیتے ہیں اور بالوں کو لٹکا لیتے ہیں۔ مجھ سے ایک سن رسیدہ شخص نے جیسے اس کیفیت پر غصہ اور نفرت تھی یہ کہا کہ: اس مجلس میں تمہیں صرف لٹکے ہوئے بال، چمکتی ہوئی کر

ہلتے ہوئے موڑھے، چہار جانب سے تالی، نیچی اونچی حرکت، شور و شغب اور مغنیوں کی آواز پر وادہ فستگی کا منظر نظر آئے گا جس کو دیکھ کر ہر عقلمند شخص کو افسوس اور تکلیف ہوتی ہے میرے خیال میں ابن عابدین کو چونکہ تہلیل کا یہ منظر پسند نہیں آیا اس لئے انھوں نے مذہب حنفی کا ایک معروف قول نقل کر کے عوام کو تہلیل سے روکنا چاہا، انھیں یہ علم تھا کہ عوام فقہار کے فتوے پر جھک جاتے ہیں اس لئے اسی راہ کو انھوں نے اختیار کیا۔ لیکن درج ذیل وجہ سے ان کا مقصد حاصل نہ ہو سکا:

- ۱۔ حنفی مذہب کا یہ قول متفق علیہ نہیں تھا۔
  - ۲۔ دوسرے مذاہب کے فقہار بھی اس کے خلاف تھے۔
  - ۳۔ انھوں نے رسالہ کو اسی مسئلہ میں منحصر کر کے اس کے حق میں تعصب کا اظہار کیا۔
- اگر وہ رسالہ میں فقہار کے اقوال کے ذریعہ ذکر کی تخریف، لفظ اللہ کو کھینچنے، ریاور نمود کے قصد، پوشیدہ طور پر غریبوں پر خرچ کرنے کی فضیلت، مذکورہ مجلس کے منکرات، ذکر میں بے ریش نوجوانوں کے اجتماع، مالداروں کی ترزیع اور فقیروں کو ان سے کمتر کھانا کھلانے کی خرابیوں کا ذکر کرتے تو ان کا رسالہ زیادہ دل چسپ ہوتا اور کوئی بھی اس کی تردید نہیں کر پاتا، اور اگر کوئی کچھ کہتا بھی تو اس کی بات کا کچھ وزن نہ سمجھا جاتا۔ وَاللّٰهُ یَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ یَسِدُّ السَّیْلَ ۱۷

۱۷۔ میں کہتا ہوں اور حق کہتا ہوں کہ: ابن عابدین نے مقلد ہوتے ہوئے بھی اس رسالہ میں تعصب نہیں بڑھا ہے بلکہ کتاب و سنت کی دلیلوں کی وجہ سے عبادت میں اخلاص کی ضرورت پر زور دیا ہے، اور یہ چیز ذکر و تہلیل پر اجرت کے منافی ہے۔ ابن عابدین نے اپنے رسالہ کو اجرت لینے کے حکم کی توضیح پر منحصر کیا ہے اور اس پر فقہی فرع سے استدلال نہیں کیا ہے، جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے، بلکہ اس کی جگہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے اور اس کے ذریعہ کمائی کی حرمت سے متعلق صریح حدیثوں سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)



## ③ کسی و بار یا جنگ کی مصیبت پر بخاری شریف پڑھنا

شرح بخاری امام قسطلانیؒ نے اپنی شرح کے مقدمہ میں شیخ ابو محمد عبداللہ بن ابی جرہؒ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض اصحاب فضل و معرفت نے بیان کیا کہ: جب بھی کسی سختی کے موقع پر بخاری شریف پڑھی جاتی ہے تو وہ دور ہو جاتی ہے، اور جل کشی میں بخاری شریف ہوتی ہے وہ ڈوب نہیں سکتی، انتہی..... اور ملک و قوم پر کسی مصیبت کے وقت بہت سے علماء و اعیان کا بھی اسی پر عمل ہے، یہ لوگ علماء و طلباء کو بخاری کے اجزاء تقسیم کر دیتے ہیں اور ختم کے لئے ایک دن مقرر کر لیتے ہیں جس میں جامع اموی کے مقام بجلی یا کسی اور مقام پر اکٹھا ہوتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اس وقت سے رائج ہے جب سے مذکورہ قول کی اشاعت ہوئی ہے اور اس کے قائل کے بارے میں حسن ظن پیدا ہوا ہے۔ اس قرأت و ختم کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۰) اتلال کیا ہے، اس سلسلہ کی بعض حدیثوں کی تخریج ”الصیغۃ“ (۲۵۹-۲۶۰) میں موجود ہے۔ اور قرآن کی تلاوت اور دوسرے اذکار پر اجرت لینے کی حرمت پر تو علماء کا اتفاق مناسب ہے کیونکہ اس کی اباحت سے اخلاص و بند پر اثر پڑے گا جو عبادتوں کے لئے ضروری ہے، اس لئے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ کسی بھی عبادت میں اخلاص اور اجرت کی رغبت دونوں جمع ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (فَمَنْ كَانَ مِنْ جُودِ لِقَاءِ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُتَسَبَّبْ وَ عِبَادَةً رَبِّهِ أَحَدًا)۔ اس کے باوجود ابن عابدین ذکر و تہلیل میں تحریف کرنے والوں کی مذمت کو نہیں سمجھتے ہیں، چنانچہ صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ: ذکر کے اندر جمعیت خاطر مطلوب ہونے ہوئے اکثر کچھ ہوتا ہے اس سے قطع نظر اس مجلس میں ”سماع، کونث، حربیہ“ اور اسکے علاوہ سنیوں کے دوسرے کام کی رعایت جس کے نتیجہ میں ”لحن“ آواز کو کھینچنے، رقص اور بے ریشوں کے اجتماع، اور خواہشات و جذبات کو ابھارنے والے گلے ہونے ہیں اور ان تمام امور پر ہمارے مستند اماموں کی وضاحت موجود ہے کہ یہ سب حرام ہیں اور ان کے کرپنا لے کافر ہیں (ناصر الدین)

پڑھنے والے کو اس وقت بھی بلایا جاتا ہے جب کوئی بڑا شخص بیمار ہو جاتا ہے یا قید کر لیا جاتا ہے بعض قدیم علماء اس رسم کے مخالف تھے، چنانچہ ایک ازہری فاضل نے جمادی الاخریٰ ۱۳۲ھ میں مصر کے ایک علمی مجلہ میں اس رسم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بہ عنوان "علماء نے و بار کا کس طرح مقابلہ کیا؟" لکھا ہے کہ: "اس کے لئے انھوں نے پچھلے اقوار کو جامع ازہری میں بخاری شریف پڑھی، اس اجتماع میں بڑے بڑے مدرسین بھی شریک تھے، مشکلات و مصائب دور کرنے کے لئے ان کا "کاغذی ہتھیار" تیر و تفنگ اور اسلحہ و بارود کام کرتا ہے، ان کے خیال میں اس سے رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔ چونکہ علماء اہل ذکر میں، اور قرآن نے اہل ذکر سے رجوع کرنے کی تاکید کی ہے۔

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (النحل - ۴۳) سے پوچھ لو۔

اس لئے میں بہت سے لوگوں کی طرف سے ان سے پوچھتا ہوں کہ اس علاج کی کتاب سنت یا اقوال ائمہ میں کوئی دلیل ہے؟ یا کسی طبیب نے یہ مشورہ دیا ہے کہ امراض میں بخاری شریف کی قرارت مفید ہے؟ اگر مصائب و امراض سے نجات کا وصف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ دوسری کتب حدیث کو یہ خصوصیت کیوں حاصل نہیں، مؤطا امام مالک بھی صحیح حدیثوں پر مشتمل مستند کتاب ہے، اس کو مصائب میں کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ اگر عام اسباب سے قطع نظر کر کے قرارت پر اعتماد کیا جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ بھوک، درد شکم، تھکے یا دست دُور کرنے کے لئے ایسا کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر کسی طبیب کے مشورے سے ایسا نہیں کیا جاتا تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ کیا تاریخی اعتبار سے یہ ثابت ہے کہ کسی موقع پر دفع و بار وغیرہ کے لئے بخاری شریف پڑھی گئی؟ مصر میں عربی کے حامیوں کے لئے بخاری پڑھ جانے کا ثبوت ہے، لیکن ان کے بارے میں یہ بھی معلوم ہے کہ بُری

طرح شکست کھا گئے تھے۔ اگر علماء ان سوالات کے تشفی بخش جواب نہ دے سکیں گے تو ان  
 پر عوام کو جو اعتماد ہے وہ بُری طرح مجروح ہوگا اور دینی اعتبار سے لوگ بد نظمی کا شکار ہو جائیں  
 گے۔ ازہری علماء کے اس رویہ پر لوگوں کا یہ تاثر ہوتا ہے کہ متاخرین علماء مصائب کے  
 موقع پر ان کو دور کرنے کے وسائل اختیار کرنے سے گریز کرتے ہیں اور خوارقِ عادت و  
 ماورائے اسباب چیزوں کا ہمارا لے کر عوام کو اس وہم میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا اس  
 دنیا کے سوا کسی اور دنیا سے تعلق ہے۔ اس رویہ سے علماء کو آرام بھی مل جاتا ہے اور احترام  
 بھی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء اس طرح عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ جب وہ خود بیمار  
 ہوتے ہیں تو کسی کتاب کو پڑھ کر اپنا مرض دور کرنے کے بجائے مجرب چیزوں کو استعمال  
 کرتے ہیں یا پھر طبیب کے پاس جاتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کسی دشمن دین نے  
 مسلمانوں کے اندر شک پیدا کرنے کے لئے خود اسی دین کے احترام و تعظیم کو ذریعہ بنایا ہے، اس  
 نے بناوٹی علماء اسلام کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اسلام کو دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اس  
 طرح برتر ثابت کریں کہ مثلاً حدیث کی قرارت سے بیماری و مصائب کا دفعیہ مجرب ہے اور  
 اس میں شک کرنے والا مقام نبوت کو مطعون کرنے کا مرتکب ہے۔ چنانچہ جب اس طرح  
 کا عقیدہ دلوں میں راسخ ہو جائے گا اور لوگ اپنے معاملات میں اسے آزمائیں گے اور پھر کوئی  
 فائدہ نہ محسوس کریں گے تو یقیناً انھیں حیرت ہوگی اور دینی حیثیت سے شکوک و شبہات کا  
 شکار ہو جائیں گے۔ اس کی مثال میں ”تل کبیر“ کے عربی والے واقعہ کو پیش کیا جاسکتا ہے، اس  
 واقعہ کے بعد بد فتن مسلمان یہ پوچھتے تھے کہ بخاری شریف کی جنگی طاقت اور دشمنوں کے جنگی  
 جہازوں کے مقابلہ میں اس کی دفاعی حیثیت کیا ہے؟ اگر مسلمانوں میں بصیرت و ہوش رکھنے  
 والوں کی نظر قرآنی آیت :

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُرِّانَ کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت سے

قُوَّةٌ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال ۶۰) اور پہلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو۔

وغیرہ آیتوں پر نہ ہوتی تو نام نہاد علماء کے ایسے عمل سے بے شمار لوگ گمراہ ہو جاتے۔ ایسے اعمال سے بہت سے غیر مسلموں کو اسلام پر طعن و تشنیع کا موقع مل جاتا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقلید نے علماء کو ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اسلاف کے اُن کاموں پر بھی غور و فکر نہیں کر پاتے جن کی مشاہدہ سے تکذیب ہوتی ہے۔ اور احساس و وجدان جن کے مخالف ہیں۔ اس طرح کے حوادث میں علماء کے رجحان کا جن کو اندازہ نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ علماء کو مساجد و مجالس میں جمع ہو کر لوگوں کو حفظانِ صحت کے اصول کی پابندی اور دیگر وقتی حفاظت کی تدابیر اختیار کرنے پر آمادہ کرنا چاہیے۔ اگر تقریر کے ذریعہ اس طرح کی رہنمائی ممکن نہ ہو تو مضامین و رسائل کے ذریعہ عوام کو یہ بتانا چاہیے کہ بیماریوں سے بچنے کا حکم شرعی، عقلی اور سیاسی طور پر ثابت ہے، اس طرح حکومت کو بھی ان وبائی امراض پر قابو پانے میں آسانی ہوگی، اور عوام بھی راحت محسوس کریں گے، رسائل و کتب کی اشاعت کے لئے حکومت کا محکمہ صحت مالی تعاون دے گا اور علماء کا بھی شکور ہوگا۔

علماء کے بارے میں عوام کے یہ خیالات ہم اس لئے ان تک پہنچاتے ہیں کہ انہیں ان باتوں کا علم ہو جائے، چونکہ عوام سے اُن کا تعلق کم ہوتا ہے اس لئے بہت سی باتیں ان کے علم میں نہیں آتیں ان باتوں سے علماء کی نادانیت کا سبب یہ بھی ہے کہ عوام سے اپنی بات چیت میں وہ بہت جلد غصہ ہو جاتے ہیں، اس لئے عوام ان سے سب باتیں کہہ نہیں پاتے لیکن مجھے تو اس بات پر اصرار ہے کہ علماء یہ ثابت کریں کہ حدیث پڑھنے سے و بار کس طرح دفع ہو جاتی ہے؟ اور یہ خصوصیت صرف بخاری شریف کو کیوں حاصل ہے؟ قرآن جس کی تلاوت عبادت ہے اس کو یہ مقام کیوں نہیں ملا؟ اگر غیر ذمہ دار علماء ایسا کام کرنے تو ہم ان کو اور ان کے اس عمل کو نظر انداز کر دیتے، لیکن یہ کام ایسے علماء کی طرف سے کیا جاتا ہے جن کی سرکاری

ذمہ دارانہ حیثیت ہے، اس لئے ان کے کام کو اسی حیثیت سے دیکھا جائے گا، وَاللّٰہُ  
وَلِیُّ التَّوَّابِیْنَ۔

یہ مضمون جسے میں نے اوپر نقل کیا ”متنصع“ کے دستخط سے مذکورہ پرچے میں شائع ہوا تھا  
مضمون نگار نے طول کے باوجود اختصار سے کام لیا ہے، اگر انھیں علامہ عصام الدین طاشکبری  
کی کتاب ”الشفا لادوار البوار“ مل جاتی تو کافی تھا، کیونکہ موصوف نے اس کتاب کے  
مقصد سادس میں سیوطیؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ طاعون کے دفعیہ کیلئے دعار اور اجتماع موصوف  
بدعت ہیں۔ سیوطیؒ نے یہ دلیل دی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون کی وبا پھیلی تھی اس  
وقت صحابہ اور ان کے اکابر بکثرت موجود تھے، لیکن کسی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے خود  
ایسا کیا یا کسی دوسرے کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح دوسری، تیسری اور چوتھی صدی میں  
بھی ہمیں اس عمل کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ ۴۷۰ھ میں طاعون کے دفعیہ کی دعار کا ثبوت ملتا  
ہے، انتہی۔ (اس موضوع پر ہم نے پانچویں باب کے خاتمہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے،  
یہاں بطور تاکید اتنا ذکر کیا ہے)۔

(۳۴) مساجد کی اصلاح کے لئے مدیر اوقاف کے نام دیجانیوالی

### درخواست کی نقل

مصر کے ”البحریدہ“ نامی پرچے کے شمارہ ۲۱ ص ۳ پر میں نے ایک مضمون پڑھا تھا جس  
کا عنوان تھا ”زنکون کی مسجدیں“ اس مضمون میں تحریر تھا کہ: ”ہمارے یہاں مسجدوں  
کی حالتیں ہر طبقہ کی آہ و بکا اور حسرت و انوس کی مقتضی ہیں، حالانکہ ان میں مرشدوں، عابدوں  
اور متقیوں کے لئے ذکر و عبادت کی جگہ ہے، مسلمانوں میں مکلف لوگوں کے لئے دین کی تعلیم  
اور ہر امیر و غریب کا اجتماع ہیں ہونا ہے۔ جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ قوموں کی زندگی ان کی



زبان سے رہتی ہے، اُس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ دین فطرت کی زندگی مساجد کی زندگی سے برقرار رہتی ہے۔

زنکون کی خوبصورت و ٹھوس مسجدوں کو اُن اللہ والوں نے تعمیر کیا تھا جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، جن کے دل نورِ ایمان سے متور اور خوفِ خدا سے بھرپور تھے۔ اُس دور میں ساز و سامان کی وہ فراوانی نہیں تھی جو آج ہے۔

آج یہ مسجدیں عمر کی آخری منزلوں میں معلوم ہوتی ہیں، چھتیں گر رہی ہیں، دیواریں پھٹ چکی ہیں، حشرات الارض نے انہیں اپنا ٹھکانہ بنالیا ہے، ایسی مسجدوں کو عمومی ادارہ صحت کے لوگ گرانے کا حکم دیدیتے ہیں تاکہ ان سے کسی کو نقصان نہ پہنچ سکے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ان مسجدوں کے اوقاف سے جو آمدنی ہے اس سے انہیں بہت اعلیٰ سپانہ پر تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ ہمارا یہ پرچہ (الجمریۃ الغرام) جو حق و انانیت کی خدمت کے لئے معروف ہے۔ سعادت مآب مدیر اوقاف کی توجہ ان مساجد کی طرف مبذول کراتا ہے اور توجہ کی درخواست کرتا ہے، ہم بے صبری کے ساتھ اپنی مسجدوں کی تعمیر نو کے منتظر اور مدیر اوقاف کی خدمت میں شکر و ثنا کا یہ پیش کرتے ہیں۔“

### ۳۵) بعض مساجد کے قبلہ کی اصلاح سے متعلق عوام کی کج بحثی

کسی عامی کی ایسے موضوع پر گفتگو جو اس کے دائرہ علم سے باہر ہو کبھی کبھی ملک و قوم کے لئے باعثِ مشقت ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جامعِ مصلیٰ کی دیواریں جب منہدم ہو گئیں تو متوتقی نے ان کی تعمیر کا ارادہ کیا، انہیں علمِ ہدایت کے بعض ماہرین نے یہ بتایا کہ سمتِ قبلہ کچھ منحرف ہے، متوتقی نے اس مشورہ کی روشنی میں مغربی دیوار تعمیر کرائی چاہی تو عوام میں سے بعض لوگ بپھر گئے اور چرائی تعمیر پر اصرار کیا، ان کا دعویٰ تھا کہ یہ مسجد عمری ہے



صحابہ کرام نے اسی کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کا بیت المقدس آنا ثابت نہیں، آپ صرف دو مرتبہ "جابیہ" تک آئے تھے جو اس زمانہ میں "حوران" کا دارالحکومت تھا، ایک مرتبہ ۱۷ھ میں بیت المقدس کی فتح کے موقع پر، اور دوسری مرتبہ ۱۸ھ میں فوجی و شہری ضرورتوں کے پیش نظر۔ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ اس طرح کا ایک مسئلہ امام سبکیؒ کے زمانہ میں بھی اٹھا تھا جبکہ وہ دمشق کے منصبِ فضاہ پر فائز تھے۔ انھوں نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: جب انھیں یہ پتہ چلا کہ "جامع جراح" کا رخ میدھا نہیں ہے تو اس کے لئے اہل خیر کی ایک جماعت نے مسجد کے قبلہ کو صحیح سمت پر تعمیر کرنے کے لئے رقم اکٹھا کی۔ امام سبکیؒ نے ماہرین فن کی کتابوں سے مدد لے کر قبلہ کی صحیح سمت متعین کرنی چاہی، بعض نام نہاد فقہاء اور عوام نے اس پر اعتراض کیا، امام سبکیؒ نے بتایا کہ اس طرح کے مسائل میں اہل فن سے رجوع کرنا ضروری ہے، امام الحرمین نے لکھا ہے کہ: اہل بصیرت علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، صحیح قبلہ کی تعیین کے لئے انھیں سے دلائل تلاش کئے جائیں گے۔ سبکیؒ نے مزید لکھا ہے کہ اپنی نقاہت کے زعم میں جو لوگ ان کتابوں کی جانب مراجعت ضروری نہیں سمجھتے اور صرف اپنے آپ کو برحق سمجھتے ہیں انھیں اور جو علماء شریعت پر لبیب جہالت اعتراف کرتے ہیں انھیں بھی شرم کرنی چاہیے اور جن باتوں کا علم نہیں ہے ان پر گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے، حضرت عمرؓ کے دمشق آنے کی بات غلط ہے، آپ "حوران" کے گاؤں "جابیہ" تک آئے تھے، پھر امام سبکیؒ نے اس مسئلہ پر طویل بحث اور امام الحرمینؒ اور رافضیؒ کا مفصل بیان نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: جامع جراح کو منہدم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے قبلہ کو صحیح سمت پر متعین کر دیا جائے جو علمی اصول کے مطابق ہو، علمائے ہدایت جس وضع کو غلط سمجھ رہے ہیں اس میں رقم صرف کرنا مال کی بربادی ہے، انتہی.....

یہ فتویٰ بہت طویل ہے، اس کا خلاصہ ہم نے اپنی کتاب "نعیر الشام فی آثار دمشق اشام"

کی تیسری جلد میں درج کیا ہے۔ جو دو جامع جراح کی بنائی گئی ہے وہی ”جامع مجد“ پر بھی لاگو ہوگی۔ امراء و ملوک نے جو مسجدیں تعمیر کرائی ہیں ان کے قبلہ کی تعیین میں یقیناً غور و فکر سے کام لیا گیا ہے، چنانچہ سیوطی نے ”حسن المحاضرة“ میں لکھا ہے کہ مصر میں جامع عمر کے قبلہ کی تعیین انہی صحابہ کرامؓ کی مدد سے ہوئی تھی، اور جامع احمد بن طولون کے قبلہ کی تعیین کے لئے ماہرین علم ہندسہ کی ایک جماعت بلائی گئی تھی۔

## خاتمہ

### مساجد کے احکام سے متعلق جزئیات جو ”الاتقان“ اور اس کی شرح میں مذکور ہیں

شہر، گاؤں اور محلوں میں ضرورت کے مطابق مسجد کی تعمیر ضروری ہے۔ یہ کام فرض کفایہ ہے۔ مسجد کی تعمیر اور اس کے مفاد کے تحفظ سے متعلق بہت سی آیات، احادیث، اور اقوال وارد ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر مسجد کو صاف، مستقر، اور معطر رکھنا چاہیئے۔

مسجد میں کسی طرح کی گندگی، کھنکھار، ناخن، یا بال وغیرہ نہیں ڈالنا چاہیئے، اور بس، پیاز یا دوسری بدبودار چیز کھا کر نہ جانا چاہیئے، اگر کوئی ایسی حالت میں مسجد میں چلا جائے تو نکال دینا چاہیئے۔

مسجد کے اندر یا اس کی کھلی فضا میں تھوکنا نہیں چاہیئے، اگر ایسی غلطی ہو جائے تو تھوک کو وہاں سے پانی یا کپڑے سے زائل کر دینا چاہیئے تھوک اگر مسجد کی دیوار پر ہو تو اسے بھی صاف کرنا ضروری ہے، ممکن ہو تو اس کی جگہ خوشبو مل دینا چاہیئے۔

سونے یا چاندی سے مسجد کی آرائش حرام ہے، ایسی کوئی چیز مسجد میں لگی ہو تو نکال دینا چاہیئے (کعبہ شریف میں سب سے پہلے سونا لگانے والے، اور اُسے اور دیگر مسجدوں کو آرائش کرنے والے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک ہیں)۔

مسجد کی آرائش کسی ایسے نقش و نگار، رنگ یا تحریر سے نہ کرنا چاہیئے جس سے نمازی کو خلل ہو اور اس کی توجہ بٹ جائے۔ اگر اس میں وقف کا مال لگایا جائے گا تو حرام ہوگا، البتہ مسجد میں گچ بنانا یا سفیدی کرنا جائز ہے۔

مسجد میں خرید و فروخت یا کرایہ وغیرہ کا کام حرام ہے، اگر کوئی اس میں خرید و فروخت کر رہا ہو تو اس سے کہنا چاہیئے کہ ”لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتِكَ“ یعنی خدا ہمتاری تجارت میں فائدہ نہ دے۔

مسجد میں کسی طرح کی دست کاری وغیرہ کا کام نہیں کرنا چاہیئے، اور نہ مسجد کو حصول معاش کی جگہ بنانا چاہیئے۔

دست کاروں اور مزدوروں کا مسجد میں بیٹھ کر کام دینے والوں کا انتظار کرنا بھی غلط ہے اس سے ان کو روکنا چاہیئے، مسجد سے باہر بیٹھ کر وہ لوگ انتظار کر سکتے ہیں۔

مسجد میں معمولی کام مثلاً کپڑے پر پوند لگانا یا جوتا کا نمٹنا جائز ہے۔ لیکن کتابت کے علاوہ کماؤ کا کوئی دوسرا کام مسجد میں کرنا حرام ہے، اجرت پر اگر دوسروں کو مسجد میں کتابت کی تعلیم دی جائے تو جائز ہے، بشرطیکہ روشنائی سے فرش گندنا نہ ہو یا کوئی اور نقصان نہ ہو۔

مسجد میں بے شعور بچہ، اور دیوانہ کو جانے نہیں دینا چاہیئے، وہاں پر شور، جھگڑا، بیہودگی، بچوں کا کھیل کود اور چیخ و پکار، تالی و دف بجانا، اور مرد و عورت کا اختلاط سب غلط ہے۔

مصلیوں سے ہر طرح کی قوی و فعلی تکلیف کو دور کرنا چاہیے، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ: مَا النِّصْفَ الْقَارِئِ الْمُصَلِّي: یعنی قاری سے مصلیٰ کو انصاف نہیں ملتا۔ لہٰذا مدہوش و مست آدمی کو مسجد میں داخل نہ ہونے دینا چاہیے۔

طلب حق کے لئے مسجد میں فقہی و اجتہادی مسائل پر بحث و مناظرہ جائز ہے، لیکن اگر اس میں غلبہ، نفرت اور جنگ و جدال کے جذبات شامل ہو جائیں تو ایسا مناظرہ جائز نہیں مسجد میں عقد نکاح، فیصلہ، جائز شعر خوانی اور تعلیم جائز ہے۔

مریض مسجد میں رہ سکتا ہے، اس کے لئے اس میں خیمہ نصب کرنا اور اونٹ لانا جائز ہے مسجد کو بغیر ضرورت راستہ بنانا مکروہ ہے، اگر کوئی ضرورت ہو تو البتہ کراہت نہیں رہتی۔

جنبی کا مسجد میں رُکنا حرام ہے۔ اور اگر وضو کر لے تو رُک سکتا ہے۔

معتمد اور دوسرے لوگ مسجد میں سو سکتے ہیں لیکن مصلیوں کے سامنے نہیں۔ مسجد کو بیع اشعار سنانے، گندہ چیز تلاش کرنے، حد قائم کرنے اور تلوار سونٹنے سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

مسجد میں فضول دنیاوی بات چیت مکروہ ہے، اس کی کمکری یا مٹی کو تبرک کے خیال سے نکالنا بھی غلط ہے۔

لہٰذا بایں الفاظ یہ حدیث بے اصل ہے، جیسا کہ ”القاصد الحسنہ“ وغیرہ میں مذکور ہے، اس جگہ یہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے: وَلَا يَجْهَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ“ اور یہ صحیح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

لہٰذا میں کہتا ہوں کہ: اس کی حرمت کی کوئی صحیح حدیث نہیں، ہاں صحابہؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ مسجد میں رُکنے کے لئے وضو کر لیتے تھے۔ (ناصر الدین)

مسجد کی چٹائیوں، لالٹیوں اور دوسرے موقوفہ سامانوں کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر کوئی مسجد میں کھانا کھائے تو کسی بھی گرمی ہوئی ہڈی یا دانے کو وہاں چھوڑنا نہیں چاہیئے بلکہ اچھی طرح صاف کر دینا چاہیئے۔

مسجد میں درخت لگانا یا کنواں کھودنا جائز نہیں، اگر کوئی درخت لگا دے تو اکیسٹر دینا چاہیئے۔

مسجد کے اندر جماع حرام اور اس کی چھت پر مکروہ ہے، مسجد کی دیوار پر پیشاب کرنا یا اس سے پیشاب پونچھنا مکروہ ہے، اس میں فصد کھلوانا، پچھنا لگوانا، اورتے بھی حرام ہے، اگر اعتکاف کی حالت میں کسی کو ایسی ضرورت پیش آجائے تو مسجد سے باہر نکل آنا چاہیئے۔

مسجد میں وضو اور غسل جائز ہے بشرطیکہ کسی کو تکلیف نہ ہو، اور نفوک یا کھنکھار بھی کہیں نہ پڑے۔

نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں مسجد کا دروازہ بند رکھنا، باج ہے تاکہ دیوانے، بدست اور بچوں کے داخلہ کا اندیشہ نہ رہے۔

کٹھن یا جوتیں وغیرہ اگر کپڑے سے نکال لے تو انھیں مار دینا چاہیئے۔ نکال کر چھوڑ دینا حرام ہے۔

مکروہ یا معصیت کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے مسجد میں اجتماع جائز ہے۔

معتکف وغیرہ کے لئے مسجد میں کھانا پینا اور لیٹنا جائز ہے بشرطیکہ لباس ستر ہو۔

مسجد میں صدقہ کا سوال اور ایسے سائل کو صدقہ دینا مکروہ ہے، لیکن سوال نہ کر نیوالے سائل یا جس کے لئے خطیب سوال کرے اس کو صدقہ دینا مکروہ نہیں۔

مسجد میں داخلہ کے وقت دایاں پاؤں اور باہر نکلتے وقت باایاں پاؤں آگے کرنا چاہیے۔  
 مسجد میں جمعہ اور عید کے موقع پر خوشبو کے لئے دھونی کا انتظام کرنا یا ضرورت کے مطابق  
 قندیل روشن کرنا جائز ہے، لیکن شبان کی پندرہویں رات یا رجب کے پہلے جمعہ کی رات  
 کو جو روشنی ہوتی ہے وہ بدعت اور مال کا ضیاع ہے، اسی طرح اس سے مسجد میں شور و  
 ثغب ہوتا ہے جس سے مصلیوں کو خلل ہوتا ہے، رمضان میں اذان کے مناروں پر جو  
 روشنی ہوتی ہے وہ بھی غلط ہے۔

مسجد میں فقہار اور قراء کے حلقوں کو پار کرنے سے لوگوں کو رد کرنا چاہیے تاکہ مسجد کی  
 بھیر متنی نہ ہو۔

مسجد میں بیٹھنے والے کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا مستحب ہے اور اس کی طرف  
 پیر بھیلانا مکروہ ہے لہ

مسجد، گھر، سرائے اور مدارس میں محراب بنانا مباح ہے۔

کسی مسجد کے پہلو میں تنگی یا کسی اور ضرورت کے بغیر دوسری مسجد بنانا حرام ہے۔

مسجد کی تعمیر میں ناپاک مٹی، یا ناپاک مٹی کی اینٹ لگانا مکروہ ہے۔

مسجد میں خیمہ یا چٹائی کا حجرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں، حدیث سے یہ ثابت ہے۔

امام کے علاوہ کسی اور کو مسجد میں اپنے لئے مخصوص جگہ متعین نہیں کرنا چاہیے، اگر  
 کسی جگہ کوئی شخص ہمیشہ نماز پڑھتا ہو تو بھی اس کو اس جگہ کا زیادہ حق نہیں، اس  
 کے اٹھنے کے بعد وہاں دوسرا بیٹھ سکتا ہے۔

مسجد کی کسی جگہ سے کسی کو ہٹا کر خود نہیں بیٹھنا چاہیے اور نہ کسی اور کو بٹھانا چاہیے، البتہ  
 چھوٹے بچے کو پیچھے کر سکتے ہیں۔

لے میرے علم میں استحان کے علاوہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (ناصر الدین)



اپنی جگہ سے بہ سبب عذر اٹھ کر جانے والا واپس آئے تو اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے لیکن اگر بلا عذر اٹھا ہے تو اس کا حق سا قحط ہو جائے گا، البتہ وہاں پر کوئی کپڑا یا مصلی چھوڑ کر گیا ہو تو دوسرا وہاں نہیں بیٹھ سکتا۔

روزہ کی حالت میں مسجد کے اندر نماز وغیرہ کے لئے جانے والے کو اتنی دیر اعتکاف کی نیت کرنی چاہیئے۔

اگر کوئی اپنے گھر کے نچلے حصہ کو مسجد بنادے اور اوپری حصہ سے خود فائدہ اٹھائے یا اس کے برعکس کرے، دونوں صحیح ہے، بعض لوگوں نے صرف دوسری صورت کو صحیح کہا، مسجد کے حریم سے فائدہ اٹھانے میں اگر مصلیوں کو تکلیف ہو تو منع کرنا چاہیئے، اور اگر تکلیف نہ ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ سب مسلمانوں کا حق ہے۔

قبرستان میں مسجد بنانا صحیح نہیں، اور نہ اس کے لئے مال وغیرہ وقف کرنا صحیح ہے، جس گھر میں قبر ہو اس کو بطور مسجد وقف کرنا یا قبروں وغیرہ پر روشنی یا اس کی خدمت کے لئے وقف کرنا بھی صحیح نہیں۔

مسجد میں لنگھا کرنے کے بعد اگر بال نہ چھوڑے تو صحیح ہے، اور بال کو وہیں چھوڑ دینا مکروہ ہے، کیونکہ ایسی گندگیوں سے مسجد کو پاک رکھنا ضروری ہے۔

## وقف سے متعلق کچھ دوسری جزئیات

مسجد میں روشنی کے لئے تیل وقف کرنا جائز ہے کیونکہ مسجد کی روشنی کا انتظام مندوب ہے۔ (یہ ابن تیمیہ کا قول ہے)

قبر کی روشنی یا دھونی دینے یا اس کے خدام و مجادروں پر خرچ کرنے کے لئے وقف صحیح نہیں۔ مسجد قبر پر تعمیر کرنے یا قبر والے گھر کو مسجد بنانے کے لئے وقف صحیح نہیں، کیونکہ

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کی زیارت کرنا ایسا ہے، اور ان پر مسجد بنانے یا چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے اس کی تخریج کی ہے۔ یہ حارثی کا قول ہے لہ

مسجد کی تعمیر کے لئے موقوفہ مال کو مسجد، اس کے منارے اور منبر کی تعمیر و اصلاح میں خرچ کر سکتے ہیں، اس سے چھت کے لئے بیڑھی یا سائبان بھی خرید سکتے ہیں لیکن بیت الخلاء کی تعمیر یا مسجد کی بیجا آرائش و تزئین میں خرچ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بیت الخلاء کا شمار مسجد میں نہیں ہوتا اور آرائش و تزئین سے شریعت نے منع کر دیا ہے۔ ایسے مال سے جھاڑو یا صفائی کا دوسرا سامان بھی نہیں خرید سکتے کیونکہ یہ تعمیر کے اندر داخل نہیں ہے البتہ اگر مال کو مسجد کی عام ضرورتوں کے لئے وقف کیا ہو تو مذکورہ امور میں اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ: بیت المال سے جو رقم لی جاتی ہے وہ بدلہ، یا اجرت نہیں بلکہ اطاعت پر اعانت کے لئے رزق ہے، یہی حال اس مال کا ہے جس کو نیک کام کے لئے وقف کیا جائے، یا کسی کے لئے وصیت یا نذر کیا جائے، یعنی اس مال کو اجرت یا مزدوری کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، انتہی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادتوں پر اجرت لینے سے جو لوگ منع کرتے ہیں وہ موقوفہ چیز میں مشروط کو لینے سے منع نہیں کریں گے، اس لئے حارثی کا مدعا یہ ہوگا کہ جب وقف بیت المال سے نہ ہو۔ لیکن وقف اگر بیت المال کی جانب سے ہو تو وہ حقیقی وقف نہیں، لہذا جن کے لئے بیت المال سے کھانا جائز ہوگا وہ اس وقف سے بھی کھا سکتے ہیں، جیسا کہ جامع ابن

سہ میں کہنا ہوں کہ اس کی اسناد ضعیف ہے اور "السرچ" کے لفظ کے بغیر یہ حدیث صحیح ہے، ملاحظہ

طولوں وغیرہ کے اوقات سے متعلق شیخ الرملی وغیرہ کی تائید میں صاحب المنہجی کا فتویٰ ہے  
 شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ: ناجائز مال کھانے والے وہ بھی ہیں جنہیں  
 بیت المال سے ضرورت سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے، اور وہ بھی جن کے مختلف وسائل  
 ہیں اور ان میں معلوم وسائل بہت زیادہ ہیں، یہ لوگ ان کے لئے معمولی معاوضہ پر  
 دوسروں کو نائب مقرر کر دیتے ہیں، ایسا کرنا وقف کرنے والوں کے مقصد کی خلاف ورسی ہے۔  
 جنازے وغیرہ کا انتظار کرنے والے کے لئے مسجد کی چٹائی وغیرہ باہر نکالنا جائز نہیں۔  
 وقف کی چیز کا بیچنا، ہبہ کرنا، اور بدلنا جائز نہیں، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا ارشاد ہے کہ:

لَا يَبَّاعُ أَصْلَهَا وَلَا تُؤْهِبُ      وقف کی اصل چیز کو بیچنا، ہبہ کرنا، یا اس  
 وَلَا تُؤْرَثُ      کا وارث بننا جائز نہیں۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ علماء کا اسی حدیث پر عمل ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے  
 البتہ اگر وقف کی چیز اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس سے کسی طرح کا فائدہ نہ حاصل  
 کیا جاسکے، اس کی اصلاح ممکن نہ ہو، کوئی مسجد تنگ ہو جائے اور وہاں پر اس کی  
 توسیع ممکن نہ ہو تو اس کو بیچنا صحیح ہے، اس کی قیمت اسی جیسے کام میں خرچ  
 ہو جائے گی۔ کیونکہ بلا فائدہ چھوڑ دینے سے کوئی نتیجہ نہیں۔

ابن رجبؒ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ سے زیادہ وضاحت سے جو قول منقول ہے وہ  
 یہ ہے کہ ایسی مسجد بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری مسجد تعمیر کی جائے گی۔ اور اگر اس  
 گاؤں میں ضرورت نہ ہو تو دوسرے گاؤں میں تعمیر کی جائے گی۔

جس مسجد کا بیچنا جائز قرار پائے اس کا ملبہ یا دوسرا سامان نئی تعمیر ہونے والی مسجد

میں منتقل کر دیا جائے گا، جیسا کہ ابن معوذ نے تمارین کی مسجد کے بارے میں کیا تھا،  
ایسے سامان کو بوقت ضرورت دوسری مسجد میں منتقل کرنا اس کو بیچنے سے بہتر ہے۔  
مسجد کے سامان کو کسی مدرسہ، سرائے، کنوئیں، حوض یا پبل میں یا اسی طرح ان  
چیزوں کے سامان کسی اور جگہ نہیں لگائے جاسکتے۔ البتہ امام عبادہؒ نے ایک جگہ کا  
سامان دوسری جگہ لگانے کی اجازت دی ہے، ابن رجبؒ نے اسے طبقات میں لکھا  
ہے اور الانصافؒ میں مذکور ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے اور یہ رائے قوی بھی ہے۔  
کسی مصلحت سے مسجد کی نئی تعمیر جائز ہے، حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیح میں مروی  
ہے کہ :

لَوْلَا تَوَمُّدُكَ حَدِيثُ عَهْدٍ  
بِجَاهِلِيَّةٍ لَأَمَرْتُ بِالْبَيْتِ  
فَنَهَضْتُمْ فَادْخَلْتُ فِيهِمْ مَا أَخْرَجَ  
لَهُ مِنْهُ۔  
لوگوں سے جاہلیت کا زمانہ قریب نہ ہوتا  
تو میں بیت اللہ کو گرا کر نئی تعمیر میں  
وہ حصہ داخل کر لیتا جو نکال دیا گیا ہے۔

کسی مسجد کو دو دروازوں کے ذریعہ دو حصوں میں تقسیم کرنا صحیح نہیں، کیونکہ اس تبدیلی کا  
کوئی فائدہ نہیں۔

حفاظت و مضبوطی کے لئے مسجد کے منارے کو ٹوڑ کر دیوار میں شامل کر لینا جائز ہے۔  
کسی مسجد کی ضرورت سے فاضل چٹائی، تیل، غلہ، ملبہ وغیرہ کو دوسری مسجد میں لگانا  
جائز ہے۔ فقرا پر اس کا صدقہ بھی کر سکتے ہیں۔

کسی مسجد یا حوض پر موقوفہ مال کو ان سے فائدہ ختم ہونے کے بعد دوسری مسجد، یا  
حوض پر لگا سکتے ہیں۔

ضرورت کے لئے مسجد میں کنواں کھودنا جائز ہے بشرطیکہ اس سے تنگی نہ ہو۔  
اکثر مصلیوں کی خواہش پر مسجد کو اونچی کرنا جائز ہے، نچلے حصہ میں دکانیں یا پانی پینے  
پلانے کی جگہ بنا سکتے ہیں۔ ۱۔

## کچھ اور مسائل

اگر کوئی مسجد ویران ہو جائے اور لوگ وہاں جانا بند کر دیں تو امام ابو یوسفؒ کی  
راے میں وہ وقف کرنے والے کی ملکیت میں واپس نہیں جاسکتی، بلکہ اس کا ملبہ  
بیچ کر اس کی قیمت دوسری مسجدوں میں لگا دی جائے گی۔

اگر کوئی عام راستہ کشادہ ہو اور اہل محلہ وہاں مسجد تعمیر کر لیں جس کی وجہ سے چلنے والوں  
کو کوئی تکلیف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا خیال  
ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ راستہ اور مسجد دونوں ہی عوام کی چیز ہے، اگر راستہ سے مسجد کو  
یا مسجد سے راستہ کو کشادہ کرنے کی ضرورت ہو تو کر سکتے ہیں، بشرطیکہ اس سے کوئی  
نقصان نہ ہو۔

اگر مسجد تنگ ہو جائے اور اس سے متصل کسی شخص کی زمین ہو تو اس کو قیمت دے کر  
زمین زبردستی لے لی جائے گی تاکہ تکلیف رفع ہو، اور اگر وہ زمین مسجد ہی کی ہو تو قاضی  
کی اجازت سے مسجد کی توسیع کی جائے گی۔

اگر مسجد کا منقوی مسجد کے آنگن یا کسی اور حصہ کو دکان بنانا چاہے تو امام ابو اللیث  
کا خیال ہے کہ ایسا نہیں کر سکتا۔

محلہ والے اگر اپنی مسجد کا دروازہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیں تو یہ جائز ہے۔

مرنے والا اگر کاخیر کے لئے ایک نہائی مال کی وصیت کرے تو اس سے مسجد کی روشنی کا انتظام جائز ہے۔ لیکن رمضان یا غیر رمضان میں ایک سے زیادہ چسراغ نہیں جلانا چاہیئے کیونکہ اسراف ہوگا۔

اگر مسجد کی تعمیر کے لئے وصیت کرے تو آرائش کے علاوہ تعمیر کے تمام کاموں میں اسے خرچ کر سکتے ہیں۔ منارے کے لئے بھی خرچ کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی مسجد کے حکم میں ہے متولی اگر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف مال سے عمارت پر نقش و نگار بنوائے گا، تو اسے تاوان دینا ہوگا۔

اگر مسجد کی تعمیر اور اس پر خرچ کے لئے کوئی زمین وقف ہو اور اس میں یہ شرط ہو کہ تعمیر سے جو حصہ فاضل ہوگا وہ فقراء کا ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں اگر محصول یعنی غلہ جمع ہو جائے اور مسجد کو ضرورت نہ ہو تو بلجی کے بیان کے مطابق اس محصول کو روک رکھا جائے گا کیونکہ ممکن ہے آئندہ پیداوار نہ ہو اور مسجد کو ضرورت پڑ جائے۔ ابو جعفر کا تو یہ ہے کہ کسی حادثہ کے وقت مسجد کو جتنے غلہ کی ضرورت ہو سکتی ہے اس سے زائد غلہ فقیروں کو دیدیا جائیگا۔

اگر مسجد کا دروازہ ایسا ہو کہ بارش کے وقت آنے والے بھیگ جاتے ہوں تو وقف کی رقم سے اس کا سائبان بنا سکتے ہیں بشرطیکہ رات نہ چلنے والوں کو سائبان سے کوئی تکلیف نہ ہو۔

مسجد کے متولی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کا چسراغ اپنے گھر لے جائے۔ لہ  
الاقتناع میں مذکور ہے کہ: اگر کوئی مسجد پر سونے یا چاندی کی قندیل وقف کرے تو یہ وقف صحیح نہ ہوگا بلکہ حرام ہوگا۔ الموفق کا قول ہے کہ: یہ وقف مسجد کے لئے صدقہ

لہ ماخوذ از "احکام الاوقاف" للبرہان الطرابلسی۔





جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات الدار السلفیہ نمبر ۱۷

نام کتاب	:	اصلاح المساجد
مؤلف	:	علامہ محمد جمال الدین القاسمی
مترجم	:	ڈاکٹر مقتدی حسن الازہری
ناشر	:	دار المعارف ممبئی۔ ۳
طباعت	:	بھاوے پرائیویٹ لیمیٹڈ ممبئی ۸
تاریخ اشاعت	:	ستمبر ۱۹۹۹ء
تعداد اشاعت بار چہارم	:	ایک ہزار
قیمت	:	۶۵ روپے

ملنے کے پتے

**دار المعارف**

**ممبئی**

۱۳، محمد علی بلڈنگ، محمد علی روڈ،  
بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳  
فون: ۳۷۱۶۲۸۸

**دہلی**

۲۶۸۳/ بی گلی مسجد کالے خان،  
کوچہ چیلان، دریاں، نئی دہلی۔ ۳  
فون: ۳۲۷۷۲۵۳



MAKTABA

**AL-DARUSSALAFIAH**

6/8-HAZRAT TERRACE, SK. HAFIZUDDIN MARG,  
BOMBAY - 400 008 (INDIA)

TEL:308 27 37/ 308 89 89, FAX: 306 57 10

Rs. 65/-